إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی



اللطیف ویلور

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللطیف





۴۹ واں شمارہ

سالنامہ ۱۴۳۱ھ م 2010ء ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری

رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

مولانا مولوی ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری

رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری

رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء، ۱۲ ر شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ م 25 جولائی 2010ء بروز اتوار

○ سرپرست

مولانا مولوی ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، بی کام،

ناظم دار العلوم لطیفیہ ۔ حضرت مکان ۔ ویلور

○ معاون

سید شاہ محمد طاہر قادری

○ مدیران مسئول

حضرت مولانا مولوی پی محمد ابو بکر ملیباری لطیفی قمری مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی، مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

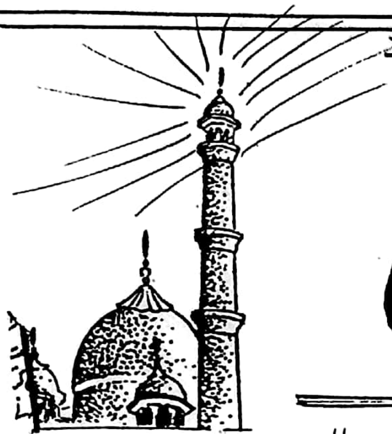
○ نمائندگان طلباء

۱	کے ۔ اے ۔ محمد نظام	ویلور
۲	یم ۔ شبیر احمد	ویلور
۳	پی ۔ پی ۔ یس سید محمد جنید البخاری	کیرلا
۴	سی ۔ محمد شفیق	کیرلا
۵	کے ۔ کے ۔ رفیق	کیرلا
۶	یم ۔ نواز خاں	بنگلور
۷	سید عبد الرزاق قادری	گنتکل

Scanned with CamScanner

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ۱۴۳۱ھ 2010ء

منظومات



مناجاتِ قربی

حضرت قدوۃ السالکین سید شاہ رکن الدین ابوالحسن قربیؔ ویلوری علیہ الرحمہ

شریعت میں دے استقامت مجھے ۔۔۔ حقیقت منے رکھ سلامت مجھے

مرے سر کو کر پاک توں غیر سوں! ۔۔۔ کرم سوں توں کر مسجد اس دیر کوں[1]

جہاں کے تمامی یو ذرات سوں ۔۔۔ دکھا مجکوں تیری حقیقت کاموں

تصرف منے کر مجے بے نظیر ۔۔۔ ترے نور قربت سوں کر مستنیر

ملا جیو کوں میرے ترے نور سوں ۔۔۔ ملے بوند جوں جا کو سمدور سوں

ادل تھا او سمدور کا بوند میں ۔۔۔ بسر کر رہیا جال میں کود میں

کرم سوں چھڑا مجہ کو اس جال سوں ۔۔۔ ملادے او سمدور میں درحال توں

اول کر تو منجکو فنا خلق سوں ۔۔۔ بزاں کر ہوا سوں منجہ آزاد توں

بزاں کر ارد سوں مجکوں فنا ۔۔۔ کہ تجہ بن نہ رہے منجہ مراد و منا

بڑے حوصلے کا دے کچکول توں! ۔۔۔ کہ تا اس منے لیوں اس بھیک سوں

خوشی سات یو بھیک لے کھاوں میں ۔۔۔ مزہ دوستاں کو بھی دکھلاوں میں

کیا تم کوں رحمت جہاں واسطے ۔۔۔ یو رحمت رہے عاجزاں واسطے

خودی سوں نہایت میں عاجز ہوا ۔۔۔ تو ای رحمت اس وقت پر کام آ

خدا ہے کریم اور تم ہو کریم
یو دونوں کریماں منے یک یتیم

پیشکش: شاہ محمد کاشف قادری

[1] س: سوں

رباعیاتِ امجد

خاتم النّبیین

رُخ مہر ہے۔ قد خطِ شعاعی کی طرح
وہ گلۂ اُمّت میں ہے راعی کی طرح
اُس خاتمِ انبیاؑ کا آخر میں ظہور
ہے مصرعۂ آخرِ رباعی کی طرح

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی

حیرت نہیں بے سایہ اگر ذات ہوئی
ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی
دن رات تھا جلوۂ خدا پیشِ نظر
معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

معبود کی شان عبد میں پاتا ہوں
تنزیہ سے تشبیہ کی سمت آتا ہوں
کلمہ میں خدا کے بعد ہے نامِ نبیؐ
کعبہ سے مدینہ کی طرف جاتا ہوں

روضۃُ النّبیؐ

ہیں خاتمِ عشق کا نگینہ آنکھیں
ہیں بحرِ محبت کا سفینہ آنکھیں
ہیں گنبدِ پر نور کی صورت بالکل
کعبہ ہے اگر دل تو مدینہ آنکھیں

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ حَنَّ شَوْقًا اِلٰی دِیَارٍ لَقِیْتُ فِیْھَا جَمَالَ سَلْمٰی
میرا شوق اس دیارِ مقدس کے لئے بیقرار ہے، جہاں میں نے جمالِ سلمٰی کی جھلک دیکھی ہے

کہ می رساند ازاں نواحی پیامِ وصلت بجانبِ ما
اس سمت سے وصل کا پیغام میری طرف آ رہا ہے۔

بہ وادیٔ غم بہم فتادہ زمامِ فکرت زدست دادہ
میں غم کی وادی میں پڑا ہوا ہوں، صبر کی باگ میری ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے

نہ بخت یاور، نہ عقل رہبر، نہ تن توانا، نہ دل شکیبا
نہ قسمت یاوری کرتی ہے، نہ عقل رہبری کرتی ہے نہ جسم میں توانائی ہے اور نہ دل میں صبر کی طاقت ہے

زہے جمالِ تو قبلۂ جاں، حریم کوئے تو کعبۂ دل
آپ کا جمال اقدس قبلۂ جاں ہے اور آپ کا کوئے حریم کعبۂ دل ہے

فَاِنْ سَجَدْنَا اِلَیْکَ نَسْجُدْ وَاِنْ سَعَیْنَا اِلَیْکَ نَسْعٰی
ہم اگر سجدہ کریں گے تو آپ کی طرف کریں گے اور اگر سعی کرینگے تو آپکی طرف کرینگے

بَکَتْ عُیُوْنِیْ عَلٰی شُیُوْنِیْ فَسَاءَ حَالِیْ وَلَا اُبَالِیْ
اپنی کیفیت عشق پر میری آنکھیں روتی ہیں میرا حال برا ہو گیا ہے لیکن مجھے پروا نہیں ہے۔

کہ دانم آخر، طبیبِ وصلت، مریضِ خود را کند مداوا

اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ آخر کار طبیبِ حاذق اپنے مریض کا علاج کریگا

اگر بجورم بجا آوری جاں، وگر بہ تیغم بیفگنی سر

اگر جور کے ساتھ میری جان نکال لی جائے اور اگر تلوار سے میرا سر قلم کر دیا جائے۔

قسم بہ جانت کہ بر ندارم سرِ ارادت ز خاکِ آں جا

تو قسم ہے آپ کی جان محترم کی کہ عقیدت کا سر اس خاک پاک سے نہیں اُٹھاؤنگا

بہ ناز گفتی فلاں کجائی، چہ بود حالت دریں جدائی؟

بڑے ناز سے آپنے کہا فلاں کہاں ہے اس جُدائی میں تیرا کیا حال تھا؟

مَرِضْتُ شَوْقاً وَمِتُّ هِجْراً، فَكَيْفَ أَشْكُو إِلَيْكَ شَكْوًا

(میں نے کہا) میں شوق دید میں بیمار ہو گیا۔ اب میں ہجر میں مر رہا ہوں لیکن بتلائیے آپکا شکوہ کس طرح کروں۔

ز سرِّ عشق تو بود ساکن، زبانِ اربابِ شوق لیکن

ارباب شوق کی زبان راز عشق کے ظاہر کرنے کے سلسلے میں خاموش تھی

ز بے زبانیِ غمِ نہانی، چنانکہ دانی شُد آشکارا

لیکن غم پنہاں، بے زبانی کی زبان سے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں ظاہر ہو گیا

بر آستانت کمینہ جامی مجالِ ماندن نہ دید ازاں رو

آپ کے مقدس آستانہ پر غم نصیب جامی دیدار کرنیکی ہمت نہیں تھی، اس لئے

بہ کنجِ فرقت نشستہ محزوں، بکوئے محنت گرفتہ ماوا

وہ کنجِ فرقت میں اُداس ہو کر بیٹھ گیا ہے اور اس نے ایک غمکدہ کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔

افتتاحیہ

ادارہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

عہدِ نبوت ہی سے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق مخالفتوں، دشمنیوں، تہمتوں، بدگمانیوں، سازشوں، ایذاء رسانیوں اور فتنوں کا سلسلہ شروع ہوا، جو آج تک بھی جاری اور ساری ہے اور یہ سارے فتنے زمانہ اور وقت کی مادی قوت اور ذہنی و فکری طاقت کے بل بوتے پہ ابھرتے رہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتماعات، میلے اور تجارتی بازار اور پبلک مقامات ابلاغ و ترسیل کے ایسے ذرائع تھے جہاں سے کوئی بھی بات بڑی آسانی کے ساتھ سارے لوگوں تک پہنچائی جا سکتی تھی۔ اسلام دشمن طاقتوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو غیر مؤثر اور غیر مقبول بنانے کے لئے ان ہی ذرائع کا استعمال کیا۔ آنحضرتؐ جب ان میلوں اور پبلک مقامات پر پہنچ کر اسلام کی دعوت پیش کرتے تو یہ مخالفین بھی وہاں حاضر ہو جاتے اور آپؐ کی بات کو لوگوں تک پہنچنے نہیں دیتے اور شور و غل مچا دیتے تاکہ حاضرین آپؐ کی باتوں کو توجہ اور انہماک کے ساتھ نہ سن سکیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ گھر گھر پہنچ کر اور لوگوں سے مل کر یہ خبر پھیلاتے کہ محمدؐ ایک مجنون، ساحر اور شاعر آدمی ہیں، ان سے نہ ملیں اور ان کی کوئی بات نہ سنیں۔ یہ تمہارے معبودوں کے بارے میں غلط سلط اور برا بھلا کہتے ہیں۔ اس طرح سے پورے سماج اور سوسائٹی میں اسلام مخالف مہم چلائی جاتی رہی۔ جسے زبانی اور لسانی صحافت کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

مکہ مکرمہ میں ابلاغ و ترسیل کی یہ مہم کامیاب نہ ہو سکی بلکہ اسی مہم نے اسلام دشمنی کی فضا

کو عام کرنے کی بجائے اسلام دوستی کی فضا پیدا کردی۔ الانسان حریص ما منع۔ (انسان کو جس چیز سے روکا جائے وہ اسی چیز کا زیادہ خواہش مند اور طلب گار بن جاتا ہے۔) کے مصداق لوگوں کے اندر پیغمبرِ اسلام کو دیکھنے، پہچاننے اور آپ کی باتوں کو سننے اور سمجھنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور وہ کھنچے کھنچے بارگاہ نبوی میں پہنچنے لگے اور آپ کی باتوں کو سننے اور سمجھنے اور قبول کرنے لگے۔

دشمنانِ اسلام نے جب یہ فضا دیکھی تو انھوں نے اپنا طریقۂ کار تبدیل کر دیا اور سوسائٹی میں رائج تنبیہ و تاکید پر مبنی قوانین کا غلط اور بے جا استعمال کیا اور اس کے سہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے متعلق سوشیل بائیکاٹ سماجی مقاطعہ کا قانون پاس کروایا۔ آپ اور آپ کے اہلِ شعبِ ابی طالب میں تین سال محصور رہے۔ اس عرصہ میں کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچ نہیں پاتی تھی کسی سے کوئی بات چیت، علیک سلیک تک نہیں۔ کسی سے کوئی رابطہ ہی نہیں تھا۔ نبی کریمؐ اور آپ کے خاندان کے ساتھ اس سلوک کے ساتھ عام مسلمانوں پر بھی ہر قسم کے ظلم و ستم روا رکھے گئے اور ان کو جسمانی اذیتوں اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا کیا گیا، تاکہ وہ حلقۂ اسلام سے باہر نکل جائیں لیکن مسلمانوں میں پست ہمتی کی بجائے عالی حوصلگی دیکھنے میں آئی اور یہ اسلام سے برگشتہ کیا ہوتے مزید وابستگی دیکھنے میں آئی تو مخالفین ایک اور حربہ یہ استعمال کیا کہ مکۂ مکرمہ سے نبی کریمؐ کا تعلق ہی ختم کردیں۔ چناں چہ آپ کی شہریت ہی ختم کردی اور آپ کو جماعت برادری سے باہر کردیا گیا۔ جب آپ طائف سے واپس لوٹے اور مکۂ مکرمہ پہنچے تو آپ کو شہر میں داخلہ کی اجازت نہ تھی۔ آپ نے بڑی مشکلوں کے بعد ایک شخص سے امان حاصل کی اور اس کے امان میں اپنے آبائی اور پیدائشی شہر مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی مثالیں تھیں۔ جس میں اسلام دشمن قوتیں مقابل تھیں اور علانیہ بھی تھیں۔ جب صحابہ کرامؓ کا دور آیا تو یہ طاقتیں ایک نیا زاویہ اور نیا روپ لئے ہوئے اس طرح ابھریں کہ ان کی اسلام دشمنی نمایاں نہ ہوسکی۔ اور وہ مخفی طور پر اپنی مہم جاری رکھیں اور غیر محسوس طریقہ سے مسلمانوں میں فکری اور اعتقادی یکسانیت اور یگانگت کو ختم کرنے اور ان کے درمیان انتشار و خلفشار پیدا کرنے اور سیاسی تصادم پیدا کرنے کی مہم شروع کردی۔ چناں چہ اس کی شروعات عبداللہ ابن سبا کے ذریعہ کروائی گئی جو دراصل ایک یہودی شخص تھا۔ اسلامی لبادہ اوڑھے ہوئے مسلمانوں میں شامل ہوگیا تھا۔ اس نے نیک طینت سیدھے سادھے

مسلمانوں کو آلِ رسولؐ کی محبت کے اظہار سے اپنے قریب میں لے لیا۔ سیاست وخلافت کا علم اٹھائے ہوئے تفرقہ کا بیج ڈال دیا۔ جس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی۔ اس حادثہ جانکاہ کے بعد مسلمانوں میں قتل وقتال کا بازار گرم ہوگیا۔ جو آج تک سرد نہ ہوسکا۔ سیاسی اختلاف اور تفرقہ نے فکری اور اعتقادی بلکہ مذہبی گروہ بندیوں کا روپ دھار لیا اور یہ باب اس قدر وسیع ہوتا چلا کہ اس میں کئی فصول اور ذیلی ابواب بنتے چلے گئے اور آج تک بھی یہ باب کھلا ہی ہے۔

پہلی صدی ہجری سے لے کر پندرھویں صدی ہجری تک اسلامی دنیا تاریخ کے ہر دور میں مختلف نشیب وفراز سے گزرتی رہی۔ کئی تحریکیں اٹھیں اور انقلابات رونما ہوئے، کئی جنگیں ہوئیں۔ ان میں صلیبی جنگوں کا کردار تاریخی اور انقلابی رہا۔ یہ صلیبی جنگیں دوسو سال میں ختم ہوگئیں اور ان میں اسلامی دنیا کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اسلام دشمن قوتیں شکست وریخت سے دوچار ہوئیں۔ لیکن یہ شکست خوردہ طاقتیں اپنے اندر ایک نئی تبدیلی اور ایک نئی توانائی لئے ہوئے میدانِ عمل میں اتر آئیں۔ اب مخالفین اسلام کی سوچ وفکر کے پیمانے بدل گئے۔ جنگ وجدال کی باتیں ختم ہوگئیں۔ عمل کے میدان جداگانہ ہوگئے۔ تحصیل قوت کا معنی ومفہوم اور معیار بدل گیا۔ اب ان کی تمام تر توجہ علوم وفنون، صنعتوں وحرفتوں، ایجادات وانکشافات تحقیقات ومشاھدات اور سائنس وطبیات کی طرف مبذول ہوگئی۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ دو تین صدیوں کے اندر سائنس اور طبیات اور مصنوعات کے میدان میں اس قدر آگے بڑھ گئیں کہ آج وہ دنیا میں سوپر طاقتیں بن گئیں اور وہ امریکی اور یوروپی ممالک کا روپ لئے ہوئے حاکمانہ اور رقائدانہ کردار ادا کررہی ہیں اس کے برعکس اسلامی دنیا اپنے پاس تیل کے بے شمار ذخائر اور زمینی خزائین اور معدنیات کی بے پناہ دولت رکھتے ہوئے اور پچاس سے زائد آزاد مملکتیں رکھتے ہوئے بھی غیر اسلامی دنیا کے تابع اور محکوم بن گئی ہے اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسلامی دنیا نے سائنس وٹیکنالوجی، صنعت وحرفت اور جدید آلات سازی کے بارے میں اپنا افادی کردار اور کارٹر بیوشن پیش نہیں کیا۔ جن سے آج کی زندگی جڑی ہوئی ہے جن کے بغیر زندگی کا قافلہ ایک قدم بھی آگے بڑھ نہیں سکتا۔

آج مغرب نے اسلامی دنیا پر نہ صرف سائنس اور سیاسی برتری حاصل کرلی ہے بلکہ علمی وفکری اور صحافتی بالادستی بھی قائم کرلی ہے۔ مستشرقین کا طبقہ جس نے اسلامی اور عربی علوم وفنون اور اسلامی وعربی ثقافت وتہذیب کو اپنی تحقیق کا موضوع بنا کر بے شمار تحقیقات اور تصنیفات کا انبار لگا دیا ہے۔

اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو براہ راست کتاب وسنّت اور اہل دل علماء سے مستفیض نہیں ہے وہ مستشرقین کی کی تحقیقات اور تعبیرات سے متاثر ہے اور ان ہی پر اعتماد کئے ہوئے ہے۔ اور ان مستشرقین کا واحد مقصد یہی ہے کہ اسلام کی ایک ایسی تعبیر کی جائے، جس سے مسلمانوں میں مذہبی تصلب ختم ہو جائے اور اسلام کے بنیادی مآخذ کتاب وسنّت اور پیغمبر اسلام اور اسلامی روایات واقدار اور اسلامی تشخصات اور اسلاف کی تعبیرات اور تشریحات سے اعتماد اٹھ جائے۔

اگر یہ صورت حال عام ہو جائے تو اسلامی دنیا ایک اور عظیم فتنہ سے دوچار ہو جائے گی۔ مولانا خوشتر نورانی نے اپنی کتاب "قلم کی جسارت" میں اسلامی دنیا کے خلاف مغرب کے عزائم اور منصوبوں پر یہ روشنی ڈالی ہے۔

اسلامی دنیا کے خلاف امریکہ کا ۹ نکاتی فارمولا

مغربی ثقافت ونظریات کی "مادر وپدر آزادی"

اور تسلط کے لئے امریکہ نے اہداف مقرر کیے اور ان اہداف ومقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی دنیا کے خلاف ان کے محققین نے نہایت ہی خطرناک عزائم پر مشتمل نو نکاتی فارمولا ترتیب دیے ہیں۔ جن کی کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

1 سب سے پہلے ہمیں (امریکہ) جدّت پسند مسلمان طبقہ کی تائید وحمایت کرنی ہوگی اور ان کی فہم اسلام کو زندگی کے جدید تقاضوں اور مطالبات سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ اس طبقے کی مناسب تربیت اور اصلاح کے بعد معاصر اسلام کا ترجمان بنانا ہوگا۔ تاکہ انھیں دنیا بھر کے روبرو اسلام کے اصل چہرے کی حیثیت سے پیش کیا جاسکے۔

2 سیکولر طبقے کی حمایت بھی لازمی اور ضروری ہے۔

3 سیکولر سول اور ثقافتی اداروں کو فروغ دینا ہوگا۔

4 روایت پسند طبقے کی پشت پناہی بھی ضروری ہے تاکہ اس طبقے کو بنیاد پرستوں کے خلاف قابلِ عمل رکھا جاسکے اور ان دونوں طبقات کے درمیان اتحاد واتفاق کے امکانات کو ختم کیا جاسکے۔

5 ہمیں بنیاد پرستوں کی شدید مخالفت کرتے ہوئے ان کی کمزوریوں اور خامیوں کو خاص طور پر نشانہ بنانا ہوگا۔

6 بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کی اسلام پر اجارہ داری کے تصوّر کو یکسر ختم کرنا ہوگا۔

7 ایسے جدت پسند اور سیکولر مزاج اسکالرز کو تلاش کرنا ہوگا۔ جو ویب سائٹ پر جدید اور لبرل اسلام کی وضاحت کو یقینی بنا سکیں۔

8 جدت پسند اور سیکولر مزاج مصنّفین کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اُن سے اسلامی نصابی کتب لکھوائی جائیں۔

9 ذرائع ابلاغ کے توسط سے جدید اور سیکولر فکر کے حامل مسلمانوں کے افکار و خیالات کی تشہیر کرنی ہوگی۔

مذکورہ الصدر خیالات اور امور و اقدامات سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اسلام دشمن قوتیں اسلامی دنیا کے بارے میں کس قسم کی سوچ اور فکر رکھتی ہیں اور کیا کیا منصوبے بنا رہی ہیں اور کیسی حکمتِ عملی اختیار کر رہی ہیں کہ مسلمان ان باتوں کو اپنے حق میں مخالف اور نقصان دہ تصور نہ کر سکیں۔

مسلمانوں کی زندگی میں اس طرح کے حالات و واقعات کوئی نئے اور انوکھے نہیں ہیں۔ ماضی میں بھی ایسے حالات پیدا ہوئے اور مسلمانوں نے وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کو سمجھتے ہوئے زمانہ شناسی کا ثبوت دیا اور ایسی ایسی چیزوں کو اختیار کیا، جن کے ذریعہ حالات کا سامنا کیا اور ہر مقابلہ میں کامیاب رہے۔

ایک دور ایسا آیا کہ جس میں منطق، فلسفہ، کلام وغیرہ جیسے علوم وفنون کو غلبہ حاصل ہوا تو مسلمانوں نے ان علوم کی طرف توجہ کی اور ان سے مفید کام لئے۔

اور اسی طرح کسی زمانہ میں یونانی اور طبی علوم وفنون کا طوطی بولنے لگا تو مسلمانوں نے وقت کے ان علوم وفنون کے ساتھ بے اعتنائی نہیں کی بلکہ ان کے اندر اجتہادات کئے اور افادی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

برصغیر ہند کے مسلمانوں کی زندگی میں بھی ایک ایسا دور آیا کہ ان کے ہاتھوں سے حکومت چلی گئی۔ اور انگریزوں کا ہندوستان پر اقتدار قائم ہو گیا، جس کی وجہ سے انگریزی تعلیم اور انگریزی زبان کا سکہ چل پڑا اور انگریزی زبان سیاسی و مادی اور معاشی حیثیت سے اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ اس سے

بے اعتنائی، زندگی کے دھارے سے دور ہونے کے مترادف تھا۔ اس مرحلہ پر مسلمانوں نے زمانہ شناسی کا ثبوت دیا۔ انگریزی تعلیم اور انگریزی زبان کی جانب مائل و متوجہ ہو گئے۔ اس باب میں جنوبی ہند کے عوام اور علماء سبقت لے گئے۔ علماء میں حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ ایک مثالی شخصیت ثابت ہوئے۔ آپ نے خود انگریزی زبان سیکھی اور عمر کے ایک ایسے دور میں یہ زبان سیکھی جب کہ آپ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکے تھے۔ جس میں ہر ایک آدمی کے جذبے اور حوصلے سرد ہو جاتے ہیں۔ خود یہ زبان سیکھنے کے علاوہ اپنے حلقے کے علماء و فضلاء کو بھی یہ زبان سیکھنے کی ترغیب دلائی۔ اور خود اس زبان میں دعوتی کام انجام دیا۔ مولانا سید عبدالحیٔ حسنی علیہ الرحمہ والد مولانا سید شاہ ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمہ نے اپنی عربی تصنیف "نزھۃ الخواطر" میں لکھا ہے: وقد تلقی لغۃ الانکلزیۃ فی کبر سنہ وبعث فیھا رسالۃ الی ملکۃ انکلترا۔

اسی طرح جب کبھی اسلام کے بارے میں تحریر و تصنیف کی راہ اتہامات اور الزامات اور اعتراضات کا طوفان برپا ہوا تو علماء و فضلاء نے قلم کا سہارا اور اس کے ذریعہ طوفان کا رُخ موڑ دیا۔

موجودہ زمانہ میں سمعی صحافت اور بصری صحافت (الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا) نے ساری دنیا کو گلوبل ویلیج میں تبدیل کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ملکوں اور قوموں کی زندگیوں میں عظیم انقلاب برپا ہو چکا ہے اور ساری قومیں سیاسی و معاشی، علمی و سائنسی اور صنعتی فائدے حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے ابھی تک اس پہلو کی جانب اپنی توجّہ مبذول نہیں کی ہے۔ حالاں کہ اس باب میں مسلمانوں کے لئے تحصیل منفعت سے کہیں زیادہ دفعِ مضرت کا پہلو نہایت اہم اور ضروری ہے۔ کیوں کہ آج میڈیا پر اسلام دشمن قوتوں کا غلبہ ہے اور وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی شکل و صورت کو بُری طرح مسخ کر کے پیش کر رہی ہیں اور ساری دنیا اسی کو حقیقی اور اصلی تصویر خیال کر رہی ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو اپنے ہاتھ میں لیں اور اس کے ذریعہ اسلام اور پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرے اور اسلام و پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی صحیح اور اصلی تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ میڈیا کو اسلامی قالب میں ڈھال کر دنیا کے سامنے لائیں تو اس کے مفید

تعمیری، انسانی واخلاقی اور فلاحی کردار سے ساری دنیا روشناس ہو جائے گی اور پوری دنیا پر اس کے مفید اثرات مرتب ہوں گے اور موجودہ دور کے انسانوں کے لئے مسلمانوں کی جانب سے ایک عظیم تحفہ ہوگا۔ جس کے بارِ احسان سے انسانیت کبھی سبکدوش نہ ہوگی۔ اسلامی میڈیا سے متعلق محمد افتخار کھوکر کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیے:

اسلامی نظریۂ ابلاغ ISLAMIC CONCEPT of Communication انسان کا تخلیق کردہ نہیں ہے۔ اس لئے اس آفاقی نظریے کا انسان کے بنائے ہوئے دوسرے نظریہ ہائے ابلاغ سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ انسانوں کے پیش کردہ نظریات عارضی اور تغیر پذیر ہوتے ہیں جب کہ قرآن مجید کے پیش کردہ نظریۂ ابلاغ کی حیثیت مستقل اور دائمی ہے۔

اسلام میں ذرائع ابلاغ کا بنیادی مقصد خیر کو پھیلانا اور شر کو مٹانا اور حق کی گواہی دینا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح اطلاعات و نظریات کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ امتِ مسلمہ کو اس دنیا کا بہترین علم حاصل کرنے کے قابل بنایا جائے۔ اسلام میں نیکی اور بھلائی کو فروغ دینا اور آزادیٔ اظہار محض ایک حق ہی نہیں بلکہ امتِ مسلمہ پر فرض بھی ہے۔

اسلامی نظریہ ابلاغ درج ذیل حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔

- **"آزادیٔ اظہار"** عوامی رابطہ کے ذریعہ کو ریاستی امور سے متعلق اپنی رائے کے آزادانہ اظہار کی اس لئے اجازت ہے کہ اہلِ اختیار کے قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان کی کسی بھی لحاظ سے خلاف ورزی نہ کرنے کی یقین دہانی حاصل ہو۔

اس ذریعہ کو خوف یا حمایت سے بالاتر رہ کر اس حق کا استعمال کرنا چاہئے۔ یہ ذریعہ ریاست کی سب سے اعلیٰ اتھارٹی سے سوال کرنے کا حق رکھتا ہے۔

- **"احتجاج کا حق"** اس ذریعہ پر واجب ہے کہ وہ ناانصافی اور برائی کے خلاف احتجاج کرے اور لڑے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ وہ برائی کو ہاتھ سے مٹا دیں اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو پھر اپنی زبان سے اور اگر وہ یہ بھی کرنے کے قابل نہ ہوں تو اسے اپنے دل میں برا سمجھیں اور اس سے نفرت کریں۔ مگر یہ ایمان کی کم زور ترین علامت ہے۔

اس ذریعہ پر لازم ہے کہ وہ ناانصافی اور بُرائی کے ماحول میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ظلم و جبر کے خلاف پُوری قوت کے ساتھ آواز بلند کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
جو لوگ ناانصافی کا ارتکاب ہوتے دیکھ کر خاموش رہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوں گے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو کسی ظالم کو جانتے ہوئے اس کی تائید اور حمایت کرتا ہے۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

- "پرائیویسی کا حق" ذرائع ابلاغ کو فرد کے حقِ خلوت و اخفاء کا احترام کرنا چاہئے افراد کے نجی امور کی ٹوہ لگانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ ذرائع ابلاغ کو نہ تہمت و بہتان ایجاد کرنا چاہئے اور نہ پھیلانا چاہئے۔ وہ تمام لوگ افتراء و بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیتے ہیں۔ وہ برابر کے مجرم ہیں۔ ذرائع ابلاغ کو چار چشم دید گواہوں کے بغیر خواتین پر الزامات لگانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور جو لوگ کسی ثبوت کے بغیر خواتین پر الزام لگاتے ہیں وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔

- "ثقاہت" ذرائع ابلاغ کو سچائی پھیلانے والا ہونا چاہئے نہ کہ جھوٹ کو فروغ دینے والا۔ ذرائع ابلاغ کو سچ اور جھوٹ میں آمیزش نہیں کرنی چاہیے اور نہ جان بوجھ کر سچ کو چھپانا چاہئے۔ شہادت و گواہی کو دبانا نہیں چاہیے۔ تاہم اس اصول میں ایک استثناء ہے۔ اگر خبر یا اطلاع سے ملک و قوم کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو اور ملک و قوم کے مفادات اور بہبود اس سے تباہ ہو سکتی ہے تو اس خبر کو دبایا جا سکتا ہے۔ اگر اس سے خوف و ہراس پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اسے عام لوگوں میں عام نہیں کرنا چاہئے۔ رپورٹوں اور اطلاعات کی بنیاد افواہوں پر نہیں رکھنی چاہئے۔ جعلی رپورٹوں اور دستاویزات تیار نہیں کرنی چاہئے۔

- "زبان" ذرائع ابلاغ کی زبان سادہ اور عام فہم ہونی چاہئے۔ ذرائع ابلاغ کو ہمیشہ زبان کی نفاست اور پُروقار انداز کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ ذرائع ابلاغ کو فحش گوئی اور دشنام طرازی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ بے ہودہ اور لچر طرقِ اظہار سے ذرائع ابلاغ کو ہمیشہ بچنا چاہئے

- "اخلاقی اقدار" ذرائع ابلاغ کو معاشرے میں عمل صالح اور اخلاقی قدروں کو ترویج دینی چاہئے۔ کسی قسم کی بدعنوانیوں کو رواج دینے کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے۔ ذرائع ابلاغ کو جرم یا مجرموں

کی پشت پناہی نہیں کرنی چاہیئے سنسنی خیزی سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اور سوسائٹی میں انتشار پیدا کرنے سے باز رہنا چاہیئے۔

- **"تعلیم و تربیت"** اسلامی ذرائع ابلاغ کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ عوام کو اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تربیت دی جائے فحش اور عریاں تصویریں اور تحریریں، غیر مہذب اور اخلاق باختہ لٹریچر، حیا سوز ڈرامے اور فلمیں عوام کے اخلاق و کردار کو بگاڑنے کا ذریعہ ہیں۔ ان سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے۔
- **"بامقصد تفریح"** ذرائع ابلاغ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ جائز حدود و قیود میں رہتے ہوئے عوام کو بامقصد تحریریں، ڈرامے، اصلاحی فلمیں اور دلچسپ ٹی وی پروگرام دیکھنے کے لئے مہیا کئے جائیں۔

اسلام کا نظریۂ ابلاغ، تحدید و توازن کا نظریہ ہے۔ اس لئے یہ مادی دنیا کے دیگر نظریہ ہائے ابلاغ سے منفرد اور جدا ہے۔ اسلامی ذرائع ابلاغ ہمیشہ انسانیت کی فلاح کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ المختصر اسلامی نظریۂ ابلاغ کا بنیادی مقصد نیکی اور خیر کو پھیلانا اور برائی و بے حیائی کو مٹانا ہے۔

حاصل کلام!

ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں کسی نہ کسی چیز نے عمومیت اور غلبہ پائی ہے اور غیر معمولی شہرت و عظمت اور مقبولیت حاصل کی ہے۔ یہاں تک وہ چیز اس دور کی پہچان اور شناخت بن گئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں سحر نے غلبہ پایا۔ جب آپؑ مبعوث ہوئے تو یہی سحر وقت کا زبردست چیلنج بن کر آپؑ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جادوگروں نے آپؑ کی طرف رسیاں پھینکیں تو وہ سانپوں کی شکل اختیار کر گئیں اور آپؑ کی طرف بڑھنے لگیں۔ تو آپؑ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ اژدھے کی شکل اختیار کر گیا اور تمام سانپوں کو نگل گیا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی سحر نما معجزاتی قوت کے بل بوتے ساحرین پر غلبہ پایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ دفاعی اور اقدامی کردار ایک مثالی نمونہ ہے۔ آپؑ نے اپنے دور کی

غالب چیز سحر اور جادو سے بے اعتنائی اور بے توجہی کا مظاہرہ نہیں کیا اور زمانے کی غالب قوت سے آنکھیں بند نہیں کیں بلکہ اسی میڈیم میں دندان شکن جواب دیا جس سے باطل دم توڑ دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی مثال دیگر انبیاء کرام نے بھی دی ہے جس میں وقت اور زمانے کی قوت کا لحاظ رکھا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ علم و آگہی، فہم و شعور اور تحقیق و مشاہدہ کا زمانہ رہا اسی لئے آپؐ نے روزِ اول ہی سے علم کی بات کہی۔ یہاں آپؐ کے زمانہ سے مراد صرف ایک قرن اور ایک صدی کے ماہ و سال نہیں ہے بلکہ صبح قیامت کا زمانہ ہے۔ جس طرح آپؐ کی نبوت کا زمانہ صبح قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔

گو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپؐ کے بعد ایک دو صدی تک علم و فن اور تحقیق کو وہ عروج اور کمال حاصل نہیں ہوا، جو آج کے دور میں حاصل ہے۔ شاید موجودہ دور بھی علم و فن کا ارتقائی دور ثابت ہو جائے اور آنے والے ادوار میں علم و فن اور تحقیق و ایجاد ترقی کی اور منزلیں طے کر لے۔ اس کے مقابلہ میں موجودہ زمانے کی علمی ترقیاں اور ایجادات کم تر نظر آنے لگیں۔

اسلام اور اس میں داخل ہونے والے خوش نصیب انسانوں کا تعلق ہر زمانے اور ہر دور کے ساتھ قائم رہے گا اور یہ سلسلہ انتہائی قربِ قیامت تک چلتا رہے گا۔ زمانہ کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ بدلتا رہے گا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ زمانے کے احوال و ظروف، ضروریات و حاجات اور تقاضے بھی بدلتے رہیں گے۔ ایسی صورت میں ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس اصول پر کاربند رہتے ہوئے اپنی زندگی کو آگے بڑھائے تاکہ وہ بھی فلاح و بہبودی امن و سلامتی اور ترقی کی راہ پر گامزن رہ سکے اور وہ اصول یہ ہے کہ جب زمانہ بدلے تو مسلمان بنیادی عقائد اور مذہبی خیالات کے دائرے میں رہتے ہوئے خود بھی بدل جائیں اور زمانہ کی مفید اور موافقِ اسلام چیزوں کا ساتھ دیں اور زمانہ کی مفید اور ضروری چیزوں سے فائدہ اٹھائیں اور شرعی و اخلاقی پہلو سے جو چیزیں نقصان دہ ہیں، ان سے اجتناب کریں۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا میں کوئی بھی چیز خیرِ محض یا شرِ محض نہیں ہے۔ اس میں موجودہ شر کا ازالہ کرتے ہوئے اس کے خیر سے فائدہ حاصل کرنا ہی عقل اور فطرت کا تقاضہ ہے۔ اگر کسی شخص کے دامن میں گندگی دکھائی دے تو اسے چاہئے کہ گندگی کو دور کرے۔ نہ کہ دامن ہی اتار کر پھینک دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علم الادیان وعلم الابدان: دین کا علم اور بدن کا علم حاصل کرو۔ جو لوگ بدن کے علم کو صرف طب کا علم قرار دیتے ہیں وہ علم الابدان کے مفہوم کو محدود کر رہے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بدن اعضائے انسانی کے ڈھانچہ کا نام ہے لیکن بدن کو زندگی سے تعبیر کرنا بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ لہذا زندگی کے لئے جو بھی طبی اور غیر طبی علوم وفنون ضروری اور مفید ہو سکتے ہیں ان سب کو علم الابدان میں شامل کیا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔

صاحب جوامع الکلم کا ہر کلمہ اپنے اندر معانی و مطالب کی ایک وسیع دنیا لئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ معانی اور مطالب کسی ایک زمانہ اور دور کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتے اور انھیں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے علم الابدان کے ایک مختصر سے جملہ کے ذریعہ زندگی کے ہر دور میں وجود میں آنے والے ضروری اور مفید علوم وفنون کا علم اور ان کے بطن سے وجود میں آنے والی ایجادات کا علم حاصل کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آمدم برسر مطلب!

زمانہ اور زمانے کی قدریں بڑی تیزی سے بدل رہی ہیں لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں شریعت مطہرہ کو مقدم رکھیں اور اس پر ثابت قدم رہتے ہوئے زمانہ کے مفید اور ضروری علوم وفنون اور ایجادات سے فائدہ اٹھائیں اور ہر نئی چیز کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہوئے کلیسا کا کردار ادا نہ کریں۔

ہم جس زمانہ میں سانس لے رہے ہیں وہ کمیونکیشن AGE OF COMMUNICATION کا زمانہ ہے۔ اسلام مخالف قوتوں نے تبلیغ وترسیل کے جتنے ذرائع الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا، انٹرنٹ ویب سائیٹ، ٹیلی ویژن وغیرہ ہیں۔ سب کا بھرپور استعمال کر رہی ہیں اور لوگوں کے دل ودماغ کو اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے منفی جذبات، منفی خیالات، متنفر احساسات سے بھر رہی ہیں اس کا اثر یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے غیر مسلموں میں نفرت وحقارت عداوت ودشمنی اور سوء ظنی و بدگمانی پھیل رہی ہے۔ اگر بروقت اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روکا گیا تو شاید اس کی ہلاکت خیزیاں اور تباہ کاریاں اپنے دامن میں آنے والی صدیوں کو بھی سمیٹ لیں۔

آج مسلمانوں کے لئے میڈیا ایک عظیم فتنہ کے روپ میں ظاہر ہو چکا ہے۔ انٹرنٹ پر فی منٹ ہزاروں صفحات لوگوں کی نگاہوں کے سامنے پھیل رہے ہیں ایسی صورت میں اس فتنہ کی سرکوبی

کے لئے اسی فتنہ کا دامن تھامنا ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں قیامت کے قریب کے زمانے کی ایک کیفیت یہ بیان کی ہے کہ اس زمانہ میں زبان کا فتنہ تلوار کے فتنہ سے زیادہ طاقت ور اور خطرناک ہوگا۔ شاید یہ وہی دور ہو۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ بھی اسی لسانی وصحافتی قوت کے ذریعہ دُنیا کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی سچی اور حقیقی تصویر پیش کریں تاکہ ہماری سچی آواز بھی دُنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ سکے اور روئے زمین پر موجود ہر مکان میں پہنچے اور ہر مکین کے کان میں پہنچے۔

سالنامۂ اللطیف کے اس اداراتی مضمون "افتتاحیہ" کے ذریعہ اپنے بلند ذوق علم دوست قارئین کی خدمت میں چند طالب علمانہ خیالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ آراء و افکار کسی کے نزدیک غیر موزوں اور غیر صحیح ہوں۔ اس لئے مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ ان میں کوئی بات اچھی نظر آئے تو اتفاق کیجئے اور اگر اچھی نظر نہ آئے تو نظر انداز کیجئے۔

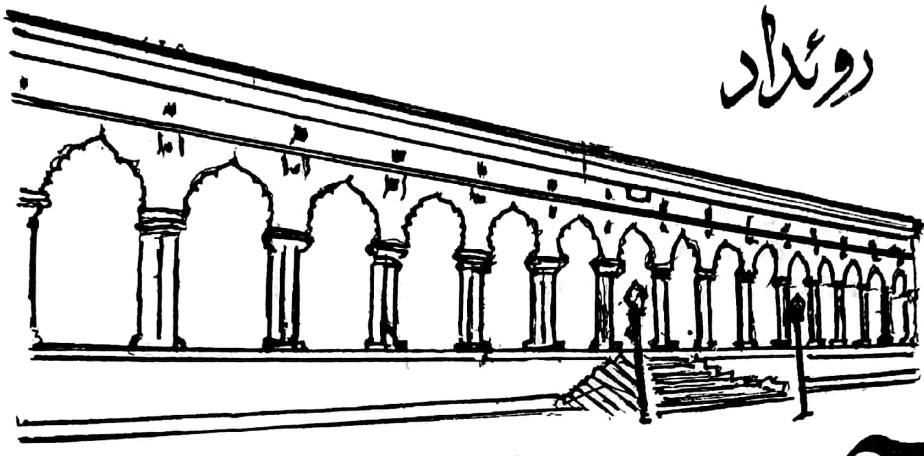
خذ ما صفا ودع ما کدر! وما علینا الا البلاغ

نعت شریف

نظرِ لطف ہو ہر بار رسولِ عربی
میں سراپا ہوں گنہگار رسولِ عربی
آرزو ہے کہ مدینے میں ہو میرا مدفن
دل سے ہوں طالبِ دیدار رسولِ عربی
آپؐ پر میں ہوں تصدق مرے ماں باپ فدا
مال و دولت میرا گھر بار رسولِ عربی!
گو بشارت سے ہوئی دل کو ہمارے تسکیں
ہو بصیر کا بھی دیدار رسولِ عربی
دین و دنیا کی نہ کر فکر کسی وقت ادیب
رہنما ہیں تیرے سرکار رسولِ عربی!

الحاج سید احمد حسینی ادیب
حیدرآباد

پیش کش
صفیہ احمد



روئداد دارالعلوم لطیفیہ

ادارہ

انسانی زندگی کا اصل جوہر عقل و اخلاق اور ایمان و شعور ہے۔ اور عقل و اخلاق اور ایمان و شعور کی صحت کا دارومدار بھی بڑی حد تک جسمانی صحت پر ہے۔ عقل و دماغ کے نشوونما، فضائل و اخلاق کے تقاضے اور دینی فرائض کو ادا کرنے کے لئے جسمانی صحت بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحت خدا کی عظیم نعمت بھی اور عظیم امانت بھی۔ صحت کی قدر کیجئے اور اس کی حفاظت میں کبھی لاپرواہی نہ برتیئے۔ ایک بار جب صحت بگڑ جاتی ہے تو پھر بڑی مشکل سے بیمار اچھا ہوجاتا ہے۔ جس طرح دیمک بڑی بڑی کتابوں کو چاٹ کر تباہ کردیتی ہے اسی طرح صحت کے معاملہ میں معمولی سی غفلت زندگی کو تباہ کرڈالتی ہے۔ صحت کے تقاضوں سے غفلت برتنا اور اس کی حفاظت میں کوتاہی کرنا بے حسی بھی ہے اور خدا کی ناشکری بھی۔

آغازِ سالِ نو

مختلف علاقوں سے آنے والے طلبۃ العلوم کا داخلہ مورخہ ۱۱ رشوال المکرم ۱۴۳۰ھ مطابق یکم اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات کو ہوا۔

دورۂ حدیث

حسبِ سابق اس سال بھی دورۂ حدیث کا آغاز ۲۵ رماہ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ روز دوشنبہ صبح ٹھیک دس بجے دارالعلوم کے حال میں ہوا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے کی۔ جس میں صحیح البخاری و صحیح المسلم کا آغاز ہوا۔ ناظم موصوف کی دعاؤں کے ساتھ یہ مجلس بحسن وخوبی انجام پذیر ہوی۔

افتتاحی اجلاس

حسب عادت امسال بھی انجمنِ دائرۃ المعارف کا افتتاحی جلسہ مورخہ ۱۱ر ماہ نومبر ۲۰۰۹ء ۲۳ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ بروزِ چہار شنبہ بعد نمازِ ظہر دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع و عریض ہال میں منعقد ہوا۔

جس کی صدارت عالی جناب حضرت مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب مدظلہٗ العالیٰ ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے کی۔ جلسہ کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک و نعتِ شریف کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب مولانا مولوی افضل العلماء سید شاہ مصطفےٰ احسین بخاری صاحب مدظلہٗ العالی، سابق استاذ، دارالعلوم لطیفیہ، چیرمن: مدینہ انجنیئرنگ کالج کڈپہ نے طلبۃ العلوم کو خطاب کیا۔ جس میں انھوں نے سورۂ عصر کی فضیلت اور اسکے سببِ نزول پر روشنی ڈالتے ہوئے طلبائے عزیز کو نصیحت فرمائی کہ وقت کی قدر کریں اور سورۂ عصر کو ہر دن پڑھا کریں۔ نیز بتایا کہ میں خود بھی یہیں کا طالبِ علم رہا ہوں جو آج آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ یہ لطیفیہ کی تعلیم و تربیت کا اثر اور اس کا فیضان ہے۔ لہذا آپ بھی اچھی طرح یہاں سے فیض یاب ہو کر جائیے۔ آخر میں آپ نے دارالعلوم کی شان میں ایک زوردار نظم پیش کی۔ صدرِ جلسہ آئے ہوئے مہمانِ خصوصی کا شکریہ ادا فرمایا اور یہ جلسہ بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

اسبابِ صحت

دارالعلوم کے میدان میں بعد نمازِ عصر مختلف گیمس، والی بال، فٹ بال، کرکٹ وغیرہ طلباء کی صحت و تروتازگی کی خاطر انتظام کیا گیا ہے جس سے طلباء محظوظ ہوتے ہیں۔

نویدِ مسرت

ترولور یونیورسٹی و مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل و ادیبِ فاضل اور انگریزی کے امتحانوں میں بھی بحمداللہ شریک رہے اور اچھی کامیابی حاصل کی

امتحانات

مورخہ ۲۶ر ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۳ر مارچ ۲۰۱۰ء سے ششماہی امتحانات اساتذۂ کرام کی زیرِ نگرانی شروع ہوئے اور مسلسل آٹھ دنوں تک جاری رہے۔

نیز ۲۸ر رجب المرجب ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۰ر ماہ جولائی ۲۰۱۰ء سالانہ امتحانات شروع ہوئے

اور ۴؍ شعبان المعظم تک جاری رہے۔

عبا پوشی واعطائے اسناد

ناظم دار العلوم فضیلت مآب عالی جناب ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب مدظلہ کی زیر صدارت ۱۳؍ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ روز اتوار مطابق ۲۵؍ جولائی ۲۰۱۰ء دار العلوم کا سالانہ جلسہ بڑے پیمانے پر منعقد ہوا۔ جس میں مقتدر علمائے کرام اور قابل ترین علم دوست حضرات مدعو تھے۔ نیز ناظم موصوف کے دستِ فیضِ اقدس سے فارغین کو عباء واسناد پیش کی گئیں۔

تقسیم انعامات

درسیات، مقابلۂ تحریر وتقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول ودوم آنے والے طلباء کو اسی دن شام میں ایک دوسری نشست میں انعامات سے نوازا گیا۔ نیز عہدیداران کو ان کے خدمات کے صلہ میں مختلف قسم کے انعامات سے نوازا گیا۔

ھدیۂ تشکر

طلبائے دار العلوم کی صحت کا بھرپور خیال رکھنے والے حکیموں اور ڈاکٹروں کا ادارہ مشکور وممنون ہے۔ نیز ادارہ اُن تمام مدیرانِ اخبارات کا بھی تہ دل سے مشکور وممنون ہے۔ جنھوں نے دار العلوم کی تمام کارروائیوں کو اپنے موقر اخبارات میں اوّلین وقت میں شائع فرمایا۔

بالخصوص ادارہ عالی جناب شریف برکاتی کاتب صاحب اور عالی جناب علیم صبا نویدی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے پوری کاوش وتندہی سے ادارہ کا ترجمان (اللطیف) کی اشاعت بروقت فرمائی۔

ہم اللہ رب العزت سے دست بہ دعا ہیں کہ ان تمام علم دوست حضرات اور عوام وخواص جو دار العلوم سے عقیدت رکھتے ہیں انھیں دنیا اور آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔ ۔ ۔

جواہر القرآن



بیتِ نبوی ؐ کی شرعی حیثیت

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ، ویلور

قرآن کریم میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف گوشوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک گوشہ آپ ؐ کی ازواجِ مطہرات، صاحب زادیاں اور آل اولاد سے متعلق ہے۔ سورہ احزاب میں ازواجِ مطہرات کے مقام و مرتبہ اور ان کی عظمت و فضیلت اور ان کے اجر و ثواب اور اُن کی ذمہ داریوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان سے خطاب کیا گیا ہے کہ نبی کریم ؐ کی بیویاں ہونے کے اعزاز کے باعث تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہاری ایک نیکی دوگنی نیکی ہے تمہاری معمولی سی خطا، بڑی خطا ہوگی۔ اگر تم میں سے کوئی غلط کام کر بیٹھو تو دوسری عورتوں کے مقابلہ میں دوگنی تنبیہ اور تادیب کی مستحق ہو۔ تم اپنے گھروں ہی میں رہو۔ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ عورتوں کی تعلیم اور تربیت میں مشغول رہو۔

ابنِ عربی نے احکام القرآن میں بیان کیا کہ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ۰ اس آیت سے ازواجِ مطہرات پر بھی یہ بات لازم کردی گئی ہے کہ جو آیات ان کے گھروں میں بار سول اللہ سے جو ہدایات اور تعلیمات انھیں حاصل ہوتی ہیں وہ دوسرے خواتین و حضرات تک پہنچائیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ ؓ سے ہوا۔ حضرت خدیجہ ؓ سیرت و کردار اور اخلاق و عادات میں اونچے درجہ پر فائز تھیں اور وہ پورے معاشرہ میں اپنی عفت و عصمت اور شرافت سے کافی مشہور اور مقبول تھیں اور انھیں زمانہ جاہلیت میں لوگ خدیجہ طاہرہ ؓ کے نام یاد کرتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب

باپ کی جانب سے چوتھی پشت میں قصی تک اور نانا کی جانب سے آٹھویں پشت میں لوئی تک پہنچ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کا نسب ایک ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ ماں اور باپ کی جانب سے قریشی النسب ہیں۔ ان کے والد خویلد کا ایک قابلِ ذکر تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ جب بادشاہ یمن تبع نے بیت اللہ کی دیوار سے حجر اسود کو نکال کر اپنے ملک یمن لے جانا چاہا تو انھوں نے بڑی دلیری اور پامردی کے ساتھ بادشاہ سے مقابلہ کیا اور اس کی مذموم اور ناپاک کوشش کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بھی نرینہ اولاد اور بیٹیاں پیدا ہوئیں وہ سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ صرف ایک صاحبزادہ حضرت ابراھیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کی نرینہ اولاد طیب و طاہر اور قاسم و ابراھیم علیہم السلام بچپن میں انتقال کر گئیں۔ نبیٔ کریمؐ نے زید بن حارث کی غلامانہ حیثیت کو ختم کرکے انھیں اپنا متبنّیٰ (لے پالک) بیٹا بنالیا اور ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنتِ جحش کے ساتھ نکاح کیا۔ لیکن یہ شادی دیرپا ثابت نہ ہوسکی۔ اس کا سبب یہ رہا کہ معاشرہ میں حسب و نسب میں اعلیٰ اور ادنیٰ کے فرق و امتیاز کے احساسات اور جذبات پھیلے ہوے۔ حضرت زید بن حارثہ آزاد کردہ غلام تھے۔ سماج میں غلاموں کا کوئی مقام اور مرتبہ اس وقت نہ تھا۔ آں حضرتؐ نے آہستہ آہستہ غلاموں کو آقاؤں کے دوش بدوش لاکر کھڑا کیا۔ عرب و عجم اور کالے و گورے کے فرق و امتیاز کو ختم کیا اور سارے انسانوں کو ایک ہی صف میں لاکر کھڑا کیا۔ اور حسنِ کردار اور حسنِ عمل کو شرافت و عزت کا معیار ٹھہرایا۔

حضرت زینب بنتِ جحشؓ قریشی النسب خاتون تھیں۔ حضرت زیدؓ اور ان کے درمیان حسب و نسب میں کفو اور برابری نہ ہونے کی وجہ سے تلخیاں پیدا ہوگئیں اور آخر کار طلاق ہوگئی تو نبیٔ کریمؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت زینبؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس واقعہ سے سارے سماج میں ایک طوفان کھڑا ہوگیا کہ محمدؐ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ تو اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ نبیٔ کریمؐ کی جانب سے حضرت زیدؓ کی نسبتِ ولدیت کو ختم کر دیا: ما کان محمد ابا احد من رجالکم: محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

اللہ نے نبیٔ کریمؐ کو چار صاحب زادیاں دیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت امِّ کلثومؓ

حضرت فاطمہؓ ۔ نبیٔ کریم نے اپنی پہلی صاحب زادی حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع سے کیا یہ وہ زمانہ تھا جس میں کافروں کے ساتھ مسلمان عورتوں کے نکاح کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا ۔ حضرت ابوالعاص نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت زینبؓ نے ان سے تعلق منقطع کر لیا اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئیں کچھ عرصہ بعد حضرت ابوالعاصؓ ایمان سے مشرف ہوئے اور وہ بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو آنحضرتؐ نے پھر سے حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے دوبارہ کر دیا

نبیٔ کریم نے اپنی دوسری صاحب زادی حضرت رقیہؓ کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کیا ۔ عتبہ نے چھوڑ دیا تو آپؐ نے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ کر دیا ۔ حضرت رقیہؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی ۔ اس موقعہ پر آنحضرتؐ نے فرمایا : حضرت لوطؑ اور حضرت ابراھیمؑ کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی ۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضرت رقیہؓ بیمار تھیں ۔ آنحضرتؐ ان کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمانؓ کو جہاد میں حصہ لینے سے روک دیا اور فرمایا : اللہ تعالےٰ عثمانؓ کو جہاد کرنے والوں کے برابر اجر و ثواب دے گا ۔

نبیٔ کریمؐ کی تیسری صاحب زادی حضرت امّ کلثومؓ کا پہلا نکاح ابولھب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوا ۔ ابھی رخصتی ہونے نہ پائی تھی، اسی زمانہ میں نبیٔ کریمؐ نے نبوت کا اعلان کیا ۔ عتیبہ مسلمان نہیں ہوا اور اپنے باپ ابولھب کے کہنے پر حضرت امّ کلثومؓ کو طلاق دے دیا ۔ حضرت رقیہؓ کے دنیا سے چلے جانے کی وجہ سے حضرت عثمان بہت مغموم اور مایوس تھے ۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے حضرت امّ کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ کر دیا ۔ اس طرح سے نبیٔ کریمؐ کی دو صاحب زادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں ۔ اس شرف و فضیلت کی وجہ سے حضرت عثمانؓ ذوالنورین (دو نور والے) کہلائے ۔

نبیٔ کریمؐ کی چوتھی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی، سب سے چہیتی، سب سے بزرگ بلکہ امّت کی ساری عورتوں میں بزرگ ترین شخصیت کی مالکہ تھیں ۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچازاد بھائی اپنے پروردہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا ۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تین لڑکے، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت محسنؓ اور دو لڑکیاں حضرت امّ کلثومؓ، حضرت زینبؓ تولد ہوئیں ۔ بعض مورخین نے ایک اور دختر حضرت رقیہؓ کا ذکر کیا ہے ۔ جو بلوغت کو پہنچنے سے پہلے دنیا سے چل بسیں ۔ حضرت محسنؓ کے بارے میں متفق روایت ہے کہ وہ بچپن ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ حضرت

فاطمہؓ کی امتیازی خصوصیت آپؓ ہی سے نبی کریمؐ کے اہلِ بیت کا سلسلہ النور دنیا میں چل پڑا۔

ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی، سابق وزیرِ اعلام مملکتِ سعودی عرب نے اپنی کتاب "علموا اولادکم محبۃ آل بیت النبیؐ" میں اہلِ بیت کی مفید اور جامع تشریح یہ کی ہے۔ آپ بھی سنئے:

"اہلِ بیت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی چار بنیادیں ہیں: (۱) آپؐ کے اصل الاصول، اس میں آپؐ کے والدین اور ان کی اولاد شامل ہیں۔ (۲) آپؐ کی فرع، اس میں خود آپؐ کی اولاد ہے۔ (۳) آپؐ سے نسبی رشتہ رکھنے والے، اس میں آپؐ کے دیگر تمام رشتہ دار شامل ہیں۔ (۴) آپؐ سے مصاہرت (خسر ہونا، داماد ہونا، یہ لفظ دونوں معنوں میں مستعمل ہے) کا رشتہ رکھنے والے۔ اس میں وہ تمام داخل ہیں جو آپؐ سے سسرالی رشتہ رکھتے ہیں۔ اہلِ بیت کی جڑ اور بنیاد خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور آپؐ کی پہلی زوجہ مطہرہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ ہیں۔ پھر وہ تمام نسل اس میں داخل ہے، جو ان دونوں مقدس ہستیوں سے چلی۔ جن میں کچھ بچپن ہی میں وفات پا گئے اور کچھ باحیات رہے اور ان کی شادی اور اولاد بھی ہوئی۔ یہ تمام کے تمام آپؐ کی فرع کا درجہ میں ہیں۔ جن کا سلسلہ خاتونِ جنّت حضرت سیّدہ فاطمہؓ اور خلیفہ راشد حضرت علی مرتضٰی کی پشت سے چلا۔ جن میں سب سے پہلے دو جلیل القدر ہستیاں نوجوانانِ جنّت کے سردار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ہیں۔ پھر ان کے بعد میں دونوں حضرات سے جو نسل خدا نے چلائی۔ ان میں بڑے بڑے پاک باز لوگ بھی گزرے ہیں۔ پھر ان حضراتِ اہلِ بیت کے شجرۂ طوبیٰ کا سایہ دراز ہوا تو اس میں آپؐ کی ازواجِ مطہرات و امہات المؤمنین کو شامل کر دیا گیا اور آپؐ کے عصبہ یعنی آلِ جعفرؓ و عقیلؓ اور اولادِ عباسؓ کو بھی ان میں شریک کر دیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی ایک مستقل حیثیت اور مقام و مرتبہ ہے۔ کیوں کہ یہ سب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی رشتہ رکھتے ہیں۔" (حبِ اہلِ بیت: ص ۱۴)

ڈاکٹر یمانی کی مذکورہ تعبیر میں تفصیل اور عموم کا پہلو غالب ہے۔ احادیث اور صحابہ کرامؓ کے آثار میں اہلِ بیت کی تشریح ملتی ہے۔ جس میں عموم اور خصوص دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ حضرت حصینؒ نے حضرت زیدؓ سے پوچھا، نبیٔ کریمؐ کے اہلِ بیت کون کون ہیں؟ کیا آپؐ کی ازواجِ مطہرات آپؐ کے اہلِ بیت نہیں ہیں؟ جواب دیا: آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ بھی اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ آپؐ کے اہلِ بیت وہ ہیں، جن پر صدقہ لینا حرام ہے۔ حضرت حصینؒ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: حضرت علیؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت

عباسؓ کی اولاد ہیں۔

حدیث کساء اور حدیث مباہلہ کی روشنی میں اہل بیت کی تعریف اور تخصیص بخوبی ہو رہی ہے۔ ان کی رو سے حضرت فاطمہؓ کی اولاد اہل بیت ہیں۔ سورۂ احزاب کی آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الاخ، نازل ہوئی تو نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنی چادر مبارک میں سمیٹ لیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، تو ان سے ہر قسم کی گندگی کو دور فرما اور انھیں خوب پاک صاف فرما: اللّٰھمّ ھؤلاء اھل بیتی وخاصتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔

اس حدیث میں خاصتی کے لفظ میں یہ حقیقت صاف ہو گئی کہ اولاد فاطمہؓ خاص اھل بیت ہیں اور دوسرے نسبتی رشتہ دار عام اھل بیت ہیں۔ جیسا کہ رشتہ داری میں قریب اور بعید کا تصوّر موجود ہے۔

حدیث مباھلہ کی روشنی میں بھی اولاد فاطمہؓ کا خاص اھل بیت ہونا واضح ہو رہا ہے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے نجران کے عیسائیوں کی خدمت میں ایک پیغام بھیجا جس میں یہ کہا گیا کہ اسلام قبول کر و یا جزیہ دو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (جزیہ کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلموں سے جو رقم لی جائے گی۔ اس کے عوض ان کی جان و مال اور عزت و آبرو اور عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کیا جائے گا اور انھیں مذہبی آزادی دی جائے گی۔)

عیسائیوں نے باہم مشورہ کر کے شرجیل، عبداللہ بن شرجیل اور جبار بن فیض کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس وفد نے آپؐ سے مذہبی امور اور عقائد پر گفتگو کی اور حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت کرنے میں بحث و تکرار اور مجادلہ کیا تو اس موقعہ پر آیت مباہلہ اتری:

فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین ٥ (آل عمران)

پھر جو کوئی آپؐ سے اس بارے میں جھگڑا کرے، حالاں کہ علم و یقین آپ کے سامنے آچکا ہے تو اُس سے کہو (میرے پاس مسیحؑ کے انسان ہونے کے لئے علم و یقین موجود ہے۔ اگر تم بھی اس کی الوھیت کے لئے ویسا ہی علم و یقین رکھتے ہو تو آؤ ہم دونوں فریق میدان میں نکلیں اور اپنے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور خود بھی شریک ہوں۔ پھر عجز و نیاز کے ساتھ اللہ کے حضور التجا کریں۔ ہم دونوں میں سے

جس کا دعویٰ جھوٹا ہو تو جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار ہو۔ (ترجمان القرآن)

مباھلہ کیا ہے؟ پہلے اس کا معنی اور مفہوم سمجھ لیا جائے۔ پھر اس کے بعد مباھلہ کا واقعہ بیان کیا جائیگا۔

مباھلہ یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق اور باطل ہونے میں دو اشخاص یا دو فریق کے درمیان اختلاف اور نزاع ہو جائے اور دلائل کے ذریعہ اختلاف اور نزاع ختم نہ ہو تو دونوں اشخاص یا دونوں فریق اللہ سے یہ دعا کریں کہ ہم میں سے جو اس امر حق پر نہ ہو تو اس پر اللہ کی جانب سے وبال اُترے۔ مباہلہ کی آیت میں لعنت کا لفظ بھی ہے۔ لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دُور ہو جانا۔ لعنت کا لفظ بھی ایک بدترین لفظ ہے جیسا کہ صاحبِ جلالین نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: البعد من الرحمۃ

مباہلہ کا واقعہ تفسیر کی کتابوں میں اس طرح منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے اہل بیت کے ساتھ ایک کھلے میدان میں رونق افروز تھے۔ حضرت حسینؓ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ اپنے ایک ہاتھ سے حضرت حسنؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو اپنے پیچھے کھڑا کئے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ اور اپنے داماد حضرت علیؓ اور اپنے دونوں نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: جب میں اللہ تعالےٰ سے دعا کروں تو تم سب مل کر آمین کہنا۔ سب نے یہ سُن کر ہاں کہہ دی۔

اس موقعہ پر نجران کا سب سے بڑا پادری عبد المسیح بھی وہاں موجود تھا۔ اُس نے آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ و فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو دیکھا تو غیر معمولی طور پر متاثر ہوا اور عیسائیوں سے کہا: اے جماعتِ نصاریٰ میں اس وقت ایسے پُر نور چہرے دیکھ رہا ہوں اگر یہ حضرات اللہ تعالےٰ سے ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کے لئے دعا کریں تو اللہ تعالےٰ ان کی دُعا سے پہاڑ بھی ہٹا دے گا۔ تم سے میری گزارش ہے کہ تم اُن لوگوں سے مباہلہ نہ کرو، ورنہ تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔

عبد المسیح کی یہ بات سن کر نجران کے عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ سے مباہلہ کا ارادہ ترک کر دیا اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

اس موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذاتِ جل جلالہٗ کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے نجران والوں پر

عذاب بہت ہی قریب آچکا تھا۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو ضرور ہلاک ہوجاتے۔

نبی کریمؐ کو اپنے اہلِ بیت سے بے پناہ محبت اور الفت تھی۔ جس کا اظہار آپؐ نے مختلف پہلوؤں اور متعدد زاویوں سے کیا ہے اور بشری حیثیت سے یہ ایک فطری اور طبعی بات تھی۔ اس جذبہ سے آپ مستثنیٰ نہیں اور اپنے اہلِ بیت کی محبت وجاہت اور دوسروں سے بھی اس محبت اور جاہت کے خواہاں اور جویاں رہنا یہ منصبِ نبوت منافی بات نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے ان جذبات واحساسات اور خواہشات کا اظہار وحیِ الٰہی اور کلامِ ربانی کے ذریعے بھی ہوا۔ سورۃ شوریٰ کی آیت : قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ۵

قربیٰ کا معنی اور مفہوم اخذ کرنے اور متعین کرنے میں مفسرین کرام کی رائیں مختلف ہوگئیں ہیں ایک رائے یہ ہے کہ قربیٰ کے معنی ہیں قرابت اور رشتہ داری۔ نبی کریمؐ کے ساتھ جن لوگوں کی رشتہ داری اور نسبی قرابت ہے ان کے درجات حیثیتیں مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض قریبی رشتہ دار ہیں تو بعض دُور کے رشتہ دار ہیں۔ بعض کا رشتہ خسر کی حیثیت سے ہے تو بعض کا رشتہ داماد کی حیثیت سے ہے اور مکہ مکرمہ میں جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت نبی کریمؐ کی رشتہ داریاں آپؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ اور آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے واسطے سے قریش کی مختلف شاخوں میں قائم تھیں۔ جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ کی رشتہ داریوں میں مزید وسعت پیدا ہوگئی۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں نبی کریمؐ قریش کے ایسے نسب سے تعلق رکھتے تھے اس کی اصلی اور فرعی شاخوں سے آپؐ کا رشتہ قائم تھا۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ قربیٰ میں تمام بنو عبدالمطلب شامل ہیں۔ بقول بعض حضرت فاطمہؓ کی اولاد مراد ہے جو نسلاً بعد نسلاً قیامت تک دنیا میں آئیں گے۔ نسبی قرابت کے لحاظ سے حضرات حسنینؓ یہ دونوں حضرات اصل ہیں اور ان دونوں کی نسل فرع ہے۔ اور فرع کے لئے بھی وہی حکم ہے جو اصل کا حکم ہے۔ لفظ قربیٰ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ جب کسی لفظ کے معنی ومفہوم کے اخذ کرنے اور متعین کرنے رائیں مختلف ہوجائیں تو کسی رائے کو غلط اور کسی رائے کو صحیح ٹھہرانے کے بجائے راجح اور مرجوح کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔ اور اسی روش میں سلامتی ہے۔

زمانۂ نبوت سے لے کر موجودہ زمانہ تک اہل علم کے درمیان اہلِ بیت کے ساتھ محبت والفت رکھنے اور ان کی تعظیم وتکریم کرنے اور ان کی خیر خواہی وہمدردی کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے اور ایک اجماعی مسئلہ بھی ہے۔ جس میں تواتر کی شان بھی موجود ہے۔

ہمارے اسلاف میں اہلِ بیت کی محبت والفت کوٹ کوٹ کر بھری رہی۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، فقہاء، صوفیا اور امت کے دیگر اہلِ علم اور عوام غرض کہ سارے طبقات میں نبی کریمؐ کی اولاد کے ساتھ غایت درجہ محبت والفت اور عقیدت رہی۔ تمام اہلِ سنّت والجماعت مسلمان حبِ اہلِ بیت کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت اور نجات کی پونجی سمجھتے رہے۔ اور اس عقیدہ اور اس پہلو کا تاریخی تسلسل ہے۔ جس میں کہیں انقطاع اور تغیّر نہیں ہے۔

نبی کریمؐ کے رشتہ داروں میں ابولہب ایک قریب ترین رشتہ دار تھا اور یہ آپؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا حقیقی اور بڑا بھائی تھا۔ اس نے نبی کریمؐ کے ساتھ اور آپؐ کی دو صاحبزادیوں (حضرت رقیہؓ اور حضرت امِّ کلثومؓ) اور دیگر اہلِ بیت کے افراد کے ساتھ جو ظلم وستم کیا ہے وہ ایک مشہور ومعروف حقیقت ہے۔ سیرت وتاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔ اللہ نے ابولہب کی مذمت میں ایک مستقل سورۃ نازل فرمائی جو اس کی شقاوت و بدبختی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ اس سورۃ کے ساتھ حضرات صحابہؓ کا عمل یہ رہا کہ حضور اکرمؐ کی زندگی میں آپؐ کے سامنے تبت یدا کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ محض اس خیال سے کہ کہیں اس سورۃ کے مضمون سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اہلِ بیت کی محبت اخلاقی نقطۂ نظر سے مطلوب ہے اور شرعی زاویۂ نگاہ بھی مطلوب ہے اور یہ چیز ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ نبی کریمؐ سے مختلف موقعوں پر مختلف پیرایہ میں اہلِ بیت کے ساتھ محبت رکھنے اور ادب کرنے اور تعظیم کرنے اور اتباع کرنے کی ہدایت دی ہے اور ان پر ظلم وستم کرنے اور ان کے کے ساتھ کینہ وبغض رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس موضوع پر احادیث کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر ان حدیثوں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو جائے گا۔

اس وقت آپ چند احادیث کی سماعت فرمائیے:

زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں

ایک کتاب اللہ جس میں ہدایت اور نور ہے۔ دوسری میرے اہلِ بیت۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں میرے اہلبیت کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہنا۔ (مناقب قرابت رسول: بخاری)

- حسن بن علیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا: ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کی محبت اور اہلِ بیت کی محبت اسلام کے لئے بنیاد ہیں۔
- حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں: کہ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی میرے صحابہؓ کے ساتھ گہری اور سچی محبّت رکھے گا اور میرے اہلِ بیت کے ساتھ گہری اور سچی محبّت رکھے گا وہ آسانی کے ساتھ پُل صراط سے گزر جائے گا۔ (دیلمی)
- امام احمد بن حنبل کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: کتاب اور میرے اہلِ بیت اس وقت تک رہیں گے جب کہ تم میرے پاس حوضِ کوثر پر آ ملوگے۔
- حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا تم میں بہترین شخص وہ ہے جو میرے بعد میرے اہلِ بیت کے ساتھ ہمدردی اور اچھا سلوک کرنے والا ہو۔ (مجمع الزوائد)
- حضرت ابو ذرؓ غفاری روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اہلِ بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے۔ جو بھی اس میں سوار ہوا نجات پائے اور جو بھی سوار نہیں ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (طبرانی)
- حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا جس آدمی کے دل میں بھی حسنؓ وحسینؓ اور اُن کے والدین (حضرت علیؓ وحضرت فاطمہؓ) کی محبّت ہوگی وہ میرے ساتھ جنّت میں ہوگا۔ (ترمذی)
- زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریمؐ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ سے کہا تم جس سے جنگ کروگے میں بھی اس سے جنگ کروں گا اور تم جس سے صلح کروگے میں بھی اُس سے صلح کروں گا۔ (ترمذی)
- ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا جو بھی میرے اہلِ بیت سے بغض و عناد رکھے گا، اللہ اس کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ (مستدرک)
- عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا اللہ سے محبت اس کی نعمتوں کی وجہ

سے کرو اور مجھ سے محبت اللہ کی خاطر کرو اور میری محبت کی خاطر میرے اہل بیت سے محبت کرو۔ (ترمذی)

- ابو نصر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اپنی اولاد میں تین صفتیں پیدا کرو۔ نبیؐ سے محبت کرنا، نبیؐ کی آل سے محبت کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا۔

- حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ اہل بیت کے سلسلہ میں نبی کریمؐ سے ڈرو۔ (بخاری)

- حضرت عمرؓ کا نکاح حضرت علیؓ کی صاحب زادی حضرت امّ کلثوم کے ساتھ ہوا۔ اس موقعہ پر لوگوں سے حضرت عمرؓ نے کہا: دوستو! کیا تم مجھے اس نکاح پر مبارک باد نہیں دو گے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ قیامت کے روز سارے رشتے ختم ہو جائیں گے۔ سوائے میرے نسبی رشتے کے (طبرانی)

- حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا آپؐ ایک چادر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپؐ کے پہلو میں حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بیٹھے ہوئے ہیں اور نبی کریمؐ یہ دُعا فرما رہے ہیں۔ اے اللہ! تو بھی ان لوگوں سے راضی اور خوش ہو جا جیسا کہ میں ان سے خوش ہوں (طبرانی)

- امام طبرانی کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا قیامت کے دن قرآن، مسجد اور اہلِ بیت شکایت کریں گے۔ قرآن فریاد کرے گا کہ فلاں فلاں لوگوں نے مجھے پس پشت ڈال دیا۔ مسجد فریاد کرے گی کہ فلاں فلاں لوگوں نے مجھے ویران کر دیا۔ اہلِ بیت فریاد کریں گے کہ فلاں فلاں لوگوں نے ہمیں اپنے سے دُور رکھا، حقیر جانا اور ہمیں شہید کیا۔

اس حدیث کا برعکس مفہوم بھی اخذ کیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ قرآن کا حق ادا کرنے پر وہ شفاعت کرے گا کہ فلاں فلاں لوگوں نے مجھے پڑھا، سمجھا اور عمل کیا۔ مسجد کا حق ادا کرنے پر وہ شفاعت کرے گی کہ فلاں فلاں لوگوں نے مجھے عبادت اور ذکر و تسبیح سے آباد رکھا۔ اہلِ بیت کا حق ادا کرنے پر وہ شفاعت کریں گے کہ فلاں فلاں لوگوں نے میری عزت و حرمت کا لحاظ رکھا اور ہمارے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔

اہلِ بیت کا موضوع تاریخ کے ہر دور میں اہل قلم کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور اس پر مختلف اور متعدد زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے اور آج تک بھی تخلیقات وجود میں آرہی ہیں۔ اس موضوع کی وضاحت حضرت قطبؒ ویلورنے بھی اپنی فارسی تصنیف "فصل الخطاب" میں کی ہے۔ جس کے مطالعہ سے ساداتِ کرام کے حقوق اور آداب کی نشان دہی ہوتی ہے۔

حضرت قطبؒ ویلور نے علامہ حجر مکی، امام شعرانی، مولانا عبدالرحمن جامی، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ملا علی قاری حنفی، شیخ فریدالدین عطار، مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ امان پانی پتی، قاضی شہاب الدین عمر دولت آبادی، مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا باقر آگاہ مدراسی کی تصنیفات کی روشنی میں یہ بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں:

نبی کریمؐ کی قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے اہلِ بیت کا ادب واحترام کرنا اور ان کا پاس ولحاظ رکھنا اور ان کی رعایت کرنا واجب ہے۔ اہل بیت کے افراد سے بدعات صادر ہونے کی وجہ سے ان کی قرابت منقطع نہیں ہوسکتی جو آنحضرتؐ کے ساتھ ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں بھی ان پر لعن وطعن اور تحقیر و تذلیل اور سب وشتم کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ماں باپ کا نافرمان بیٹا وراثت سے محروم نہیں ہوتا اور وہ نسب سے خارج نہیں ہوتا۔ لہٰذا سب پر واجب ہے کہ سادات کرام کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں۔ شفاعتِ محمدیؐ دراصل اہل بیت کے گناہ گار اشخاص کے لئے ہے۔ بیتِ نبویؐ کے افراد آیتِ تطہیر (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس) کی رو سے پاک وصاف کئے گئے ہیں۔ بعض اہلِ علم نے اس آیت سے پاک وصاف ہونے کا معنی ومفہوم یہ اخذ کیا ہے کہ اہلِ بیت گناہ سے معصوم نہیں ہیں۔ ان سے گناہ کا صدور ہوگا۔ لیکن اہلِ بیت کا کوئی فرد دنیا سے نہیں جائے گا جب تک کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک وصاف نہ ہوجائے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ اسے بیماریوں میں مبتلا کیا جائے گا اور اس پر مصیبتیں ڈالی جائیں گی۔ اس طرح بیماریوں اور آفتوں میں مبتلا کرکے اسے پاک وصاف کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کی موت سے کچھ دیر پہلے ہی کیوں نہ ہو۔

بعض اکابر اہلِ علم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ ساداتِ کرام کے کسی شخص پر حدِ شرعی واجب ہوجائے تو اس پر حد جاری کی جائیگی۔ (حد یعنی گناہ کو سزا دینا اور مارنا تاکہ پھر گناہ نہ کرے۔

امام شعرانی نے فتوحاتِ مکیہ کی جو تلخیص کی ہے، اس کے انتیسویں باب میں فرماتے ہیں:

"حضرت فاطمہؓ کی اولاد جو قیامت تک ہوگی، وہ آیت تطہیر کے حکم کے مطابق بخشش اور معافی میں داخل ہے۔ اور اہلِ بیت کے لئے جو شرف حاصل ہے اس کا حقیقی ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ کیوں کہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد کا حشر مغفرت کے ساتھ ہوگا۔ لیکن دنیا میں ساداتِ کرام کا کوئی شخص گناہ کر بیٹھے

تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ جس طرح ایک مجرم توبہ کرلے تو سزا سے بچ نہیں سکتا۔ ساداتِ کرام کے کسی شخص گناہ کیا یا چوری کی یا شراب پی لی تو شریعتِ مطہرہ کے مطابق سزا دی جائے گی۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ماعز بن مالکؓ سے زنا کا فعل صادر ہوا تو نبی کریمؐ نے ان کو سنگ سار کیا۔ ساداتِ کرام کے بعض اشخاص سے اس قسم کے غلط کام ہو جائیں تو اس کی مذمت کرنا جائز نہیں ہے۔ ادب واحترام اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ فہمائش اور تفہیم کرنی چاہیئے۔

اللہ تعالےٰ اور اس کی کتابِ مقدس پر ایمان رکھنے والا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اہلِ بیت کے اشخاص سے خطائیں اور غلطیاں ہوتی ہیں تو اللہ تعالےٰ ان کو معاف فرما دیتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لئے لائق نہیں کہ وہ اہلِ بیت کی غلطیوں اور لغزشوں پر اُن بُرا بھلا کہے اور اُن کی تحقیر و تذلیل کرے اور ان کی عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالے۔ جب کہ خود اللہ نے شہادت دی ہے کہ میں ان کو پاک و صاف کیا ہوں اور ان کو نجاست سے دُور کیا ہوں۔ اہلِ بیت کو یہ فضیلت اور شرف کسی نیک کام کو کرنے کی وجہ سے نہیں ملا ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کی عنایت ان پر ابتدا ہی سے رہی اور یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں: ایک عارف باللہ کے نزدیک آیتِ تطہیر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی مراد رجس اور فساد سے اہلِ بیت کی پاکیزگی ہے۔ اربابِ فہم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ گناہوں میں بدترین گناہ رجس ہے۔ جب رجس گناہ ہے تو اس سے پاکیزگی مغفرت کے بغیر نہیں ہو سکتی اس اعتبار سے سارے اہلِ بیت مغفور ہیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہیں۔ جب یہ لوگ مغفور ہیں تو ان کی مذمت اور برائی سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے اور ان کے بارے میں یہ خیال بھی نہیں رکھنا چاہیئے کہ ان سے گناہ صادر نہیں ہوں گے اور انہیں معصوم نہیں سمجھنا چاہیے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اپنی تفسیرِ عزیزی میں ایسی ہی تفصیل بیان کی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی ہیتمی نے "صواعق" میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص میری آل کا حق نہ پہچانے تو اس کا یہ حق نہ پہچاننا تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ہوگی۔ ایسا آدمی منافق ہوگا۔ یا ولدالزنا ہوگا یا حالت حیض میں اس کا حمل استقرار پایا ہوگا۔

امام احمدؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ جو شخص اہلِ بیت کے ساتھ بغض و عناد اور کینہ رکھے وہ

منافق ہے۔

دیلمی نے یہ حدیث روایت کی ہے: اس شخص پر اللہ کا سخت عذاب ہے جس نے اہل بیت کا حق نہیں پہچانا یا ان کے ساتھ بغض و عناد رکھا یا ان کو تکلیف پہنچا کر مجھے تکلیف دی۔

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ جو شخص اہل بیت کے کسی شخص کو تحقیر و تذلیل سے جھوٹا سید کہے تو وہ کافر ہے۔

تنبیہ الضالین میں مرقوم ہے یہ غور و فکر کی بات ہے کہ ایک گنہ گار سید کا ایمان اور اس کا احترام کتاب و سنت اور ائمہ کرام کے اقوال سے اس قدر ثابت ہے تو ایک جلیل القدر عالم باعمل سید کے ایمان اور اس کے احترام کا عالم کیا ہوگا!

شیخ فرید الدین عطار تذکرۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں: امام شافعی علیہ الرحمہ ایک مرتبہ درس دیتے ہوئے تقریباً دس مرتبہ کھڑے ہوئے اور بیٹھ گئے۔ طلباء نے آپ کے قیام کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ایک سیدزادہ گیند کھیل رہا تھا اور ہر بار میرے سامنے آجاتا تھا۔ اس لئے میں اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا رہا۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ نبی کریمؐ کا فرزند آئے اور میں اس کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو جاؤں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے "اخبار اخیار" میں شیخ امان پانی پتی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"کامل محبت کی نشانی یہ ہے کہ محبت اپنے محبوب سے تجاوز کرکے اس کے متعلقین کے ساتھ بھی قائم ہو جائے اللہ کے ساتھ کامل محبت کی نشانی یہ ہے کہ اس کی محبت میں اس کے محبوب (حضور اکرمؐ) کی تابعت کی جائے اور حضور اکرمؐ کے ساتھ محبت کی نشانی یہ ہے کہ آپؐ کی محبت میں آپؐ کے اہلِ بیت کے ساتھ محبت کی جائے۔

نیز مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے "اخبار اخیار" میں لکھا ہے کہ قاضی شہاب الدین عمر دولت آبادی نے "مناقب سادات" کتاب لکھی ہے۔ جس سببِ تصنیف یہ بیان کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں اجمل نامی ایک سید تھے۔ اکابرین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن وہ صاحبِ علم آدمی نہ تھے۔ امراء اور سلاطین کی محفلمجلسوں میں قاضی صاحب کے مقابل سید صاحب کی عزت اور پذیرائی ہوئی۔ اور یہ چیز نزاع کا باعث بنی کہ ایک غیر عالم سید کو ایک عالم و فاضل قاضی پر فوقیت اور ترجیح دی گئی۔ قاضی صاحب کہا کرتے تھے کہ ایک جاہل سید کے مقابلہ میں ایک عالم کو فوقیت حاصل ہے۔

اپنے علم و فضل کی برتری کو بے علم سید اجمل پر اس زاویۂ نظر سے ثابت کی کہ ہمارا علم ایک امرِ یقینی اور ثابت شدہ حقیقت ہے اور تمہاری سیادت امرِ یقینی نہیں ہے بلکہ مشکوک ہے۔ لہٰذا مجھے علم و فضل کی بنیاد پر تمہارے اوپر فوقیت اور برتری اور ترجیح ثابت ہے۔

قاضی صاحب کے ان خیالات کا علم اُن کے استادِ محترم کو ہوا تو وہ قاضی صاحب سے ناراض ہو گئے اور تنبیہ و تاکید کی۔ استادِ محترم کی تفہیم و تادیب کا اثر قاضی صاحب پر گہرا ہوا اور انہوں نے اپنے خیالات سے رجوع کیا اور اس کی تلافی کے لئے "مناقبِ سادات" لکھا اور ان کی زبان و قلم سے جو نا روا باتیں نکلی تھیں اُن سے معذرت بیان کی۔

بعض کہتے ہیں کہ قاضی شہاب الدین نے خواب میں نبی کریمؐ کو دیکھا۔ آپؐ ان کے اس نقطۂ نظر پر ناراضگی اور خفگی ظاہر فرما رہے ہیں اور سید اجمل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے فرما رہے ہیں۔ قاضی صاحب نیند سے بیدار ہوئے تو سید اجمل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے معافی چاہی اور اللہ تعالےٰ سے اپنی غلطی پر توبہ کی۔ کتاب "مناقبِ سادات" ان کے لئے نجات کی پونجی ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ! ساداتِ کرام کی عوام اور ان کی نفسِ سیادت کا یہ مرتبہ ہے تو اُن میں جو اہلِ علم اور اصحابِ عمل اور اہلِ تقویٰ ہیں، ان کی سیادت کا مرتبہ کیا ہوگا"۔ (فصل الخطاب)

حضرت قطب ویلور کی کتاب کا ایک طویل اقتباس آپ نے سنا، جس کی روشنی میں ساداتِ کرام کا مقام مرتبہ اور ان کی دینی و شرعی حیثیت اور مسلمانوں کے لئے ایک نصیحت وغیرہ بخوبی علم ہوا۔ اب میں آپ کے سامنے سادات کی ایک امتیازی خصوصیت بیان کر رہا ہوں۔ جو عام طور پر خواص و عوام کی اکثریت سے اوجھل ہے۔ آمدم بر سرِ مطلب:

آدمی کا نسب اس کے باپ سے ہے۔ اس کی ماں سے نہیں۔ بیٹا باپ سے منسوب ہوتا ہے ماں سے نہیں۔ یہ ایک معروف اور متفق علیہ بات ہے۔ جس میں دو رائے نہیں۔ سادات اور غیر سادات خاندانوں میں جتنے بھی شجرۂ نسب ملتے ہیں وہ سب باپ، دادا اور پردادا اوپر تک منسوب ہیں۔ اس عمل اور طریقہ میں عقل کو جگہ دی جائے تو نسب ماں سے چلنا چاہیے اور ماں کی جانب نسبت ہونی چاہیے۔ کیوں کہ حمل کے استقرار کا محل، بچّہ کی پیدائش اور اس کی نشو و نما میں مختلف مرحلے اور اس کی رضاعت و پرورش غرض کہ سارے کام ماں سے وابستہ اور منسلک ہیں۔ ان تمام مسائل میں باپ کا کوئی کردار ہی نہیں، سوائے اس کے بچّہ کے حمل کا

موجب اور باعث باپ ہے۔ اس کے باوجود اللہ نے نسب کو بچّہ کے باپ کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کی حکمت اور مصلحت کو انسان سے زیادہ وہی بہتر جانتا ہے اور پہچانتا ہے۔ اس ضابطہ سے حضرت علیؓ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہؓ کے بطن سے ہے وہ مستثنیٰ قرار پاتی ہے۔ ان کا نسب باپ حضرت علیؓ سے نہیں اُن کی ماں حضرت فاطمہؓ سے ہے۔ یہ باپ سے منسوب نہیں بلکہ ماں سے منسوب ہیں۔ ان کا شجرہٗ نسب حضرت فاطمہؓ سے چل پڑا ہے۔ ان کی نسل پیدائش کے اعتبار سے اولادِ علیؓ ہے۔ لیکن نبیٔ کریم صلعم کی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے حضرت علیؓ کی اولاد نبیٔ کریمؐ کی اولاد قرار پائی اور سادات کرام کا سلسلۂ نسب حضرت فاطمہؓ کے واسطہ سے نبیٔ کریمؐ کی نرینہ اولاد کی حیثیت اور مرتبہ سے دنیا میں چل پڑا۔

امام طبرانی کی روایت ہے کہ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا: فاطمہؓ کی اولاد کے سوا ہر عورت کے بیٹے کا عصبہ اس کا باپ ہے اور میں فاطمہؓ کی اولاد کا عصبہ اور اُن کا باپ ہوں۔ انا عصبتھم وانا ابوھم۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہلِ بیت اپنی تخلیق و پیدائش کے اعتبار سے نبیٔ کریمؐ کے نواسے ہیں اور شریعت کے اعتبار سے نبیٔ کریمؐ کی نرینہ اولاد ہیں۔

ساداتِ کرام، نبیٔ کریمؐ کی اولاد ہونے کی فضیلت وخصوصیت دنیاوی زندگی کے علاوہ اخروی زندگی میں بھی باقی رہے گی اور ان کا یہ نسبی رشتہ اور حسبی تعلق آخرت میں منقطع نہیں ہوگا۔ جیساکہ زبانِ نبوت نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میرے نسبی رشتہ کے سوا تمام رشتے منقطع ہوجائیں گے۔

ڈاکٹر عبدہٗ یمانی لکھتے ہیں:

مسلمان اہلِ بیت سے محبت کرتے ہیں۔ اہلِ بیت کے علم میں یہ بات بھی رہنا ضروری ہے کہ تمام اہلِ سنّت والجماعت مسلمان ان سے مضبوط اسلامی عقیدہ کے مطابق سچی محبت کرتے ہیں، ویسے بھی اہلِ بیت سے محبت کا حکم قرآن مجید کی آیات اور صحیح احادیث میں دیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جب آیت شریفہ:

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الخ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب خوب درود وسلام بھیجو۔ (سورۂ احزاب ۵۶) نازل ہوئی تو صحابۂ کرامؓ نے پوچھا کہ ہم آپؐ پر کیسے درود بھیجیں؟ آپ نے فرمایا: کہ تم اس طرح کہو کہ: اے اللہ! حضرت محمدؐ اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات اور آپؐ کی اولاد پر درود نازل فرما۔

اس سلسلہ میں ابن تیمیہؒ نے آپؐ کے ارشاد مبارک سے کہ "اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کنانہ کو منتخب فرمایا اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بھی بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں بھی مجھ کو منتخب فرمایا۔"

سے استنباط کیا ہے کہ اہل بیت پوری مخلوق میں سب سے افضل ترین ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کے اعمال بھی تمام لوگوں میں سب سے افضل ترین ہیں اور بعض اکابر علماء نے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنا فرض ہے۔ جیساکہ بہت ساری حدیث شریفہ میں اس کی تاکید آئی ہے۔ جو اس حدیث شریف میں غور کرے گا: انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله وعترتی، الخ (میں تمہارے درمیان دو بڑی بھاری قیمتی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ ایک قرآن مجید دوسرے میرے اہل بیت یہ دونوں چیز تا قیامت تمہارے درمیان باقی رہیں گی۔) تو اس کو یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ اہل بیت میں علم واستقامت میں مسلمانوں کے لئے نمونہ ہیں مسلمانوں کی نظر میں وہ اسلام سے وابستگی کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

اس لئے اہل بیت کی ذمہ داری ہے کہ اپنے مقام ومرتبہ کے لائق اپنے کو اونچے اور بلند معیار پر رکھیں اور خدا انھیں جس طرح پاک باز بنایا ہے اور ان پر اپنی مہربانی کا معاملہ فرمایا ہے اس کو یاد رکھیں۔ قرآن کی تعلیمات پر عمل اور شرعی احکام کی بجاآوری کے ذریعہ دین سے اپنے تعلق کو مضبوط اور استوار رکھیں۔ (حب اہل بیت:۶۷)

جب دنیا انسانوں کو اپنی زینت ورعنائیوں، حلاوت اور سرسبزی وشادابی کی طرف متوجہ کررہی ہے اور لوگ اس پر ٹوٹ پڑرہے ہوں تو ایسے حالات میں اہل بیت سے یہی توقع ہے کہ کتنا ہی مال آجائے لیکن غفلت اور دھوکہ میں مبتلا نہ ہوں گے اور ہر صاحب حق کا حق اس تک پہنچائیں گے۔

میں حضرات اہل بیت کو یاد دلاتا چلوں کہ جب آیت شریفہ وانذر عشیرتك الاقربین (آپ پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیے) نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنے قریبی قبائل وخاندان اور رشتہ داروں کو خطاب کرکے فرمایا:

"اے قبیلۂ قریش! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی عبدالمطلب کی جماعت! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہؓ بنت محمدؐ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالے، کیوں کہ بخدا میں

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کچھ بھی ملکیت نہیں رکھتا۔ البتہ رشتہ داری کی بنیاد پر کچھ تھوڑا بہت فائدہ ہو تو ہو۔

اس لئے اہل بیت کو چاہیئے کہ اس خاندان کے فضائل اور خوش خبریاں سن کر صرف نسب و خاندان پر ہی بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ جب کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ پروردگارِ عالم نے آپ کے اگلے، پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما کر آپ کو اعزاز عطا فرمایا۔ مگر پھر بھی آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں۔ آپ کے ارشادِ مبارک ہے کہ: سن لو خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ تقویٰ شعار اور خدا سے ڈرنے والا ہوں۔ کوئی بھی مسلمان چاہے کتنے ہی اونچے نسب کا کیوں نہ ہو اور تقویٰ و پرہیز گاری میں کتنے ہی بلند مقام پر کیوں نہ فائز ہو جائے، ہرگز اعتماد کی کیفیت پیدا نہیں ہونی چاہیے بلکہ عقل مند مسلمان تو ہر وقت اپنے آپ کو روزِ قیامت کے لئے تیار رکھتا ہے۔

نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو اپنی بدعملی کی وجہ سے پیچھے ہو جائے گا اس کا نسب اس کو آگے نہیں کر سکتا۔ (حبِ اہلِ بیت: ۶۲)

اہلِ بیت کے متعلق ایک اور پہلو کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اہلِ بیت کے کسی شخص سے کسی آدمی کے ساتھ کوئی ناروا اور ناحق واقعہ پیش آجائے تو نبیٔ کریم کی نسبت اور تعلق کو سامنے رکھتے ہوئے عفو اور درگزر سے کام لیا جائے کیوں کہ اہلِ بیت ہر حال میں نبی کریم کے واسطہ سے تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں۔ ان کے ظلم و زیادتی اور بدسلوکی و حق تلفی کی صورت میں بھی ان کی تعظیم کے استحقاق کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

اس باب میں ہمارے بزرگوں کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن ایک مثال جو امام مالکؒ نے پیش کی ہے، اس کی نظیر اور مثیل کہیں نظر نہیں آتی۔ کہ اہلِ بیت کے ظالم شخص کے ظلم کو اس خیال اور فکر کے تحت جواز اور صحت کی شکل دینا کہ کہیں یہ سید عالی مقام اپنے ظلم سے دوزخ میں نہ چلا جائے اور اس کے دخولِ دوزخ کا سبب میری ذات نہ ٹھہرے۔

ڈاکٹر یمانی ابوالولید باجی کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

خلیفۂ منصور جب حج کو گیا تو کسی بات پر حضرت سیدنا امام مالک کو گرفتار کر کے انھیں جعفر بن سلیمان کے پاس سزا دینے کے لئے بھیجا۔ امام مالک نے فرمایا: خدا کی پناہ اس میں، میں بے قصور ہوں۔ جعفر بن سلیمان سادات کے خاندان سے ہیں۔ اس لئے ان کے کوڑوں کے جواز کی کوئی شکل نکال لوں گا۔

امام فرویؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ پر جب سزا کے کوڑے لگائے گئے تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، لوگوں نے انھیں گھیر لیا۔ کچھ دیر بعد جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے سزا دینے والے کی جائز طور پر تاویل کرلی ہے۔ اگلے دن جب اُن کے پاس جانا ہوا تو ہم نے اُن سے پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: مجھے خوف میں ایسا محسوس ہوا کہ میری وفات ہوگئی ہے اور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے سے اس لئے شرما رہا ہوں کہ کہیں میری وجہ سے آپؐ کے اہلِ بیت کے ایک فرد کو جہنم میں نہ جانا پڑے۔

اگر کسی کو اہلِ بیت کے کسی فرد سے کسی قسم کی زیادتی ہو جائے تو جس کے ساتھ یہ ہوا ہے اس کو بدلہ میں اپنا حق وصول کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے بشرطیکہ اس میں بھی زیادتی نہ ہو۔ لیکن اسلام نے جب ایک عام آدمی کے ساتھ بدلہ کی بجائے عفو و درگزر کو پسند کیا اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ چہ جائیکہ اہلِ بیت کے کسی فرد کے ساتھ یہ بات ہوئی ہو تو وہ بدرجہ اتم عفو و درگزر اور معافی کا مستحق ہے۔ (حبِ اہلِ بیت: ۵۷)

اہلِ بیت کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ ہدایت کا سرچشمہ ہیں اور دین میں حجت ہیں اور یہ مقام و مرتبہ انھیں نبی کریمؐ کی جانب عطا کیا گیا ہے۔ اسی لئے ان کو روایتوں پر عمل کرنا اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا امّت کے لئے ضروری ہے۔ نبی کریمؐ کا مشہور فرمان ہے: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک قرآن دوسری میرے اہلِ بیت۔ اگر تم ان دو چیزوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ دوسری روایت میں سنّت کا لفظ موجود ہے۔

قرآن، سنّت اور اہلِ بیت ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ سنّت کتاب اللہ کی ترجمان اور شارح ہے تو اہلِ بیت سنت کے شارح اور ترجمان ہیں۔ آنحضرتؐ کی ذاتی اور خانگی زندگی کے مشاہدات کے زیادہ تر جو مواقع اہلِ بیت کو ملے وہ عام صحابہؓ اور صحابیاتؓ کو مل نہ سکے۔ اہلِ بیت کے اسی دینی پہلو اور شرعی مرتبہ کی وجہ سے سلف سے لے کر خلف تک آج بھی اہلِ بیت کو نمونہ سمجھا گیا اور ان کی پیروی کی گئی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت رہی ہے کہ اہلِ بیت کے وہ افراد جن کی زندگیاں کتاب و سنّت سے موافق نظر نہ آئیں تو شرع کے خلاف کاموں میں اُمّت نے ان کی اتباع و پیروی سے خود کو الگ رکھا۔ عدم طاعت کا یہ پہلو بھی نبی کریمؐ کی تعلیمات کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔ گناہ و معصیت اور خلافِ شرع امور میں کسی کی پیروی نہ کرو، خواہ کسے باشد: لا طاعة فی معصية الخالق

اسی طرح اہلِ بیت کے وہ اہلِ علم حضرات کرام جن کی روایات ومقالات اور تشریحات وتعبیرات کتاب وسنت اور اہلِ سنّت والجماعت کے مسلک اور موقف سے مختلف اور متضاد نظر آئیں تو خود علمائے سادات اور علمائے غیر سادات نے خاموشی اختیار نہیں اور پورے خلوص اور سیادت کے احترام کے ساتھ اپنی زبان وقلم کے ذریعہ اصلاح اور درستگی کا فریضہ انجام دیا۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ عصرِ حاضر بھی ایسی مثالوں سے تہی دامن نہیں ہے۔ اس علمی محاسبہ اور تجزیہ سے ایک حقیقت زندہ رہی کہ اہلِ سنت وجماعت کے اصحابِ علم میں اہلِ بیت کے ساتھ محبت اور ادب کے ساتھ دینی حمیت وغیرت اور اصلاحی فکر بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

اہلِ بیت کے موضوع سے متعلق ایک دلخراش تاریخی حقیقت یہ بھی ہے کہ خلافت کے مسئلہ کی وجہ سے تاریخ کے ہر دور میں اُن پر آزمائشیں اور آفتیں آئیں، جن کا سلسلہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے وقت سے شروع ہوا۔ بنوامیہ کے دور میں اہلِ بیت پر بڑی زیادتیاں اور سختیاں ہوئیں تو اہلِ بیت کے بعض اشخاص نے اسی میں اپنی سلامتی اور عافیت سمجھی کہ اپنی سیادت کا اظہار نہ کیا جائے اور اس شرف سے خود کو بے تعلق کرلیا جائے۔ غالباً امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو جب اس صورتحال کا علم ہوا تو انھوں نے اہلِ بیت کے اس رویہ اور فکر پر ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا:

اس شخص پر اللہ کی لعنت ہے جو ہم اہلِ بیت کی نسل سے نہ ہو اور خود کو اہلِ بیت قرار دے اور اس شخص پر بھی لعنت ہے جو اہلِ بیت کی نسل سے ہو اور اپنے آپ کو اس نسبت سے جدا کرلے۔

موجودہ زمانے میں امام عالی مقام کا یہ قول ان لوگوں کے لئے غور وفکر اور اصلاح کی دعوت دے رہا ہے۔ جو محض دنیاوی مفادات کے پیشِ نظر اپنے آپ کو اہلِ بیت کے زمرہ میں داخل کررہے ہیں اور نسب سازی کے ذریعہ ساداتِ کرام ہونے کا اعزاز اور افتخار حاصل کررہے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو حقیقی ساداتِ کرام ہوتے ہوئے بھی بعض سیاسی ومعاشی مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے اس عظیم شرف کو چھپا دیتے ہیں۔ اس طرز عمل سے دونوں اللہ کی رحمت سے دور ہورہے ہیں۔ کیوں کہ لعنت کا معنی ہے ابعد من الرحمۃ

اسی طرح موجودہ دور میں ایک اور نازک تشویشناک صورتِ حال یہ بھی دیکھنے میں آرہی ہے کہ

بعض سادات کرام میں حسب ونسب کے تحفظ کا وہ احساس اور فکر نہیں ہے۔ جو اُن کے اکابرین اور سابقینِ اولین میں تھی۔ مختلف مقاصد و مصالح اور مفادات کے پیشِ نظر غیر سادات خاندانوں میں اپنی اولاد کا نکاح کر رہے ہیں۔ شرعی نقطۂ نظر سے غیر سادات میں نکاح کوئی غلط اور ناجائز نہیں ہے لیکن ہم نسبی و ہم مشربی اور ہم عقیدگی اور ہم خیالی اور کفو نہ ہونے کی وجہ سے خونی اور موروثی اثرات اور کیفیات متاثر ہو جاتی ہیں اور نسبتِ نبویؐ کی حفاظت نہ کرنے اور اس کی اصلیت و خالصیت باقی نہ رکھنے کی وجہ سے نبوی خاندان کے عادات و اثرات اور خصوصیات و کمالات اہل بیت کی نئی نسل میں منتقل نہیں ہو سکتیں جو نجیب الطرفین کریم سے ظہور میں آنے والی نسل میں پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں حضرات حسنینؓ کی بابرکت نسل میں بڑی بڑی عظیم شخصیات پیدا ہوئیں جو اپنے اپنے وقت کے علماء و فضلاء اور صوفیاء رہے۔ جنہوں نے اپنے اخلاقِ کریمانہ اور عاداتِ شریفانہ اور اپنے فاضلانہ اطوار کے ذریعہ سارے معاشرہ پر اثر انداز رہے۔

آج اہل بیت کی سب سے بڑی دینی اور شرعی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے حسب ونسب کا تحفظ کریں اور اپنی اولاد میں نبئ کریمؐ سے نسبت اور تعلق کے شرف اور عظمت کا احساس بیدار کریں اور اس قرابتِ نبویؐ کی وجہ سے اُن پر جو دینی اور شرعی اور اخلاقی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو پورا کرنے کا احساس دلائیں اور اس منصبِ جلیلہ کا حق ادا کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا کریں۔ تاکہ وہ اس جلیل اور عظیم منصب کے سزاوار قرار پائیں اور شریعتِ محمدیؐ کی تحفیظ اور تبلیغ میں دوسروں سے آگے آگے رہیں اور اپنے نانا جان کی سیرتِ طیبہ کا مکمل نمونہ بن جائیں۔ تاکہ اُن کی زندگی اُمت کے لیے نمونہ اور قابلِ تقلید بن جائیں۔ حسب ونسب کے شرف اور علم وعمل کی قوت کے اجتماع کی وجہ سے اُمت بھی ان کی طاعت سے دست بردار نہ ہوگی۔

خون اور خاندان کے اثرات کا اولاد میں منتقل ہونا یہ صرف پرانی کہاوت نہیں ہے بلکہ اناٹمی کی رو سے بھی یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ انسان کے اندر خون اور خاندان کے اثرات پائے جاتے ہیں اور اولاد کے اندر آبا و اجداد کی صفات اور عادات اور ظاہری مشابہت کا پایا جانا ایک روشن حقیقت ہے لیکن یہ موروثی عادتیں اور خصلتیں اپنے ظہور میں خاندانی ماحول اور تعلیم و

تربیت کی محتاج ہوتی ہیں۔ اگر اکابرین کی صحبت اور تربیت و تعلیم نہ ہو تو یہ خونی اثرات اور خاندانی صفات قوت سے فعل کے دائرے نہیں آسکتیں۔ خود سرکارِ دو عالمؐ نے اپنے اہلِ بیت کی خصوصی تعلیم اور تربیت فرمائی۔ آیتِ تطہیر نازل ہونے کے بعد آپؐ کا یہ عمل رہا کہ نمازوں کے وقت حضرت فاطمہؓ کے مکان سے گزرتے تو نماز کے لئے آواز دے کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ سیدنا امام حسنؓ چھوٹے بچے تھے۔ صدقہ کی کھجوروں میں ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ ڈال لیتے ہیں۔ آں حضرت کی نظر ان پر پڑتی تو فوراً ان کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور نکال دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ صدقہ لوگوں کا میل ہے۔ اس میل کچیل سے کہیں ان کے قلب میں کسی طرح کی کثافت جمع نہ ہو جائے۔ پھر اس کا اثر ان کی اولاد میں منتقل نہ ہو جائے۔ ارشاد فرمایا: صدقہ نہ محمدﷺ کے لئے ہے اور نہ محمدﷺ کی اولاد کے لئے۔

اہلِ بیت کے موضوع پر آپ نے مختلف پہلوؤں سے کئی ایک باتیں سماعت فرمائیں ایک اور بحث یہ بھی سُننے چلیئے۔ جو آج حسب و نسب اور خاندان کے موضوع پر چل پڑی ہے جس کی آواز تحریر و تقریر کے ایوانوں میں گونج رہی ہے۔ وہ یہ ہے:

اسلام میں حسب و نسب کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں وہی شخص سب سے زیادہ عزّت اور توقیر کا مستحق ہوگا، جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا۔ قیامت میں حسب و نسب کام نہیں آئے گا اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ باپ بیٹے کے کام نہیں آئے گا اور بیٹا باپ کے کام نہیں آئے گا اور نہ ہی حسب و نسب اور خاندان کی بنیاد پر فیصلے ہوں گے۔ وہاں صرف آدمی کو اس کا عمل نفع دے گا اور اسی عمل کی بنیاد پر فیصلے ہوں گے اور عمل ہی سے لوگ جنّتی یا دوزخی قرار پائیں گے۔

نبی کریمؐ نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔ جس شخص کو اُس کا عمل پیچھے کر دے تو اُس کا نسب اُسے آگے نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اپنی لختِ جگر، نورِ نظر حضرت فاطمہؓ سے کہہ دیا: اے فاطمہؓ! مجھ سے میرا مال جتنا مال چاہو مانگ لو۔ البتہ عبادات اور احکام کے بارے میں میں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچا لو۔ کیوں کہ میں اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی طاقت نہیں رکھتا۔ البتہ خدا کی رحمت کا کچھ حصہ دلا سکتا ہوں۔

یہ تھیں وہ تفصیلات جو حسب و نسب کے بے سود ہونے اور اس کی عدم افادیت کو ظاہر

کرنے کے لئے سنائی جاتی ہیں۔ لیکن ان ساری باتوں کو خاص تناظر اور ان کے پس منظر میں دیکھنا ہوگا۔ جن کے پیچھے کچھ اصلاحی مقاصد ہیں تو بعض مفاسد کی روک تھام ہے۔

نبی کریمؐ کی جب بعثت ہوئی تو اس وقت عرب سوسائٹی میں حسب ونسب کی جو غیر معمولی اہمیت تھی۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ حسب ونسب میں اعلیٰ اور ادنیٰ تفریق، اعلیٰ نسبی پر فخر و غرور اور اعتماد، ادنیٰ نسبی کی تحقیر و تذلیل، بے عملی و بدکرداری کے باوجود اپنے خون کے پاک وصاف ہونے کا دعویٰ۔ آخرت میں عذاب سے محفوظ اور مامون ہونے کا یقین، اللہ تعالیٰ کے محبوب اور چہیتے ہونے کا زعم، یہ تھے وہ افکار و خیالات، جو یہودیوں کے اثر سے اہل عرب میں سرایت کر گئے تھے۔ جس کی اصلاح اور روک تھام کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان دو ہی ہیں۔ ایک متقی اور پرہیزگار جو اللہ کے نزدیک محبوب اور محترم ہے۔ دوسرا گناہ کار اور بدکار جو اللہ کے نزدیک ذلیل و حقیر ہے۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اگر کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

اس بحث کی وضاحت کے لئے میں ایک دوسری حدیث سے مدد لینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو"۔ کیا اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کرنا صحیح ہو سکتا ہے کہ نبی کریمؐ حضرت یونس علیہ السلام کے ہم پلّہ اور ہم مرتبہ ہیں اور آپؐ کی کوئی امتیازی خصوصیت اور فضیلت نہیں ہے۔ جب کہ خود نبی کریمؐ نے دوسری حدیثوں میں اپنی امتیازی خصوصیت و فضیلت اور فوقیت ولا فخر کہتے ہوئے بیان کی۔

اس حدیث کا سیدھا سادھا مفہوم یہی ہے کہ میری فضیلت اور فوقیت اس انداز سے بیان نہ کرو، جس یونس علیہ السلام کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ یہی فکر اور یہی انداز حسب ونسب کے باب میں بھی ہونا چاہئیے اور احادیث کو اُن کے پس منظر اور ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے معانی اور مطالب اخذ اور متعین کرنے ہی میں امن اور سلامتی اور اعتدال و توازن کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

حسب ونسب اور خاندان کی عظمت اپنی جگہ ضرور ہے۔ لیکن اس عظمت کے اظہار میں طاہر و غیر طاہر، پاک و نجس اور اونچ نیچ کے تصورات اور احساسات کا پہلو نہیں ہونا چاہئے۔ حسب ونسب

سے متعلق احادیث کے مطالعہ کے وقت یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیئے کہ اس عمومی قاعدہ کی وجہ سے قرابتِ نبوی ﷺ کی دنیوی اور اخروی افادیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

قرآن اور احادیث میں صالح والدین سے اولاد کو نفع پہنچنے کی صراحت موجود ہے تو سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم سے اہلِ بیت کو نفع نہ پہنچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر حضور اکرم ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ میں تمہارے کوئی کام نہیں آسکتا۔ اس کو دلیل بنا کر حضرت فاطمہ رض اور ان کی اولاد کے لئے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی کو غیر نافع ٹھہرانا، یہ پیغمبر مختار اور شافعِ اُمّت کے مقام و مرتبہ سے لاعلمی اور بے خبری کی دلیل ہوگی۔

سورہ طور میں ہے والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد تک پہنچا دیں گے جن کے آباء و اجداد اخلاص و تقویٰ اور عمل کے باعث جنّت کے اعلیٰ درجات میں ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ ان کی اولاد کے درجات بلند کر کے ان کو بھی اُن کے آباء و اجداد کے ساتھ ملا دے گا اور یہ ان کے آباء و اجداد کے نیک اعمال و افعال کی برکت سے ہوگا۔

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رض فرماتے ہیں:

اگر کوئی مسلمان اعمال صالحہ کے ذریعہ قرب خداوندی میں اپنے قرابت داروں کے مقام و مرتبہ کو نہ پا سکے تو اس کے بزرگ آباء و اجداد کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے خاطر بعد والوں کو بھی جنت میں انھیں کے درجے میں پہنچا دیں گے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالےٰ جنّت میں نیکوکار صالح مومنوں کی اولاد کو بھی ان کے آباء و اجداد کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ اگرچہ کہ وہ عمل کے اعتبار سے جنّت کے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں اور یہ اس لئے ہوگا کہ اُن کے آباء و اجداد کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے، جب مؤمن صالح جنّت میں داخل ہوگا تو وہ اپنے والدین اور اپنی بیوی بچوں کے بارے میں دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجے اور مرتبہ کو پہنچ نہیں پائے۔ اس لئے ان کا مقام جنّت میں دوسری جگہ ہے تو یہ شخص عرض کرے گا اے اللہ تعالےٰ میں نے جو نیکیاں کیں وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے تھیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ کا حکم ہوگا کہ

Scanned with CamScanner

اس شخص کے والدین اور اس کے بیوی بچوں کو بھی جنت کے اسی درجہ میں داخل کیا جائے۔

ان احادیث سے واضح ہو چکا کہ والدین اولاد کے لئے فائدہ مند اور نفع رساں ثابت ہو رہے ہیں اور اسی طرح نیک اولاد سے والدین کو بھی نفع پہنچے گا۔ نبی کریم کی حدیث ہے۔ جس میں یہ صراحت ملتی ہے کہ جب ایک شخص جنت میں اپنے درجات بلند ہوتے ہوئے دیکھے گا تو وہ اللہ تعالٰی سے اس کا سبب دریافت کرے گا۔ اللہ تعالٰی فرمائے گا۔ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے مغفرت کی جو دعائیں کیں تھیں، ان کی وجہ سے یہ درجات تمہیں حاصل ہو تے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ آخرت میں مومن کو اس کے والدین اور اس کی اولاد سے فائدہ اسی وقت پہنچے گا۔ جب کہ اس کے والدین اور اولاد صاحب ایمان ہوں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر کسی مسلمان کے والدین اور اس کی اولاد ایمان کی نعمت سے محروم ہو تو حسب ونسب کام نہیں آئے گا۔ جن احادیث میں حسب ونسب کام نہ آنے کی صراحت ہے۔ وہ عدم ایمان اور کفر کی وجہ سے ہے۔ وہاں افادیت ایمان کے ساتھ ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو کسی کی قرابت میں انبیائے کرام بھی ہوں تو وہ بھی اس کو نافع ثابت نہ ہو سکیں گے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اور نبی کریم کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب کی مثال سے یہ حقیقت صاف ہو جاتی ہے۔

سورۂ کہف کی آیت واما الجدار الاخ سے بھی ہمارے اس نقطۂ نظر (والدین کی نیکی بچوں کے لئے فائدہ مند ہو گی) کی وضاحت ہو رہی ہے۔

اور دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے لڑکوں کے لئے ایک خزانہ مدفون ہے۔ اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ اس لئے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہو جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

ان دونوں یتیموں کے لئے خزانہ کی حفاظت کی جو صورت پیدا ہوئی یہ ان کے والدین کی نیکیوں کا نتیجہ تھا۔ کان ابوھما صالحا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت میں باپ کا جو ذکر ہو رہا ہے وہ حقیقی باپ

نہ تھا بلکہ ان یتیم بچوں کے ساتویں جد میں تھا۔ یہ بات بڑے غور اور فکر کی ہے کہ ساتویں پشت میں واقع ایک متقی و پرہیزگار جد سے اولاد کو دنیا میں نفع پہنچ سکتا ہے اور اسی طرح اولاد کا دامن بڑی بڑی نیکیوں سے خالی رہنے کے باوجود ان کے والدین کے ساتھ ان کو بھی جنّت کے بلند درجات میں داخل کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح اولاد کی دعاؤں سے جنّت میں والدین کے درجات بلند ہو سکتے ہیں تو اسی سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے اور آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی خاطر آپؐ کے اہلِ بیت کو نفع پہنچے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اور وہ حدیثیں جن میں نسب کام نہ آنے کی بات ہے اسے بنیاد بنا کر مبتدعانہ خیالات کو پھیلانا کوئی دینی خدمت نہیں ہے۔ آخرت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور نسبت سے اہلِ بیت پر کیسی کیسی نعمتیں اور رحمتیں نازل ہوں گی ان کا ہم تصوّر بھی نہیں کر پائیں گے۔ یہ اہلِ بیت پر اللہ کا خصوصی فضل ہے اور اللہ اپنا فضل جس پر چاہے فرماتا ہے۔ وہ تو فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

اہلِ سنّت والجماعت مسلمانوں کے دلوں میں اہل بیت کی سچّی محبّت والفت عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک رہی ہے اور ان کے خواص وعوام دونوں نے ہمیشہ نبیٔ کریمؐ کی اولاد کی تعظیم وتکریم اور اُن کے پاس ولحاظ اور ادب کو ایمان کا حصّہ سمجھا اور اسی میں نجات تصوّر کیا۔ اور یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی اور علمی حقیقت ہے کہ اہلِ سنّت والجماعت اہلِ بیت کے بارے میں شیعانِ علیؓ کی طرح غلو کا شکار نہیں ہوئے اور خوارج کی طرح تعصب کا شکار بھی نہیں ہوئے۔ بلکہ انھوں نے افراط وتفریط اور انتہا و پستی سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ البتہ موجودہ زمانہ میں ایک فتنہ جو اُن لکے اندر ابھرا وہ یہ ہے کہ علماے سو نے جب یہ دیکھا کہ اہلِ بیت کے افراد اپنی بے علمی اور بے عملی کے باوجود معظم اور محترم ہیں تو صدارت ومسند نشینی ان ہی کے حصّہ میں ہے اور ہم صاحبِ علم وفضل ہوتے ہوئے بھی ان کی طرح معظم اور مکرم نہیں ہیں۔ اس احساسِ کمتری اور جاہ ومنصب کی خواہش نے رشک وحسد کے جذبات کو ہوا دی اور انھوں نے اہلِ بیت کی بے علمی و بے عملی اور اُن کے غرورِ نسب اور نسب پر بے اعتماد کو بنیاد بنا کر ان کی قدر ومنزلت پر ضربِ کاری لگادی اس طرح وہ مسلمانوں میں ان کا مقام گرانے میں تو کامیاب ہوگئے۔ لیکن ان کا مقام



جواہر الحدیث

مولوی حافظ بشیر الحق قریشی

حضرات حسنین رض اور ان کے والدین کریمین رض

اہلِ بیت کے فضائل ومناقب اور خصوصیات اور دین میں ان کی شرعی حیثیت اور اُن کے فرائض کی وضاحت کے بعد اب میں حضرات حسنین رض اور ان کے والدین کریمین سے متعلق کچھ باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں ۔ یہ حضرات کرام حضرت علی رض، حضرت فاطمہ رض، حضرت حسن رض اور حضرت حسین رض اہلِ بیت کے افراد کے لئے اصل اور جڑ ہیں ۔

حضرت علی رض اپنے حسب ونسب کے اعتبار سے قریشی النسل ہیں ۔ ان کے اندر قریش کی خصوصیات اور کمالات اور صفات وحسنات بدرجہ اتم موجود تھیں اور یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ خون اور خاندان کے اثرات اولاد میں منتقل ہوتے ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ قریش سے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح کی کتاب "المرتضیٰ رض" کا ایک اقتباس سُن لیجئے، جس سے ہمارے اس موقف کی وضاحت ہوتی ہے ۔

"علم التشریح ANATOMY نفسیات، اخلاقیات اور علم الاجتماع میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان کے اندر خون اور خاندان کے اثرات بڑی حد تک موجود رہتے ہیں اور اس کی سیرت کی تشکیل فطری صلاحیتوں، رجحانات اور ذہنیت کے بنانے میں موروثی اثرات کا خاصا دخل ہوتا ہے ۔

موروثی خصوصی اثرات اعضاء وجوارح (قد وقامت اور طرزِ گفتار) میں بھی پائے جاتے ہیں.

خاص طور پر ان خاندانوں میں جہاں نسب کی اہمیت ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ خاندان کی اصلیت محفوظ رہے۔عرب شعراء نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ؎

مطاعینُ فی الھیجاء مکاشفُ الدجیٰ   بَنیٰ لَھُمُ اٰباؤُھم بَنَی الجَدُّ

یہ وہ قبیلہ ہے جس کے افراد جنگوں میں بڑھ بڑھ کر حملے کرتے ہیں۔تاریکیوں کے پردے چاک کرتے ہیں۔ یہ خُو اور عادت اُن کے اندر اُن کے آباء و اجداد کے رشتہ سے آئی ہے۔

تمام اہلِ عرب قریش کی عالی نسبی کے معترف تھے اور اس بات میں اُن کے درمیان دو رائیں نہیں تھیں کہ قریش کو قبائلِ عرب پر خاندانی تفوق حاصل ہے۔ان کی زبان ولہجہ دوسروں کے لئے معیار تھا۔مہمان نوازی،شجاعت اور جوانمردی کے جوہر ان میں امتیازی طور پر پائے جاتے تھے۔

اس قبیلے کی شاخیں آپس میں ایک دوسرے کی حلیف تھیں۔وہ قبائلی خصوصیات کو عزیز رکھتی تھیں۔اور شریعتِ ابراھیمی پر بہت حد تک کاربند تھیں۔قریش کی امتیازی خصوصیات میں یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنی اوّلین سے محبت کرتے تھے۔ (بدویانہ معاشرت میں یہ بات نہ تھی۔)خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔مناسکِ حج ادا کرتے تھے۔میّت کو کفن پہناتے،غسلِ جنابت کرتے،شادی بیاہ ذرا دُور کی قرابت میں کرتے اور نکاح میں گواہوں اور مہر کا التزام رکھتے۔طلاق دیتے تو تین بار دیتے بیٹی نواسی،بہن اور بھانجی سے اس وقت کے ایرانی مجوسیوں کی طرح نکاح نہیں کرتے بلکہ اس کو عار اور شرم و بے حیائی کی بات سمجھتے تھے۔قرآن نے ان کے اس طرزِ معاشرت کو بنظر استحسان دیکھا اور اس کو شریعت قرار دیا۔قریش جس قبیلہ میں چاہتے شادی کرسکتے تھے۔مگر ایک شرط ضرور کر لیتے کہ جس سے شادی کی جارہی ہے،مذہب کے معاملہ میں اس کے اندر پختگی اور گہرائی ہو۔اُن کا عقیدہ تھا۔یہ جائز ہی نہیں ہے۔اور نہ ان کے خاندانی روایات کے شایانِ شان ہے کہ ایسے شخص سے مناکحت کا تعلق پیدا کریں،جو عقیدہ میں اُن کا ہم مشرب نہ ہو اور یہی نہیں بلکہ اس کے اندر مذہبی حمیّت اور جوش بھی ہو۔قریش کے قبیلے میں بنو ہاشم کی حیثیت ایک گلِ سرسبد کی تھی۔قریش کی یہ شاخ اپنے انسانی شعور اور اعتدال پسندی میں امتیاز رکھتی تھی۔دینی و دماغی طور پر بھی اس کو کسی قدر فوقیت حاصل تھی۔ظلم و زیادتی کو گناہ سمجھنے کا شعور ختم نہیں ہوا تھا۔ہٹ دھرمی اور ضد اس کا شعار نہیں تھا۔

ہمت بلند تھی، کم زوروں اور ضعیفوں پر رحم و شفقت کا برتاؤ کرتی۔ سخاوت و شجاعت اس کا مزاج تھا۔ غرض اخلاق و شرافت، سیر چشمی، حمیت اور جوشِ عمل کی خصوصیات بنی ہاشم میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اور اسلام نے جن اخلاقِ عالیہ کی دعوت دی ہے اُن سے ان کے اخلاق مناسبت رکھتے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ایک زمانہ تک وہ اپنی قوم اور ہم وطن قبائل کے عقائدِ جاہلیت اور غیر اللہ کی عبادت میں اُن کے شریک ہو گئے تھے۔" (المرتضیٰ: ص ۳۰)

حضرت علیؓ کے والدِ محترم کا نام باختلاف روایت عمران، عبد مناف یا شیبہ تھا۔ لیکن وہ ابوطالب کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ طالب اُن کے ایک صاحب زادہ کا نام تھا۔ حضرت ابوطالب اور نبی کریمؐ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ دونوں سگے بھائی تھے۔ اس طرح حضرت علیؓ کو نبی کریمؐ کے چچازاد بھائی ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت فاطمہ بنت اسد تھا۔ انھوں نے نبی کریمؐ کی پرورش کی۔ حضرت آمنہ کے بعد یہی نبی کریمؐ کی ماں تھیں۔ یہ اسلام سے مشرف ہوئیں۔ جب ان انتقال ہوا تو نبی کریمؐ نے اپنی قمیص کو ان کے کفن کا حصہ بنا دیا اور ان کی قبر میں بھی اُترے اور یہ دُعا کی: اے اللہ میری ماں کی مغفرت فرما: اللّٰھم اغفرلی الامی۔

حضرت علیؓ بعثتِ نبویؐ سے دس سال پہلے بیت اللہ کے اندر پیدا ہوئے۔ حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے۔ آمدنی کم تھی جس کی وجہ سے نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے پاس رکھ لیا جس کی وجہ سے حضرت علیؓ نے بچپن ہی سے آغوشِ نبوت میں پرورش پائی۔ نبی کریمؐ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو کم عمر بچوں میں سب سے پہلے یہی ایمان لائے۔ اس وقت ان کی عمر شریف نو سال کی تھی۔ حضرت علیؓ کو یہ شرف بھی ملا کہ سب سے پہلے انھوں نے نبی کریمؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت علیؓ اپنی کم سنی کے زمانہ ہی سے نبی کریمؐ کے معاون رہے اور یہ معاونت نبی کریمؐ کی زندگی کے آخری لمحات تک رہی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"ایک روز میں اور نبی کریمؐ گھر سے نکلے اور بیت اللہ کے دروازے پر پہنچے۔ آپ میرے کندھے پر پیر رکھ اونچے ہونا چاہتے تھے لیکن میں کھڑا نہیں پایا تو میری کم زوری کو دیکھتے ہوئے مجھ سے فرمایا: اے علیؓ! تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں سوار ہو گیا۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں آسمان کی بلندی

تک پہنچ گیا ہوں۔ پھر بیت اللہ کی چھت پر پہنچ گیا۔ وہاں پیتل کا ایک بڑا بُت تھا۔ اس کو اُٹھا لیا آپؐ نے فرمایا: "اے علیؓ! اس کو پھینک دو۔ میں نے پھینک دیا تو وہ ایک شیشہ کی طرح چور چور ہو گیا۔ پھر میں آپؐ کے کندھوں پر سوار ہو کر نیچے اُتر گیا۔ میں اور نبیؐ کریم تیز تیز گھر کی طرف چلے گئے تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔

اجنبی اور دشمنوں سے خوف زدہ لوگ مکہ مکرمہ میں پہنچتے تاکہ نبیؐ کریم سے مل کر اسلام کو جانیں اور سمجھیں تو ایسے حضرت علیؓ ایسے لوگوں کی دستگیری اور رہ نمائی کرتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ تلاش حق میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہ نبیؐ کریم کو پہچانتے نہ تھے۔ حرم شریف پہنچے اور اسی میں ٹھہرے رہے۔ کئی دنوں تک آپؐ کو تلاش کرتے رہے صرف زمزم پی کر کئی دن آپؓ نے گزار دیا۔ اسلام دشمنوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے کسی سے کچھ پوچھتے بھی نہ تھے۔ حضرت علیؓ کے اندر مردم شناسی اور قیافہ شناسی تھی۔ انھوں نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کے چہرے کو دیکھ کر اُن کے ارادے کو پہچان لیا۔ خود ہی اُن کے قریب پہنچے اور پوچھا: "کیا آپؓ یہ بتائیں گے کہ آپؓ کا مکہ مکرمہ کیسے آنا ہوا؟" حضرت ابو ذر غفاریؓ نے جواب دیا: "اگر آپؓ وعدہ کروگے اور مجھے قول و قرار دوگے اور میری رہ نمائی کروگے تو میں آپؓ کے سامنے اپنے آنے کا مقصد بیان کروں گا۔" حضرت علیؓ نے وعدہ فرمایا۔ تو حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اپنا مقصد پیش کیا۔ حضرت علیؓ سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا: آپؓ میرے پیچھے پیچھے چلے آئیے۔ اگر میں کہیں خطرہ محسوس کروں تو استنجاء کے بہانے رک جاؤں گا۔ اگر چلتا رہوں تو آپؓ میرے پیچھے پیچھے چلے آئیے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے حامی بھری اور ان کی متابعت کی۔ نبیؐ کریم کی خدمت اقدس میں پہنچے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔

حضرت علیؓ کے اندر بڑی شجاعت اور بہادری تھی اور بچپن ہی سے یہ جوہر چمکا۔ حق گوئی اور صاف گوئی بھی بہت تھی۔ تبلیغ اسلام کے اولین مرحلہ میں نبی کریمؐ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر اسلام کی دعوت لوگوں کو دی تو کسی نے حامی نہیں بھری۔ حاضرین و سامعین میں سے ایک کم عمر بچہ کی ہلکی سی معصوم آواز فضاء میں بلند ہوئی لبیک، وہ حضرت علیؓ تھے۔

ہجرت کے وقت نبیٔ اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے گھر طلب کیا۔ اور ان سے فرمایا: اے علیؓ! تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور صبح ہوتے کے بعد لوگوں کو ان کی امانتیں پہنچا کر مدینۂ منورہ چلے آؤ۔ انھیں یہ حکم ایسے وقت میں دیا جا رہا تھا جب کہ دشمنانِ اسلام ننگی تلواریں لئے ہوئے نبیٔ کریمؐ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھے

اور منتظر تھے کہ جوں ہی نبی کریمؐ گھر سے باہر نکلیں بیک وقت آپؐ پر حملہ کردیں۔

حضرت علیؓ اطمینان کے ساتھ بستر پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے آنحضرتؐ نے سورۂ یٰسٓ فاغشینٰھم فھم لایبصرون تک پڑھی۔ دروازہ کھولا۔ سب کے سامنے سے گزر گئے۔ پیکرِ نور کو مادی نگاہیں دیکھنے سے قاصر رہ گئیں۔ محاصرہ کئے ہوئے لوگوں نے گھر کے اندر جھانک کر دیکھا تو انھیں ایسا لگا کہ نبی کریمؐ بستر پر ہیں۔ یقین ہوگیا کہ آنحضرتؐ اندر موجود ہیں۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت علیؓ ہیں۔ اسی وقت نبی کریمؐ کی تلاش میں چاروں طرف پھیل گئے۔ لیکن جب تک آنحضرتؐ ان کی دسترس اور قبضہ سے نکل چکے تھے۔

حضرت علیؓ مکۂ مکرمہ میں تین دن رہ کر لوگوں کی امانتیں تقسیم کرکے مدینۂ منورہ نکل کھڑے ہوئے۔ راتوں میں چلتے اور دن میں کہیں چھپ جاتے تھے۔ مکہ سے مدینہ تک پیدل چلنے کی وجہ سے پاؤں پھٹ گئے تھے اور آپؓ اسی حالت میں مدینۂ منورہ پہنچ گئے۔ آپؓ کے آنے کی اطلاع نبی کریمؐ کو ہوئی تو اپنی اقامت گاہ پر بلوا بھیجا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اُن کے پیروں میں ورم اور شگاف کی وجہ سے چل نہیں پا رہے ہیں"۔ یہ سن کر آنحضرتؐ خود اُن کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگایا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑے۔ پھر اپنا لعابِ دہن پیروں پر لگایا تو یہ تکلیف دور ہوئی۔ اس تھوکِ مبارک کی معجزانہ تاثیر یہ رہی کہ زندگی بھر حضرت علیؓ پیروں کی تکلیف سے محفوظ رہے۔

ہجرت کے دوسرے سال نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کا نکاح اپنی چھوٹی، آخری اور چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے ساتھ کردیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال اور پانچ ماہ تھی اور حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال اور ساڑھے پانچ ماہ تھی۔ صاحبزادی کی رخصتی کے وقت فرمایا: "لختِ جگر! میں نے تمہارا نکاح اپنے اہلِ بیت کے سب سے بہترین آدمی سے کیا ہے"۔ دولھا دلھن کے لئے بڑی دعائیں دی اور پانی پر دم کرکے دونوں پر چھڑکا۔

ایک مرتبہ نبی کریمؐ مسجد میں رونق افروز ہوئے تو دیکھا، حضرت علیؓ سوئے ہوئے ہیں اور اُن کی چادر پشت سے اُتر گئی اور پیٹھ پر مٹی لگی ہوئی ہے۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی پیٹھ کو مٹی اور گرد سے صاف کیا اور فرمایا: اجلس یا اباتراب: ابوتراب اٹھ جاؤ۔ اس کے بعد حضرت علیؓ ابوتراب کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ہجرت کے دوسرے سال رمضان شریف میں اسلام کی پہلی جنگ غزوۂ بدر ہوئی جس میں حضرت علیؓ نے اپنی بے پناہ شجاعت کے جوہر دکھلائے ۔ اس موقعہ پر نبی کریمؐ نے انھیں اپنی خاص تلوار ذوالفقار عنایت کی ۔ اس تلوار سے حضرت علیؓ نے بڑے بڑے معرکے سر کیئے ۔

ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں اسلام کی دوسری جنگ غزوۂ احد ہوئی ۔ جو مدینۂ منورہ سے باہر احد نامی پہاڑ کے دامن میں لڑی گئی ۔ اس نسبت سے یہ جنگِ احد کہلائی ۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ نہ صرف شریک رہے بلکہ نبی کریمؐ کے خاص محافظ بنے رہے ۔ ابتداً اس جنگ میں مسلمان فتح یاب رہے ۔ نبی کریمؐ کی ایک ہدایت سے غافل ہونے کے باعث یہ فتح شکست میں بدل گئی ۔ اس لڑائی میں نبی کریمؐ کا ایک دندانِ مبارک شہید ہو گیا ۔ آپؐ کے سرِ مبارک پر سخت چوٹ لگی ۔ جس سے کافی خون بہا ۔ حضرت فاطمہؓ نے زخموں کو صاف کیا ۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال سے پانی لا لاکر دیتے رہے ۔ سرِ مبارک سے زخم کا خون تھمتا نہ تھا ۔ بالآخر حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلاکر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی تو خون بند ہو گیا ۔

ہجرت کے پانچویں سال شوال کے مہینے میں غزوۂ خندق پیش آیا ۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے نبی کریمؐ نے مدینۂ منورہ کے شمال اور مغرب کے راستہ میں ایک گہری خندق کھدوائی ۔ اس نئی جنگی تدبیر سے بڑا فائدہ پہنچا ۔ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی شجاعت اور بسالت کا مظاہرہ ہوا ۔

ہجرت کے چھٹے سال ذی قعدہ کے مہینے میں صلحِ حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا ۔ جس سے دعوت و تبلیغ اور امن و آشتی اور ترقی کی نئی صورتیں پیدا ہو گئیں ۔ مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو اپنا شہر چھوڑے ہوئے چھ سال کی مدت گزر چکی تھی ۔ وہاں کی یادیں اور حرم کے طواف اور عمرہ کے مناظر ذہن و دل میں بے چینی اور اضطراب پیدا کئے ہوئے تھے ۔ بعض حضرات نے خواب میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا ۔ اس سے سب کے دلوں میں ایک تمنا جاگ اٹھی کہ عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ جانا چاہئیے ۔ آنحضرتؐ نے ایک ہزار چار سو صحابۂ کرام لو لے کر عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینۂ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے ۔ مقام حدیبیہ پہنچ کر قریش کو حضرت عثمانؓ کے ذریعہ اطلاع دی کہ ہم عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں لہٰذا حرم میں داخلہ کی اجازت دی جائے ۔

حضرت عثمانؓ مکۂ مکرمہ میں ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے ۔ لوگوں پر اُن کے بڑے احسانات تھے اسی لئے نبی کریمؐ انھیں سفیر بنا کر بھیجا ۔ قریش کے لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا : ہم آپؓ کو عمرہ کی اجازت

دیتے ہیں، محمدؐ کو نہیں دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: نبی کریمؐ کے بغیر میں عمرہ ادا کروں! یہ ہو ہی نہیں سکتا۔
حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ ہی میں رک گئے تھے کہ ایک غلط خبر یہ پھیل گئی کہ آپؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔
نبی کریمؐ کو جب یہ خبر ملی تو آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا داہنا ہاتھ قرار دیا اور اُن کی جانب
جانب سے اپنے داہنے ہاتھ کو صحابہ کرامؓ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ تاریخ میں اس بیعت کو بیعتِ
رضوان سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ الفتح میں بھی اس بیعت کا ذکر ہے۔

بیعتِ رضوان کا حال سن کر قریش کے لوگ خوف زدہ ہو گئے اور ان کے سردار حدیبیہ پہنچ گئے۔
حضرت عثمانؓ کو بھی رہا کر دیا گیا۔ قریش نے صلح کا ارادہ ظاہر کیا تو آنحضرتؐ نے بھی آمادگی اور رضامندی
ظاہر کی۔ قریش اور مسلمانوں کے درمیان ایک تاریخی معاہدہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے نبی کریمؐ کی ہدایت
کے مطابق صلح نامہ تحریر کیا، جس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا گیا تو قریش کے سفیر اور معاہدہ کے
نگران اور مختار سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا۔ رحمان کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ اہلِ عرب کے دستور
اور عادت کے مطابق باسمک اللھم سے معاہدہ کی شروعات کی جائے۔ یہ سن کر نبی کریمؐ نے فرمایا
کوئی حرج نہیں۔

اس معاہدہ میں کئی شرطیں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ دس سال تک جنگ بند
رہے گی۔ جانبین سے آمد و رفت پر کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہوگی۔ اس شرط سے مسلمانوں کو بہت بڑا
فائدہ یہ حاصل ہوا کہ انھوں نے چین و سکون کا سانس لیا۔ امن کا ماحول پیدا ہو گیا۔ اسلام کی دعوت کے
لیے سہولت پیدا ہو گئی۔ آنحضرتؐ نے قاصدوں کے ذریعہ اسلام کے پیغام کو دور دور تک پہنچایا۔

اس معاہدہ کے اختتام پر یہ لکھا گیا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان
طے پایا۔

سہیل نے کہا: ہم نے کب آپؐ کو رسول تسلیم کیا۔ اسی لفظ پر تو ہمارا اور تمہارا اختلاف ہے۔ لہٰذا
رسول اللہ کا لفظ نکال دیجیے اور محمد بن عبداللہ لکھیے۔ سہیل نے جب دیکھا کہ اس کی بات پر عمل کے امکان
نہیں ہے تو کہا: ایسا نہیں لکھا گیا تو سمجھیے یہ معاہدہ بھی ختم ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر نبی کریمؐ نے فرمایا:
میں اللہ کا رسول ہوں، تم اس کو تسلیم کرو یا نہ کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اے علیؓ رسول

اللہ کا لفظ نکال دو۔ محمدؐ ابنِ عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ خاموش بیٹھے رہے اور اپنے قلم کو جنبش نہیں دی۔ پھر آپؐ نے دوبارہ کہا: اے علیؓ! رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمدؐ ابنِ عبداللہ تحریر کرو۔ دوبارہ سننے کے بعد بھی حضرت علیؓ نے پہل نہیں کیا تو آپؐ نے محسوس کیا: وہ علیؓ جو میرے ایک اشارہ پر سر اطاعت خم کرنے والا آج ساکت اور خاموش ہے تو خود آپؐ نے معاہدہ کا کاغذ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمدؐ ابنِ عبداللہ لکھ دیا۔ اس سے پہلے کبھی نبیٔ کریم نے قلم نہیں پکڑا تھا۔ یہ ایک تحریری معجزہ تھا جو اس وقت آپؐ سے صادر ہوا۔

ہجرت کے نویں سال محرم الحرام کے مہینے میں جنگِ خیبر ہوئی۔ خیبر یہودیوں کا سب سے بڑا مضبوط گڑھ تھا اور یہ مدینہ منوّرہ سے ایک سو کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ اور یہاں ان کے متعدد قلعے تھے اور وہ اسی جگہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے اور مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز کیا کرتے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر نبیٔ کریمؐ نے مکمل فیصلہ کر لیا کہ یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کو ختم کر کے ہی سانس لیں گے۔ آپؐ ایک ہزار چودہ سو صحابۂ کرامؓ کو لے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ معرکہ بڑا گھمسان رہا۔ صحابۂ کرامؓ نے بڑی جواں مردی اور پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور یہودیوں کے سارے قلعے فتح کر لیے صرف ایک قلعہ قموص فتح نہیں ہو رہا تھا۔ نبیٔ کریمؐ نے اس موقعہ پر فرمایا: کل ایسے شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دیا جائے گا جسے اللہ اور اس کے رسولؐ محبوب رکھتے ہیں اور یہ مضبوط قلعہ جو ناقابلِ تسخیر سمجھا جا رہا ہے اسی کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ اس بشارت پر ہر مجاہد کے دل میں یہ آرزو بسی رہی کہ کل یہ سعادت اس کے نصیب میں رہے۔ دوسرے دن نبیٔ کریمؐ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! وہ آشوبِ چشم کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ یہ سن کر بھی حضور اکرمؐ نے کہا: علیؓ کو بلائیے۔ حضرت علیؓ اپنے خیمہ سے نکلے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں آنکھوں کی سخت تکلیف تھی۔ رسولؐ اللہ نے ان کی دونوں آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور صحت کی دعا مانگی۔ اسی لمحہ حضرت علیؓ کی یہ تکلیف دور ہو گئی۔ نبیٔ کریمؐ نے ان کے ہاتھوں میں جھنڈا دے دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے حضرت علیؓ کی کمان میں لڑائی کا آغاز کیا۔ بالآخر ایک سخت مقابلہ کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھوں قموص کا قلعہ فتح ہوا۔ اسی کے ساتھ فتح مندی کا فیصلہ ہو گیا۔

ہجرت کے نویں سال تبوک کی جنگ ہوئی۔ نبیٔ کریمؐ کی ایک آواز پر صحابۂ کرامؓ پورے جوش و خروش کے ساتھ تبوک کی طرف چل پڑے۔ اس جنگ کے موقعہ پر منافقین نے پہلوتہی کیا اور وہ مدینہ منورہ ہی میں رہ گئے

آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اہلِ بیت کی عورتوں اور بچّوں اور دیگر ضعیف مسلمانوں کی نگرانی کے لیے مدینۂ منورہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ یہ بات حضرت علیؓ کو قدرے گراں محسوس ہوئی کہ مجھے جہاد کی سعادت سے محروم کیا جا رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے ان کے جذبات کو محسوس کرلیا اور یہ کہہ کر ان کو تسلی دی کہ کیا تمہیں یہ بات منظور نہیں ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا، اسی طرح میں تمہیں اپنا نائب مقرر کر رہا ہوں۔ یہاں یہ حقیقت ہے کہ میرے بعد کوئی نبیؐ نہیں ہوگا۔

ہجرت کے نویں سال حج فرض ہوا۔ حج یوں بھی حضرت ابراھیمؑ کے زمانہ سے ہو رہا تھا لیکن اس کی شرعی اور دینی حیثیت ختم ہوگئی تھی اور وہ ایک میلہ اور تہوار بن گیا۔ جس میں ہر طرح کے خرافات جمع ہوگئی تھیں۔ بعثتِ نبوی کے بعد حج کی ادائیگی میں اہلِ ایمان کے ساتھ کافر و مشرک بھی برابر کے شریک تھے۔ اس سال نبی کریمؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحجاج بنا کر بھیجا۔ اس موقعہ پر سورۂ برأت نازل ہوئی۔ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ قربانی کے دن دسویں ذی الحجہ کو لوگوں کے سامنے برأت سنائیں اور یہ اعلان کر دیں کہ اگلے سال کوئی کافر اور مشرک حج کے لئے نہیں آئے گا۔ کافر و مشرک پر حج کی پابندی جو عائد کی گئی ہے وہ آج بھی برقرار ہے اور آئندہ بھی برقرار رہے گی۔

ہجرت کے دسویں سال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا۔ آپؐ کا یہ پہلا حج بھی تھا اور آخری حج بھی تھا۔ اور آپؐ کا یہ حج اس لئے بھی اہم تھا کہ آپؐ بنفسِ نفیس اپنے عمل کے ذریعہ حج کی وہ شکل امّت کے سامنے پیش کر دیں جو شریعت مطہرہ میں مطلوب ہے۔ اس حج میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے قریب رہی۔ اتنی کثیر تعداد میں مسلمان حج کے لئے اس غرض سے تشریف لائے تھے کہ ان میں سے بے شمار مسلمان ایسے تھے جنھوں نے نبی کریمؐ کو اپنی آنکھوں نہیں دیکھا تھا۔ اسی دیدارِ رسولؐ کی تڑپ اور تمنّا نے ہزاروں زائرینِ حرم کو میدانِ عرفات میں جمع کر دیا اور حج کے اس دن عرفہ میں نبی کریمؐ نے وداعی خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس حج الوداع کے موقعہ پر حضرت علیؓ کو ایک خصوصی اور اعزازی شرف یہ حاصل ہوا کہ آپؐ نے غدیرِ خم پر حضرت علیؓ کے خاطر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں یہ اعلان کیا: "میں جس کا حامی اور دوست ہوں علیؓ بھی اس کے حامی اور دوست ہیں"۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں یہ دُعا فرمائی: "اے اللہ! علیؓ کی حمایت اور نصرت فرما اور جو اُن کی حمایت کرے اُس کی حمایت فرما۔ اور جو اُن کے ساتھ دشمنی رکھے تو بھی

اس کے ساتھ دشمنی رکھ۔

ہجرت کے گیارھویں سال ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ۶۳ تریسٹھ سال کی عمر میں نبئ کریمؐ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔ زندگی کے آخری لمحات میں صاحبزادی بتولؓ کو اپنے سینہ سے قریب کرلیا اور انھیں دونوں جہاں میں عورتوں کے سردار ہونے کی بشارت سنائی۔ حضرات حسنینؓ کو اپنے پہلو میں لیا۔ دونوں کی پیشانی کو چوما۔ ان کے احترام کی وصیت کی۔ ازواجِ مطہراتؓ کو اپنے قریب بٹھالیا اور ان کو نصیحتیں کیں۔ حضرت علیؓ کو اپنے پاس بلالیا۔ انھوں نے سرمبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔ اُن کو بھی نصیحت فرمائی۔ اس وقت کفِ مبارک سیدنا علیؓ کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔

حضرت علیؓ اپنے بچپن سے لے کر اس آخری وقت تک بھی رسولِ کریمؐ کے ساتھ رہے اور آخری قدمات میں نبئ کریمؐ کو غسل دینے کی سعادت حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی۔ اس حادثۂ جانکاہ کا اثر حضرت علیؓ کے قلب و ذہن پر اس قدر رقم ہوا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے زبانِ مبارک یہ کہہ رہی تھی: اے اللہ کے رسول! آپؐ کی جدائی ایک دردِ لاعلاج ہے اور زخم لازوال ہے۔ یہ غم تو جانے والا نہیں ہے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر نثار اللہ تعالٰے کے پاس ہمارا ذکر فرمانا اور ہم کو اپنے دل سے بھول نہ جانا۔

حضرت علیؓ کی زندگی کا یہ ایک مختصر خاکہ کہیئے یا اشاریہ کہیئے جو آپ کے سامنے بیان کیا گیا ہے جس میں اُن کی زندگی کی ابتدا سے لے کر ان کی عمر شریف کے تینتیس سال کی مختصر سی جھلکیاں دکھائی گئیں۔ اس حیات کی تفصیل کے لئے ایک ضخیم دفتر بھی ناکافی ہوگا۔ اب میں آپ کے سامنے حضرت علیؓ کی خلافتِ رشیدہ سے متعلق مختصر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے اس بیان کو ختم کئے دیتا ہوں۔

خلافت کا عام فہم اور سیدھا سادھا مفہوم ہے ایک ایسی حکومت جو کتاب وسنّت اور اصحابِ فہم وفراست کے شوریٰ کی بنیاد پر قائم ہو۔ ایسی حکومت کے سربراہ کا نام خلیفہ ہے اور اس کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کے قانون کو نافذ کرے اور عدل وانصاف قائم کرے۔ اللہ کے قانون کو زمین پر نافذ کرنے کے اعتبار سے خود نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلیفہ ہیں۔ نہ صرف نبئ کریمؐ بلکہ سارے انبیائے کرام زمین پر اللہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کا بیان ہے: یا داؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ہ اے داؤد! ہم نے

آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرو۔

آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ اگر آپؐ چاہتے تو کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرسکتے تھے یا کسی کے متعلق وصیت کرسکتے تھے لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کام کو امت کے صوابدید اور صواب رائے پر چھوڑ دیا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے ایک فرقہ نے بڑی عجیب وغریب یہ بات پھیلادی کہ حضور اکرمؐ نے حضرت علی کو خلیفہ مقرر کرنے کی وصیت کی تھی۔ اور اس کے لئے اس واقعہ کو بنیاد بنادیا جو حضور اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا اور وہ واقعہ یہ رہا کہ ایک روز نبی کریمؐ نے حجرۂ مبارکہ میں موجود لوگوں سے کہا: "میں ایک نوشتہ لکھ دوں تاکہ تمہارے درمیان کوئی نزاع پیدا نہ ہوجائے"۔ رسول کریمؐ کی ناسازیٔ مزاج کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا: "ہمارے لئے کسی بھی معاملہ کو صحیح رخ پر لے جانے کے لئے قرآن کریم کافی ہے۔ اس کے بعد کوئی بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امّت کے سامنے نہ آئی۔ اس واقعہ کے بعد نبی کریمؐ کئی دن حیات رہے اور اپنے اہل بیت کے افراد کو فرداً فرداً نصیحتیں کیں اور حضرت حسنینؓ کے احترام سے متعلق لوگوں کو ہدایت دی اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے امور پر نبی کریمؐ نے ہدایتیں، وضاحتیں اور نصیحتیں کیں۔ لیکن اپنی کسی بات میں بھی حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کے لئے ایک ہلکا سا اشارہ بھی نہیں دیا۔ آپؐ کے چشم وآبرو کے ایک خفیف اشارہ کو بخوبی سمجھنے والے جاں نثار صحابۂ کرامؓ کبھی منشائے نبویؐ کے خلاف ایک قدم بھی آگے نہیں اٹھاتے۔ غرض واقعہ قرطاس سے حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے استدلال قائم کرنا ایک غیر علمی اور غیر حقیقی موقف ہے۔ اور اس کی تردید خود حضرت علیؓ کی زبانی ہوجاتی ہے۔

حضرت علیؓ کا یہ فکر انگیز بیان حضرت ذوقیؔ ویلوری علیہ الرحمہ نے اپنی فارسی تصنیف "النسائے عقائد ذوقی" میں نقل کیا ہے:

حضرت ذوقیؔ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے بعد حضرت علیؓ ہمیشہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے تابع اور مطیع رہے۔ بنماز فرض، جمعہ وعیدین میں حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ قول کہ خلیفہ بلافصل حضرت علیؓ ہیں، باطل ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم! اگر رسولؐ خدا نے میرے لئے اگر کوئی عہد اور وعدہ خلافت کے متعلق کیا ہوتا اور میرے پاس سوائے میری اس چادر کے اور کوئی چیز نہ ہوتی۔ جب بھی میں ابوبکرؓ صدیق کو

اس کی اجازت نہ دیتا کہ وہ رسولؐ خدا کے منبر کی پہلی ہی سیڑھی پر قدم رکھ سکتے۔ لیکن جب حضور اکرمؐ نے میری موجودگی اور میرے مقام و مرتبہ اور آپؐ کے تعلق و قرابت کو جاننے کے باوجود حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امامت کا حکم دیا تو اب میرے لئے خلافت کے بارے میں نزاع اور اختلاف کی گنجائش نہ رہی حضرت رسولِ اکرمؐ نے حضرت ابو بکرؓ ہمارے دین کے معاملہ میں ترجیح دی تو اب دنیا کے معاملہ میں ہمیں ابو بکرؓ ہی کو ترجیح دینا ضروری ہے۔

ابنِ عساکر نے حضرت علیؓ کی بات اس طرح نقل کی ہے جو تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی میں درج ہے:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری خلافت کے متعلق وصیت کی تھی۔ یہ محض غلط ہے اور صریح بہتان ہے۔ جب میں نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی تصدیق کی تو اب آپؐ پر یہ بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں؟ اگر آنحضرتؐ نے میرے لئے خلافت کی وصیت کی ہوتی تو میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کو رسولؐ خدا کے منبر پر کیوں کھڑا ہونے دیتا؟ خواہ میرا ساتھ دینے والا ایک آدمی نہ ہوتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نہ تو اچانک شہید کئے گئے اور نہ اچانک آپؐ کی وفات ہوئی بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ آنحضرتؐ کئی دن بیمار رہے۔ بیماری کے اس طویل عرصہ میں مؤذن کا معمول یہ رہا کہ وہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نماز کی امامت کے لئے پوچھتا تو آپؐ فرما دیتے تھے کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حالاں کہ نبی کریمؐ میرے درجے اور مرتبے سے خوب واقف تھے۔

پھر جب رسولؐ اللہ کا وصال ہو گیا تو میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا اور اس شخص (ابو بکرؓ) کو اپنی دنیا کے لئے قبول اور منظور کر لیا۔ جسے رسولؐ اللہ نے ہمارے دین کے لئے منتخب فرمایا۔ اس لئے میں نے بے چون وچرا ابو بکرؓ کے ہاتھ بیعت کر لی۔ اور وہ اس کے لائق بھی تھے۔ ہم میں سے کسی نے بھی ان کی خلاف ورزی نہیں کی۔"

حضور اکرمؐ کی وفاتِ شریف کے بعد سارے لوگ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور خلیفہ کے انتخاب پر گفتگو ہوئی اور اس وقت مختلف رائیں سامنے آئیں۔ بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں یہ اظہارِ خیال کیا۔ "آپؓ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ غار میں

نبیؐ اکرمؐ کے رفیق رہے اور نماز پڑھانے میں اُنؐ کے قائم مقام رہے۔ ایسا کون شخص ہے جو آپؓ پر مقدم ہو اور آپؓ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔"

یہ کہتے ہوئے حضرت عمرؓ بڑھے اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد انصار و مہاجرین اور تمام اکابر صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ حضرت علیؓ نے باختلاف روایت اسی دن شام میں بیعت کی اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا: "آپ کی فضلیت اور استحقاق خلافت سے ہم کو انکار نہیں ہے۔ نبیؐ کریمؐ کی قرابت کی وجہ سے ہم اس کو اپنا حق سمجھتے تھے۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "نبیؐ کریمؐ کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک مجھے اپنے قرابت مندوں کی بہ نسبت زیادہ عزیز ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ دو سال تین ماہ خلیفہ رہے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کیا اور اُن کے نام کا اعلان کیا اور یہ بیان دیا: "میں اللہ تعالےٰ کے سامنے عرض کروں گا کہ میں نے ایک ایسے آدمی کو خلیفہ مقرر کیا ہے جو سب سے افضل تھا۔" حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد امت نے اتفاقِ رائے کے ساتھ حضرت عمرؓ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ حضرت عمرؓ دس سال چھ ماہ اور چار دن تک خلیفہ رہے۔ ایک ایرانی غلام ابولولو فیروز نے آپؓ پر جان لیوا حملہ کردیا۔ جب آپؓ کو اپنی موت کا یقین ہوا تو آپؓ نے خلیفہ کے تقرر سے متعلق صحابہؓ کرام سے گفتگو کی تو صحابہؓ میں سے کسی نے کہا: "خلافت کے لئے آپؓ کے صاحبزادے عبداللہ موزوں ہیں۔" فرمایا کہ نہیں! اس کے بعد پھر فرمایا: "میرے اوپر یہ خلافت خود ایک بارِ گراں تھی۔ اس لئے اب میں اپنے خاندان کے کسی شخص پر اس بوجھ کو ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ ایک عمرؓ ہی کے لئے اس کی جواب دہی کیا کم ہے کہ وہ اپنے کنبہ میں سے دوسروں کو بھی مصیبت میں ڈالے۔ میں نے اپنے متعلقین کو بہت سی آسائشوں سے محروم رکھا۔ پھر بھی خلافت کی ذمہ داری سے اگر اللہ تعالےٰ کے دربار میں بلا ثواب اور بلا عذاب کے چھوٹ جاؤں تو سمجھوں گا کہ بڑا خوش قسمت ہوں۔" (تاریخ الامت: ج ۳)

حضرت عمرؓ نے خلیفہ کے منتخب کرنے کی ذمہ داری چھ بزرگوں کو سونپ دی ۱۔ حضرت عثمان بن عفانؓ ۲۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب۔ ۳۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ۔ ۴۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ ۵۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ ۶۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ ان چھ حضرات کے باہمی مشورہ و حسنِ تدبیر اور ایثار سے حضرت عثمان ابن عفان کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس کے بعد امت میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان

کیا گیا۔ جسے تمام لوگوں نے پسند کیا اور بیعت کی۔

یکم محرم الحرام ۲۴ھ سے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو اُن کی شہادت ہوئی۔ گیارہ سال آپؓ مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پانچ دن تک اُمتِ مسلمہ خلیفہ کے بغیر رہی۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ خلیفۂ مظلوم کی شہادت سے ہر طرف غم و غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ مدینہ میں چاروں طرف باغی گروہ اپنا تسلط جمائے ہوئے تھا۔ ایسے انتشار و خلفشار میں لوگوں نے حضرت علیؓ سے گزارش کی کہ آپؓ کے سوا کوئی اس منصب کو سنبھال نہیں سکتا۔ آپؓ ہی آگے بڑھ کر آجائیے، پیچھے نہ ہٹیئے۔ حضرت علیؓ کسی طرح اس منصب کو قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ بالآخر اہلِ مدینہ اور مہاجرین و انصار کے شدید اصرار پر آپؓ نے بادلِ نخواستہ خلافت کی زمام اپنے ہاتھ میں لی۔

۲۴ ذی الحجہ ۳۵ھ نمازِ جمعہ کے بعد لوگوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

آپؓ کی خلافت پر پوری اُمت کا اتفاق نہ ہو سکا۔ شام کے امیر حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے رفقاء اور شام کے باشندوں نے آپؓ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا۔ ہم اس وقت تک آپؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ آپؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پکڑ کر انھیں قصاص میں قتل نہیں کر دیتے۔

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی مکمل شناخت نہیں ہو رہی ہے۔ لہٰذا شرعی شہادت کے بغیر کسی پر قصاص جاری کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ آپ لوگ پہلے بیعت کرلیں پھر حضرت عثمانؓ کے خون کا وارث اپنا دعویٰ پیش کرے۔ اس کے بعد ہی شریعت کے مطابق قصاص کا حکم جاری کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اس طرزِ فکر اور اجتہاد سے دونوں جانب ایک سخت موقف وجود میں آگیا۔ جس سے تصادم اور ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگئی۔ نبی کریمؐ کی وفات شریف کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوگئے۔ ایسے نازک وقت میں اسلام دشمن طاقتیں بھی خفیہ طور پر متحرک ہوگئیں اور انھوں نے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ مسلمان آپس میں ٹکرا جائیں تاکہ ان کی اجتماعیت بکھر جائے اور ان کی قوت کمزور ہو جائے۔ آخر کار اپنوں کی اجتہادی غلطیوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں نے مسلمانوں کو جنگوں کے دلدل میں پھنسا دیا اور آج تک بھی اس

اس دلدل میں پھنستے ہی جا رہے ہیں۔

تاریخ اسلام کا یہ وہ اولین اور ناخوشگوار رُخ ہے کہ ہر کسی کا قلم اس جانب رُخ کرتے ہوئے لرز اٹھتا ہے۔ لیکن حقائق کے اظہار کے لئے قلم بھی خود کو بے بس محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ چشمِ فلک یہ منظر پہلی مرتبہ دیکھا کہ بصرہ کے قریب مخالفینِ حضرت علیؓ کا بہت بڑا گروہ جمع ہوگیا اور جنگ کے بادل منڈلانے لگے۔ یہ نازک صورت حال دیکھتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے اپنے خادم خاص قعقاع ابن عمر کو اپنا قاصد اور ایلچی بنا کر اپنے حزبِ مخالف کے پاس بھیجا۔ جس نے بڑی منت سماجت، درد و رقت اور پورے کرب کے ساتھ جو باتیں کہیں اسے تاریخ نے آنے والے مسلمانوں کو عبرت و نصیحت کے لئے محفوظ کردیا۔ ابنِ عمر نے کہا:

”میرے خیال میں اس فتنہ کا علاج صرف یہ ہے کہ سکون پیدا کیا جائے۔ اس کے بعد ہر قسم کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ اگر تم لوگ بیعت کرلو گے تو امت کی بہتری کے لئے وہ ایک فال نیک ہوگی اور خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کے قاتلوں سے قصاص بھی مل جائے گا۔ ورنہ باہمی خوں ریزی کی صورت میں وہ لوگ بچ جائیں گے اور امت مصیبت اور آفت میں مبتلا ہو جائے گی۔ میں اللہ تعالٰے کا واسطہ دلاکر کہتا ہوں کہ یہ ایک آدمی یا ایک خاندان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ساری امت کا ہے۔ اس میں غور و فکر سے کام لیجئے اور ایسی روش اختیار کیجئے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں اور نہ آپ اور نہ یہ اُمت جو اس وقت حوادث کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ (تاریخ الامت: ج ۲: ص ۹۰)

قعقاع ابن عمر کی یہ باتیں فریق ثانی (حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم) پر بڑی مؤثر ہوئیں اور اس نے کہا: اگر حضرت علیؓ (فریقِ اول) یہی چاہتے ہیں تو ہم بھی اس سے متفق ہیں۔ ابنِ عمر نے واپس آکر حضرت علیؓ کو ساری تفصیل سنائی۔ آپؓ بھی بے حد مسرور اور مطمئن ہو گئے۔ طرفین سے سفیروں کی آمد و رفت ہونے لگی اور صلح کی ساری باتیں طے ہوگئیں۔ دنیا رات کی تاریکی میں ڈوب گئی فریقین اپنے اپنے خیموں میں اطمینان کے ساتھ سو گئے۔ لیکن انھیں پتہ نہیں تھا کہ رات کے اس اندھیرے میں کیا کیا فتنے اُبل پڑیں گے۔

عبداللہ بن صبا جو منافقین کا سردار تھا، وہ فریقین کی مصالحت سے بے چین ہوگیا۔ اس نے اپنے گروہ سے کہا، مسلمانوں کی دونوں جماعتوں میں شامل ہو جاؤ اور مصالحت کا موقعہ آنے نہ دو۔ چنانچہ آدھی رات کے بعد

جب لوگ گہری نیند میں تھے۔ عبداللہ بن سبا کے آدمیوں نے ایک ہی وقت میں مسلمانوں کی دونوں جماعتوں پر حملہ کردیا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے لوگوں سے پوچھا یہ ہنگامہ اور شورش کیسی؟ سبائی گروپ کے کہہ دیا کہ حضرت علیؓ نے آپ کی جماعت پر حملہ کردیا۔

ادھر حضرت علیؓ نے بھی لوگوں سے پوچھا: یہ ہنگامہ اور شورش کیسی؟ سبائی گروپ نے کہا: حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حملہ کردیا ہے۔ رات کی تاریکی میں مسلمانوں کی دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے لڑ پڑیں دشمنوں کی مغالطہ آمیز مکاری اور دھوکہ دہی سے شروع ہونے والی یہ لڑائی صبح تک چلتی رہی اور بیشمار جانیں تلف ہوگئیں۔ خلیفۂ مظلوم حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قصاص میں قتل کرنے کے مطالبہ پر اٹھنے والی یہ تحریک بے شمار لوگوں کے مظلومانہ قتل پر دم توڑ دی۔ آخر کار قعقاع ابن عمر کی کہی ہوئی بات رنگ لاکر رہی اور تاریخ نے دل دہلا دینے والے اس اندوہ ناک حادثہ کو "جنگ جمل" کا عنوان دیا پھر وہ خاموش ہوگئی

جنگ جمل کے بعد جنگ صفین ہوئی۔ حضرت معاویہؓ کے حامیوں نے تحکیم اور ثالث کی بات اٹھائی اور کہا کہ قرآن کریم اس فیصلہ کا تصفیہ کرے گا۔ حضرت علیؓ نے اپنے حامیوں سے کہا یہ تحکیم ایک سیاسی چال ہے۔ اس دھوکہ میں نہ آئیں۔ لیکن حضرت علیؓ کی یہ فہمائش نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی۔ مزید طرفہ طرازی یہ رہی کہ خوارج کے نام سے ایک جماعت وجود میں آگئی۔ جس سے مسلمانوں میں ایک اور فتنہ جاگ اٹھا۔ غرض یہ کہ حضرت علیؓ کو یکے بعد دیگرے فتنے گھیرے رہے۔ ان ہنگاموں اور شورشوں میں تقریباً پانچ سال بیت گئے۔ خوارج جو حضرت علیؓ کے طرف دار اور حامی تھے، وہ آپؓ کے مخالف ہوگئے۔ ان ہی کا ایک فرد عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کی جان لے لی۔ یہ واقعہ جمعرات ۱۵ ر رمضان ۴۰ھ کو پیش آیا۔ حضرت علیؓ کو یقین ہوگیا، اب سفر آخرت سامنے ہے۔ اہل بیت کو جمع کیا اور ان کو مختلف وصیتیں کیں۔ لوگوں نے حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ بنانے کی بات کہی تو فرمایا: نہیں! میں یہ کام تم پر چھوڑتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ (یعنی بغیر خلیفہ نامزد کئے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔)

اگر اللہ تمہارے لئے بہتری کا ارادہ فرمائے گا تو تم میں سے جو مناسب ترین ہوگا۔ اس پر تم کو جمع کردے گا جیسا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب میں بہتر فرد (حضرت ابوبکر صدیق) پر جمع کردیا تھا۔"

(المرتضیٰ: ص ۳۳۸)

۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ روز شنبہ دنیا سے رحلت کر گئے۔ وفات سے پہلے آپؓ نے اپنے صاحبزادوں کو یہ وصیت کی:

"میں تم کو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تمہیں موت اس حال میں آنا چاہئے کہ تم اللہ کے مکمل فرماں بردار بندے بنے رہو۔ تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بازی مت کرو۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ آپسی تعلقات کو درست کرنا، نماز روزہ سے زیادہ افضل ہے۔ قرآن کے بارے میں اللہ تعالےٰ سے ڈرو، قرآن پر عمل کرنے کے سلسلہ میں کوئی سبقت لے جانے والا تم پر سبقت نہ جائے۔ فقراء اور مساکین کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اپنے کھانے پینے میں ان کو شریک کرو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرو۔ ورنہ جو چاہے گا تم پر سرکشی کرنے لگے گا۔ اللہ کے حکم کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مت چھوڑو۔ لوگوں سے بھلائی کی بات کرو، صلہ رحمی کو لازم پکڑو۔ میدانِ جنگ میں پیٹھ پھیر کر مت بھاگو۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور سرکشی کے کاموں میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

پھر اپنے لڑکے محمد ابن حنیفہ سے ارشاد فرمایا: میں تم کو تمہارے حسنؓ اور حسینؓ کے عظمت واحترام کی وصیت کرتا ہوں۔ چوں کہ ان دونوں کا تم پر بہت بڑا حق ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا کہا مانو۔ ان کے حکم کی مخالفت مت کرو۔

پھر حسنؓ اور حسینؓ سے ارشاد فرمایا: میں تم دونوں کو محمد بن حنیفہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ یہ تمہارے باپ شریک بھائی ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا باپ ان سے محبت کرتا ہے تم سب کو میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ تم سب پر اللہ کی طرف سے رحمت وبرکت اور سلامتی ہو۔"

(حبِّ اہلِ بیت: ص ۱۰۳)

حضرت علیؓ کی سیرت وشخصیت بڑی گہری اور وسیع اور ہمہ گیر تھی۔ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ فقہی احکام کے استنباط اور استخراج کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ قرآن اور سنّت کے مواقع اور علوم پر بڑی گہری نظر اور بصیرت حاصل تھی۔ زبان اور قلم دونوں پر قدرت تھی، نبیؐ کریمؐ کے مکتوبات اور فرامین آپ ہی تحریر کرتے تھے۔ خطابت میں بے نظیر اور بے مثیل تھے۔ آپؓ کے قلم سے بے شمار حکمت سے بھرپور

جملے صادر ہوئے ہیں جو ضرب المثل بن چکے ہیں۔ آپؓ کے اندر قضیہ اور واقعہ کی باریکی و پیچیدگی اور اس کے مضمرات ونتائج کو سمجھنے کی غیر معمولی استعداد تھی۔ اپنی رائے کا اظہار اور فیصلہ دوٹوک کرتے تھے اور حق گوئی میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ آپؓ کی اسی فراست و صلاحیت اور صداقت وشجاعت کی وجہ سے حضرات شیخین (حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم) امور خلافت اور فقہی و شرعی احکام اور حدود کے معاملہ میں آپؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمہ میں ان کی رہنمائی کی وجہ سے یہاں تک کہہ دیا: **لولا علیؓ لہلک عمرؓ**: اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہوگیا ہوتا۔

زہد و تقویٰ، عبادت وریاضت، دنیا سے بے رغبتی و آخرت کی فکر وغیرہ میں ممتاز تھے۔

ملّا حسن واعظ کاشفیؒ نے اپنی فارسی کتاب "اخلاقِ محسنی" میں لکھا ہے:

حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے ان سے مل کر کہا: امیر المؤمنین! آپؓ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ نہ دن میں آرام کرتے ہیں اور نہ رات میں سوتے ہیں۔ ایسی مشقت اپنے اوپر روا نہ رکھئے یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا: "اگر میں دن میں آرام کروں تو رعایا ضائع ہوجائے گی اگر رات میں سوجاؤں اور عبادت نہ کروں تو کل قیامت میں میں ضائع ہوجاؤں گا۔"

حضرت علیؓ کو علوم اسرار و معارف میں بڑا درک اور بڑی بصیرت تھی اور آپؓ اس پہلو سے تمام صحابۂ کرامؓ میں ممتاز و منفرد تھے اور تصوّف کے جتنے سلسلے ہیں جن کی تعداد دو سو کے قریب ہے، وہ سب کے سب آپ پر منتہی ہوتے ہیں۔ صوفیاء کے سلاسل کی یہ تعداد سن کر شاید آپ کے دل ہی دل میں سوچ رہے ہوں گے، سلسلے تو صرف قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ و چشتیہ وغیرہ ہی سننے میں آتے ہیں۔ یہ آج غیر معمولی تعداد کہاں سے آگئی؟ شاید کبھی آپ نے اس عنوان سے غور وفکر نہ کیا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ عرب اور عجم میں دو سو سلاسل صوفیاء کے جاری ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان سلسلوں کے نام اور ان بزرگوں کے نام جاننا چاہتے ہوں جن سے یہ سلاسل جاری ہوئے ہیں تو اس موضوع پر حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کی عربی تصنیف "مخزن السلاسل" کی طرف رجوع فرمائیے۔ جس میں انھوں نے ایک سو اکانوے (۱۹۱) سلاسل کو جمع کیا۔ جن میں انھیں بیعت وخلافت کا شرف حاصل رہا۔ حضرت

حضرت علیؓ کی شان میں آنحضرتؐ نے کہا تھا کہ علیؓ شہر علم کا دروازہ ہیں اور اپنی ذاتِ اقدس کو علم کا شہر بتلایا۔ جس سے یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیوض و برکات اور معجزانہ تصرّفات دنیا میں جاری و ساری رہنے کے لئے حضرت علیؓ کی ذات کو مصدر اور منبع قرار دیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حاصلِ کلام ! حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کسی قدر مفصل ہوگیا۔ لہٰذا میں اب اپنی بات کو علامہ ابن کثیر کے اس بیان پر ختم کئے دیتا ہوں جو حضرت علیؓ کی سیاسی پوزیشن اور اخلاقی، دینی حیثیت کو نمایاں کرتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کو حالات نے بہت مکدر کر دیا تھا۔

ان کی فوج میں بے راہ روی تھی۔ اہلِ عراق نے ان کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ ان کے ساتھ تعاون سے کترا رہے تھے۔ ادھر شامیوں کی قوت زور پکڑ رہی تھی۔ اب وہ دائیں بائیں حملے کرتے اور لوٹ مار مچا رہے تھے۔

عراق کے امیر حضرت علیؓ ابن ابی طالب اس عصر میں روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سب سے اعلیٰ و افضل انسان تھے۔ سب سے زیادہ اللہ کی عبادت گزار، سب سے زیادہ دنیا سے بے غرض اور بے رغبت، سب سے زیادہ علم و فضل کے حامل، سب سے زیادہ خوفِ خدا رکھنے والے انسان تھے۔

پھر بھی لوگوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ یہاں تک کہ خود امیر المؤمنین اپنی زندگی سے اکتا گئے اور موت کی تمنا کرنے لگے۔ کہتے تھے :

"یہ (اپنی ریشِ مبارک کی طرف اشارہ کرکے) اس کے (اپنے سر کی طرف اشارہ کرکے) خون سے رنگ دی جائے گی۔" اور بالآخر یہی ہو کر رہا۔ •• (المرتضے: ص ۲۸۰)

ایک اہم فتوے

ادارہ

استاذ محترم حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سابق استاذ دار العلوم لطیفیہ ۔ویلور نے چالیس۴۰ سال قبل ایک سائل کے جواب میں درج ذیل فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ سائل نے دریافت کیا تھا۔کہ

عالم دین اور خلیفہ (سیاست وخلافت یا بیعت وارادت میں) ہونے کے لئے سادات کرام کی مہر ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ عالم اور خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ اور وہ علماء جنھوں نے حضرت منصور علیہ الرحمہ کو پھانسی کا فتویٰ دیا تھا وہ سب جہنمی ہیں؟

اور جو کوئی بھی عالم گیرؒ کو رضی اللہ عنہ کہے تو وہ شخص کافر ہے۔

عالم گیر اپنے بھائی کو قتل کرنے کی وجہ سے جہنمی ہے۔اور قرآن کریم کی رو سے جو شخص مؤمن کو قتل کرے وہ جہنمی ہے۔

استاذِ محترم مرحوم نے اہل سادات کی مہر کی حیثیت اور منصور کے حق میں علمائے کرام کے فتویٰ کی شرعی حیثیت اور عالم گیر کے تبحرِ علمی اور بصیرتِ فقہی پر روشنی ڈالتے ہوئے قتلِ عمد اور خروج و بغاوت کی وضاحت کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ مؤمن کے قتل کو جائز اور حلال سمجھتے ہوئے قتل کرنے والا جہنمی ہوگا۔

عالمگیر کے بھائی کے قتل کو قرآن کریم کی اس آیت ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم کے تناظر میں دیکھنا صحیح نہیں ہے اور عالم گیر کو جہنمی کہنا گمراہی

اور باطل ھے۔

اللہ استاد محترم کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے اور ان کے قلم سے نکلے ہوئے یہ کلمات اُن کے حق میں باقیاتِ صالحات ثابت ہوں۔ آمین!

مدیر: ڈاکٹر حافظ بشیر الحق غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جس شخص کے پاس اہلِ سادات کی مہر نہ ہو وہ عالم نہیں ہوسکتا۔ یونہی اہلِ سادات کی جس کے پاس مہر نہ ہو، وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ عالمِ دین اور خلیفہ ہونے کے لئے اہلِ سادات کی مہر ہو یا اُن کی اجازت ہو کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟

۲۔ زید کہتا ہے کہ (حضرت) عالم گیر کو رضی اللہ عنہ کہنا کفر ہے اور جو کہے وہ کافر ہے۔

۳۔ حضرت منصور رضی اللہ عنہ کو پھانسی کا فتویٰ دینے والے حضرات اور عالم گیر سب کے سب قابل گردن زدنی تھے اور سب جہنمی ہیں اور جہنم میں جائیں گے اور جو عالم گیر کو جنّتی کہے وہ توبہ کرے۔

۴۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ عالم گیر عالمِ دین نہ تھا۔ وہ ایک دنیوی حاکم و حکمران تھا اس کو عالمِ دین کہنا جائز نہیں۔

۵ حضرت عالم گیر کو جہنمی کہنے پر یہ دلیل پیش کرتا ہے۔ کہ قرآن میں ہے وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡہَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ۝ یعنی قتلِ مومن عمداً قصداً کفر ہے اور جو شخص مومن کا قتل کرے وہ بحکمِ قرآن جہنمی ہے۔

اور عالم گیر نے اپنے بھائی کو قصداً قتل کیا۔ اس لئے وہ کافر ہے اور جہنمی ہے۔ اور اپنے باپ کو بھی قید کیا۔ اور اُن پر ظلم کیا۔ اس لئے وہ ظالم اور جابر بھی ہے کیا زید کا قولِ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو زید کے اس قول کا جو اس نے قرآن سے پیش کیا ہے، کیا جواب ہے؟ بینوا وتواجروا۔

السائل

محمد عمران قادری رضوی مصطفوی

الجواب　اللّٰھم ھدایۃ الحقّ والصّواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً درصورت مسئولہ دین میں بڑے بڑے اہلِ علم وفضل گزرے ہیں، بے شمار خلفاء بھی

ہوے ہیں۔ کیا سب کے پاس اہلِ سادات ہی کی مہر و سندِ اجازت تھی۔ حالاں کہ دنیائے اسلام نے انھیں پیشوا اور مقتدا مانا ہے۔ زید کے قول کے مطابق تو اُن کو عالم کہنا ہی صحیح نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ وہ دینی پیشوا ہوں۔ علم کے لئے صالح لیاقت و اہلیت کی ضرورت ہے۔ علوم شرعیہ میں اچھی بصیرت سے حاصل ہو وہ عالم ہے خواہ کسی کا سرٹیفکٹ، تصدیق اور مہر نہ ہو۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ علم سادات کی اجازت و خلافتِ مزید کی برکت و سعادت کا باعث ہو سکتی ہے۔

۲ جو شخص بلا وجہ شرعی کسی کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔ زید پر یہ لازم ہے کہ اپنے قول سے توبہ کرے۔

۳ حضرت منصور رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے والے اُس زمانہ کے جلیل القدر علما و فضلا تھے اور تعجب نہیں کہ انھیں علما نے فتاوی عالمگیر جیسی مایہ ناز کتاب کی ترتیب و تدوین کی ہو۔ ایسے مایہ ناز صد افتخار علما و فضلاء کو جہنمی کہنا کس قدر خباثت اور بد باطنی کی دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ شریعت کا حکم ظاہر ہے۔ ایک شخص زبان سے کلمۂ کفریہ کہتا ہے اسے کافر کہا جائے گا۔ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے زبان سے انا الحق کہا تھا جو کلمۂ کفریہ ہے۔ لہٰذا علماء شرع کے لئے لازم تھا کہ وہ کفر کا فتویٰ دیں۔ اگر ایسا نہ کرتے تو سب علماء مجرم ہوتے۔ چوں کہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ اسلام تھا اس لئے اس پر لازم تھا کہ وہ شرعی حکم کو نافذ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو وہ مجرم ہوتا۔ زید کی عجیب الٹی عقل ہے کہ جو چیز بادشاہ کے لئے قابلِ مدح و ستائش ہے اسی کو وہ قابلِ گردن زدنی قرار دے رہا ہے۔ زید کو چاہئیے کہ اپنی تمام ضلالت آمیز باتوں سے توبہ کرے۔ کسی مسلمان کے لئے قطع و یقین کے ساتھ جنّتی ہونے کا حکم لگانا تو صحیح نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی شخص مسلمان ہو، ساری زندگی مسلمانوں جیسے عمل کئے خلافِ اسلام عقیدہ یا قول و عمل کا ارتکاب نہیں کیا تو اس کے جنّتی ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ کہ یہ سب باتیں جنّتی ہونے کی علامت ہیں۔ کیوں کہ بلا وجہ کسی سے بد ظنی اور بد گمانی رکھنا گناہ ہے۔ قرآنِ کریم میں یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ہ لہٰذا اگر عالمگیر یا علمائے دین یا بزرگانِ اسلام کو لوگ جنّتی سمجھتے ہیں تو غلط نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف سمجھنا خطا کاری اور کجروی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی غلطی سے توبہ کرے۔

۴ اگر عالمِ دین ہونے میں اور حکمران ہونے میں تناقص کی نسبت ہوتی تو تسلیم کرلیا جاتا کہ چوں کہ وہ حکمران تھا اس لئے عالمِ دین نہ تھا۔ اسی طرح کوئی عالمِ دین ہوگا تو وہ حکمران نہ ہوگا۔ کیوں کہ متناقص میں ایک قضیہ کا صدق سے دوسرے کا کذب ضروری ہے۔ حالاں کہ دنیا میں بہت سے لوگ عالمِ دین بھی تھے اور حکمران بھی مثلاً

خلفائے راشدین اور اس کے بعد خلفائے بنو امیہ اور عباسیہ میں بہت سے سلاطین ایسے گزرے ہیں۔ اس طرح عالمگیر بھی حکمران ہوا اور عالم دین بھی تو اس میں کیا قباحت ہے؛ بلکہ درحقیقت وہ عالم دین تھا۔ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ صاحب نورالانوار اور صاحب تفسیر کشاف ان اساتذہ میں گزرے ہیں۔ فتاوی عالمگیری کی ترتیب و تدوین میں عالمگیر بھی اس کے مسائل پر نظر ثانی کر کے اطمینان حاصل کرتے تھے تو کیا اتنی بڑی کتاب کی اصلاح و ترتیب کا کام کوئی جاہل کرے گا۔ نہ معلوم زید کو عالمگیر سے کیوں عداوت ہو گئی ہے اور علمائے اسلام پر لعن طعن کر کے اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے۔

۵ زید کو تاریخ کے صحیح حالات سے واقفیت نہیں۔ شاہجہاں کی علالت کے زمانہ میں خود اس کے چہیتے بیٹے دارالشکوہ نے اپنے باپ کو شاہی محل میں نظر بند کر دیا تھا کسی کو ملاقات وغیرہ کی اجازت نہ تھی۔ دارالشکوہ نے حکومت واقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج آگرہ سے کچھ فاصلہ پر متقرر کر دی تھی۔ کہ جب اس کے دوسرے بھائی دارالحکومت آئیں تو اسے قتل کر دے۔ خصوصاً اورنگ زیب کے خلاف اس کا جذبہ بالکل معاندانہ تھا۔ اب خود سوچئے کہ جارح اور حملہ آور کون ہے اور دفاع و تحفظ کے لئے تلوار کون اٹھا رہا ہے۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو اپنے تحفظ و دفاع کے لئے تلوار اٹھائے وہی ظالم اور جابر کہا جائے۔ عالمگیر کو اس جنگ میں فتح ہوئی۔ لیکن ابھی وہ اطمینان کا سانس بھی نہ لے سکا تھا کہ اس کا دوسرا بھائی شاہ شجاع نے بنگال سے اس پر فوج کشی کی۔ متعدد بار اس نے عالمگیر سے جنگ کی اور ہر بار ناکام رہا۔ آخر کار وہ بے سروسامانی کی حالت میں فرار ہو گیا اور پھر کوئی پتہ نہ چلا۔ تیسرا بھائی مراد بخش تو شروع میں اس نے عالمگیر سے موافقت کی لیکن بعد میں اس کی روش میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ بغاوت و خروج کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، عالمگیر نے حکمت عملی سے اسے بھی قابو میں کر لیا۔ اگر اسی بغاوت کے الزام میں وہ قتل کر دیا جاتا تو اورنگ زیب مورد الزام نہ ہوتا۔ کیونکہ بغاوت و خروج کی سزا ہی قتل ہے۔ مشکوۃ کتاب الامارت میں ہے "من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم ویفرق جماعتکم فاقتلوہ" یعنی جو شخص تمہارے پاس ایسی حالت میں آئے کہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو اور وہ چاہتا ہے کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو"۔ لیکن عالمگیر نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ قید کر دیا۔ پھر ان دونوں کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ دارالشکوہ کے خیالات و نظریات کافرانہ تھے۔ ویدکی تعلیمات سے وہ زیادہ متاثر تھا اس کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ ہندوانہ تصوف کو ہی کو وہ صحیح اور اصلی تصوف کہتا تھا۔

علمائے اسلام نے اس کے اسی ملحدانہ خیالات کی وجہ سے اس کی تکفیر کی تھی اور وہ قتل کیا گیا۔ کیوں کہ ارتداد

Scanned with CamScanner

کی سزا اسلام میں قتل ہے۔

دوسرا بھائی مرآد کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں ایک شخص کو ناحق قتل کر دیا تھا مقتول کے ورثہ نے مرآد پر قصاص کا مطالبہ کیا۔ اورنگ زیب نے مقدمہ قاضئ عدالت کو پیش کر دیا کہ معاملہ کی تحقیق کرکے صحیح فیصلہ کیا جائے۔ چناں چہ عدالت کا فیصلہ ہونے کے بعد عالمگیر نے قصاص کا حکم دیا۔

یہ زید کی عجیب دینداری ہے کہ شرعی حکم جاری کرنے پر عالمگیر کو ظالم وجابر کافر کہہ رہا ہے۔ سچ ہے کہ جب خدا دین لیتا ہے تو عقل بھی سلب کر لیتا ہے۔

زید نے جو آیت ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ ھم جھنم خالدا فیھا استدلال میں پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مومن کو قصداً صرف اس وجہ سے قتل کرے کہ وہ مومن ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا جرم اس کا نہ ہو تو وہ شخص یعنی قاتل دائمی جہنمی ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ مومن کے قتل کو جائز اور حلال سمجھ کر قتل کرے تو ایسا شخص دائمی جہنمی ہے کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں قاتل کافر ہے۔ لہذا سزا دائمی جہنمی ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔ نہ اس نے قتل مومن کو حلال سمجھا نہ مومن ہونے کی وجہ سے قتل کیا۔ بلکہ بلا وجہ کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اس کی سزا دائمی جہنمی نہیں ہے بلکہ ایک طویل مدت تک اس کے لیے جہنم ہے۔ یعنی خلود سے طویل قیام ہے۔ (کتب تفاسیر)۔

اس آیت کا یہ مطلب ضروری ہے کیونکہ کافر ہی کی سزا دائمی جہنم ہے مسلمان خواہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو اس کی سزا دائمی جہنمی نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ شاہد ہے: ان اللہ لا یغفران یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء ہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کے علاوہ اللہ تعالےٰ جس کو چاہے گا مغفرت دے گا۔

دوسری جگہ آیت میں ہے ولا یقتلون النفس اللتی حرّم اللہ الا بالحق ہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حق شرع کی وجہ سے قتل کیا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ بادشاہِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ حدود شرعیہ کو نافذ کرے۔ کیوں کہ وہ صاحب اختیار ہے۔ اورنگ زیب نے وہی کیا جس کا وہ شرعاً مکلّف اور جواب دہ تھا۔

اللہ تعالےٰ عقل سلیم عطا فرمائے اور قبول حق کی توفیق بخشئے ۱۲

کتبہ سید حمید اشرف

مدرس دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز

ترجمۂ مکتوب

مترجم:-
مولانا مولوی
سید حمید اشرف
مدرس
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

مرشد الانام منبع کشف والالہام حافظ القرآن حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف المعروف بہ شاہ محی الدین قادری نقوی المشہور بہ

قطب ویلور قدس سرہ العزیز

قدوۃ السالکین حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف المعروف بہ شاہ محی الدین قادری نقوی المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ نے فارسی زبان میں اپنے مریدین اور خلفاء کے نام متعدد مکتوبات تحریر فرمایا ہے۔ ان مکاتیب میں علمی و فقہی اور عرفانی امور ومسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس زمانہ میں پیدا ہونے والے مسائل اور پیش آنے والے مشکلات کا حل بھی فرمایا ہے۔ بعض امور اور مسائل ایسے ہیں جن کی ضرورت اور اہمیت موجودہ زمانہ میں اسی طرح ہے جس طرح حضرت قطب ویلور کے زمانہ میں رہی۔ حضرت قطب ویلور نے درج ذیل مکتوب جناب امام الدین خان مہکری بج مملکت سلطنت خداداد کے نام فارسی زبان میں تحریر فرمایا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ چالیس سال قبل استاذی محترم حضرت مولانا مولوی سید شاہ حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سابق استاذ دار العلوم لطیفیہ نے ترجمہ کیا تھا۔

مکتوب میں وصیت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور وصیت وھبہ کے درمیان فرق، وصیت کی صحت اور عدم صحت اور اس سے متعلق تفسیری اور فقہی مباحث کی وضاحت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ استاد محترم کو پہلو بہ پہلو جنت نصیب فرمائے اور ان کے چھوڑے ہوئے تحریری سرمایہ کو باقیات صالحات کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلینؐ!

مدیر

ڈاکٹر حافظ بشیر الحق عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ اور دعا وسلام کے ملحوظ خاطر ہو کہ جناب کے مکرر عنایت نامے ۲۱ اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ کے تحریر کئے ہوئے موصول ہوئے۔ خیر وعافیت دریافت کرکے فرحت ومسرت ہوئی۔ الحمدللہ علی ذالک شافی حقیقی ہمیشہ آپ کو صحت مند وتندرست رکھے۔ موسم سرما کی صحت کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں ہے۔ اگر گرمی کے موسم میں بھی صحت اسی طرح برقرار رہے تو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ مختصر یہ کہ صحت کی طرف سے بے فکر نہ رہنا چاہیے بلکہ اپنی پوری توجّہ انہیں تدابیر کی طرف مبذول رکھنا چاہیے جو پہلے تحریر کی گئی ہیں۔

وصیت کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا تھا۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حق جل مجدہٗ نے وصیت کو بندوں پر فرض قرار دیا ہے۔ اور بلاکم وکاست وصیت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ اور آیت کریمہ میں لفظ غیر مضار وصی یعنے مینجر کے حق میں تاکید ہے۔ تاکہ مینجر وصیت اور قرض کے معاملہ میں کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اگر غیر مضار کی نسبت موصی کی طرف یعنی اصل ولی اور مالک کی طرف کی جائے گی۔ تو حکم قرآنی کے خلاف ہوگا۔ نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ موصی یعنی مالک اپنے مال میں تصرف کرتا ہے اور جو شخص اپنے مال میں تصرف کرتا ہے وہ دوسرے کے لئے ضرر رساں کیسے ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ اسے حق ہے وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مضار کا تعلق وصی سے ہے نہ کہ موصی سے۔ لہذا وصیت کو ثلث مال سے نافذ کرنا حکم قرآنی اور عقل انسانی دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن سے تو اس کا ثبوت کہیں نہیں ہے اور اگر مجتہدین کے اجتہاد، مفسرین کی تفسیر اور جمہور کی رائے سے ہو تو قرآن کے خلاف، اجتہادِ مجتہدین و تفسیرِ مفسرین کا کیا اعتبار۔

محبّ مکرم! جواب تحریر کرنے سے پہلے چند باتیں بطور مبادیات جان لینا ضروری ہیں۔

اَدِلّہ شرعیہ چار ہیں: کتابؕ، سنّتؕ، اجماعؕ، قیاسؕ مجتہد۔ اگرچہ قرآن شریف تمام احکام شرعیہ کو جامع ہے۔ لیکن بعض احکام ایسے ہیں کہ طاقتِ بشری ان کے فہم سے عاجز ہے۔ اور اس کا ادراک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایسے احکام کو مخصوص کہتے ہیں۔ آیتِ قرآنی: اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول میں سنّت کے اتباع کا حکم ہے اور بعض وہ احکام ہیں کہ غیر مجتہدین کا فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ وہ صرف مجتہدین کی کوشش اور اجتہاد سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو مجتہدات کہتے ہیں۔ آیتِ کریمہ: فاعتبروا یا اولی الابصار مجتہدین کے اجتہاد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ احکام کی اس قسم میں صحت اور خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے

اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ یہ احکام مبہم رہیں تا کہ ائمۂ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق سخت اور آسان احکام کا استنباط و استخراج کریں اور متورع و غیر متورع اپنی اپنی طاقت کے مطابق تشدید و تخفیف پر عمل کریں اور بموجب اختلافِ العلماء رحمۃ، عوام و خواص سب اللہ کی رحمت کے سزاوار ہوں۔

حدیثِ شریف ہے: الشیطٰن ذئب الانسان ـــ الغنم یاخذ الشاۃ القاصیۃ والناحیۃ ایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ: یعنی جماعت کے ساتھ رہو۔ جماعت کی دوری سے بچو، تا کہ شیطان کے قبضہ میں گرفتار نہ ہو، کیوں کہ شیطان انسان کے لیے بھیڑیے کی طرح ہے۔

دوسری حدیث ہے علیکم بالسواد الاعظم یعنی جمہور کی معیّت کو اختیار کرو۔ مندرجۂ بالا دونوں حدیثیں اجماع اور جمہور کے اتباع پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسی صورت میں مذکورہ تصریحات کی روشنی میں صرف کلامِ باری تعالیٰ پر اکتفاء و اقتصار اور جمہور، اجتہادِ مجتہدین اور تفسیر مفسرین سے استغناء کیسے ہو سکتا ہے۔ فقیر کو آپ کی اس تحریر سے سخت حیرت ہے۔ دل سے سکون و قرار رخصت ہو گیا اور رگِ حیدری پھڑک اٹھی۔ جس سے ناچار مجھے بھی سخت و سُست کلمات لکھنے پڑے۔

سعادت اثر و نیک فرجام! حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات جلد دوم ۵۵ مکتوب میں فرماتے ہیں۔

قرآن مجید عام احکامِ شرعیہ کو بلکہ تمام شرائع سابقہ کو بھی جامع ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض احکامِ شریعت ایسے ہیں جو عبارت النص اور اقتضائے النص سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس کے فہم و ادراک میں تمام اہلِ زبان و لغت برابر ہیں۔ احکام شرعیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اجتہاد و استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کا فہم و ادراک ائمۂ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر ان احکامِ اجتہادیہ کی دو قسمیں ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ چونکہ نزولِ وحی کا زمانہ تھا، لہٰذا اس زمانہ کے احکام اجتہادیہ خطا اور صواب کے درمیان دائر نہیں تھے۔ لیکن جو احکام مجتہدین کے اجتہاد سے حاصل ہوئے ہیں۔ وہ صواب و خطا کے درمیان متردد ہیں۔ لہٰذا زمانۂ رسالت کے احکام اجتہادیہ قطعی و یقینی ہیں۔ جو عمل اور اعتقاد کو مفید ہیں۔ اور زمانۂ وحی کے بعد کے احکامِ اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل ہیں موجبِ اعتقاد نہیں۔

احکامِ شرعیہ کی تیسری قسم وہ ہے کہ طاقتِ بشری جس کے فہم سے عاجز ہے۔ جب تک اللہ رب العزت کی طرف سے ان احکام پر اطلاع نہ کی جائے اس کا فہم ممکن نہیں۔ اس قسم پر اطلاع و اعلام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو ان احکام پر مطلع نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ یہ احکام بھی کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں۔ لیکن ان احکام کے مُظہر پیغمبر

علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا ان کو سنّت کی طرف منسوب کیا گیا۔ جس طرح ائمۂ مجتہدین کے احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کیا گیا، کیونکہ قیاس ہی اُن احکام کا مُظہر ہے۔ پس سنّت اور قیاس دونوں مُظہر احکام ہیں۔ اگرچہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کا احتمال ہے۔ دوسرا اعلام حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں۔

جو لوگ احکامِ اجتہادیہ کے فہم سے عاجز ہیں کلام کی دقّت، پیچیدگی اور خفاء کی وجہ سے مجتہدین کے اجتہاد کو کتاب و سنّت کے خلاف سمجھتے ہیں اور ائمۂ مجتہدین کو اصحاب رائے گمان کرتے ہیں تو یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کے علم و درایت فہم و فراست سے یہ لوگ بے خبر ہیں۔ ان کوتاہ نظروں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنے قصور کو دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور — حاشا للّٰہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ جو دین کے ستون اور اسلام کے سردار ہیں ان کے خلافِ شان زبان پر کوئی حرف لائیں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا و آزار نہ پہنچائیں۔ یریدون یُطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم۔ جو لوگ اکابر دین کو اصحابِ رائے سمجھتے ہیں اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرات مجتہدین کتاب و سنّت کی پیروی کے بغیر فقط اپنی رائے سے حکم لگاتے ہیں تو اس بنا پر اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم ان کے زعم فاسد میں ضال و مبتدع ہوگا۔ بلکہ زمرۂ اہل اسلام سے خارج ہوگا۔ ایسا عقیدہ وہی شخص کرے گا جو جاہل ہو اور اپنے جہل سے بھی بیخبر ہو یا یہ خیال زندیق کرے گا۔ جس کا مقصد احکامِ دینیہ کا ابطال ہے۔ ان ناقص اور کم مایہ لوگوں نے چند حدیثیں یاد کرلی ہیں اور احکام شرعیہ کو اسی میں منحصر سمجھ کر اپنے معلومات کے علاوہ کی نفی کردیتے ہیں۔ ؎

چوں آں کرمے کہ در سنگی نہان است — زمین و آسمان او ہمان است

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی سنّت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے مجمل و متشابہ احکام کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد واضح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ جب قرآن مجید کے معانی میں نزاع، تاویل اور بحث و تمحیص کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے معانی کو سننِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حل کرو۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا طریقہ اور سنّت نبویؐ معانی قرآن

کے فہم اور تعئین میں سند اور دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

علمائے مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام میں تین ہزار حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ سنّت سے ثابت ہیں۔ روافض و خوارج اور دوسرے فرقے جو سنّتِ نبوی کو پس پشت ڈالتے ہیں اور صحابہ کرامؓ سے جو راوی سنّت ہیں بدظن ہیں۔ وہ ان احکام سے محروم ہیں۔ مثنوی: ؎

ہست سنّت رہ جماعت چوں رفیق　　بے رہ و بے یار اُفتی در مضیق

جو لوگ کتاب میزان شعرانی، کتب اصول، تفاسیر، شروح احادیث اور دیگر اہلِ سنّت والجماعت کی کتبِ حقّہ کا مطالعہ کرے گا اُسے معلوم ہوگا کہ اجتہاد کی شرائط کیا ہیں؟ مجتہد کون لوگ ہیں اور انھوں نے احکام ربّانی اور احادیثِ نبوی کی مراد دریافت کرنے کے لئے جس قدر محنت و مشقت برداشت کی ہے جزاھم اللہ عنّا خیر الجزآء۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی سنّت سے اور اجماع و اجتہاد سے جو کتاب و سنّت کے لئے مبیّن و مظہر ہیں اعراض کرتا ہے۔ اور ہر ہر حکم جزئی کا ثبوت قرآن سے چاہتا ہے۔ اس مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے مخصوص ایلچی یا قاصد کے حکم کو ٹھکرا کر بادشاہ کے فرمان کی سند طلب کریں۔ مذکورہ تفصیلات سے یہ واضح ہوگیا کہ جب کوئی حکم قرآن مجید سے معلوم نہ ہو تو پیغمبر کی حدیث اور سنّتِ خیر البشر سے معلوم کریں گے اور جب وہ سنّت سے بھی معلوم نہ ہو تو اجماع، جمہور اور اجتہاد مجتہدین سے دریافت کریں گے۔ اور ان احکام کی تلاش کے لئے کتب تفاسیر، شروحِ احادیث، کتب اصول دیگر کتب اہلِ سنّت والجماعت کا مطالعہ کریں گے اور اس فرقہ کو جو سنّت اور جماعت صحابہ کا پیرو ہے۔ اہلِ سنّت والجماعۃ کہتے ہیں اور فرقہ ضالہ کو جو سنّتِ سُنّیہ، روایات صحابہ کو پس پشت ڈالتے ہیں اور اجماع و مجتہدین کے خلاف قرآنِ مجید میں اپنی ہوا وہوس و خود رائی سے تاویلات کرتے ہیں۔ بہتّر فرقے میں متفرق ہو کر راہِ ضلالت کے رہرو ہوگئے ہیں۔ ان کو بدعتی اور اہلِ ہوا کہتے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ نصاریٰ باوجود اپنی گمراہی کے جمہور یعنی مجارٹی کی متفقہ رائے اور فیصلہ پر عمل کرتے ہیں۔ اپنے علماء و مفسرین کے اقوال کو زمانہ قدیم و جدید میں مرتب کئے گئے ہیں اپنی دستاویز اور سند سمجھتے ہیں اور یہ لوگ باوجود دعویٰ دینداری کے اجماع، جمہور اور اقوال مجتہدینِ و علمائے راسخین کو جو کتاب و سنت سے مستند ہیں طشت از بام کر دیتے ہیں۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

اس تمام طعن وطنز، ردوقدح کے بعد ہم اصل مسئلہ وصیت کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وصیّت تہائی مال سے جائز ہے۔ ورثہ خواہ راضی ہوں یا نہ ہوں۔ تفسیر معالم التنزیل میں آیتِ وصیت من بعد وصیة یوصی بھا او دین میں یُوصٰی کے متعلق کہا ہے کہ اس میں قراء سبعہ کی قرأت مختلف ہے۔ ابنِ کثیر ابنِ عامر اور ابوبکر نے اس کو صیغۂ مجہول کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح آیت میں یُوصٰی ثانیہ کو بھی مجہول پڑھا ہے حفص نے صرف دوسرے کو مجہول پڑھا ہے۔ باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ صٓ کو کسرہ کے ساتھ یعنی صیغۂ معروف پڑھا ہے۔ کیوں کہ سابقہ آیات میں میت کا ذکر ہوچکا ہے من بعد وصیتہ اور من بعد وصیة توصون۔ یہ سب صیغے معروف کے ساتھ ہیں۔ یہ قرینہ ہے کہ یوصی کا لفظ بھی معروف کے ساتھ ہو۔ نیز معالم التنزیل میں غیر مضار کی تفسیر میں ہے کہ میت تہائی مال سے زائد کی وصیّت کرکے ورثہ کو نقصان نہ پہونچائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت ہے۔ امام حسن نے غیر مضار کی تفسیر میں کہا کہ ضرر کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض ادا کرنے کی وصیت کرے۔ حالاں کہ وہ قرض اس کے ذمہ نہ ہو۔ اس طرح وہ دوسرے ورثہ کی حق تلفی نہیں کرسکتا۔ قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالےٰ ضرار کو حیات اور نزع دونوں حالتوں میں ناپسند کرتا ہے اور اس سے ممانعت کی ہے۔

تفسیر مدارک میں یوصٰی بھا اولی اور ثانیہ دونوں صادین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مکّی، شامی، حماد اور یحییٰ سب کی قرأت اسی طرح ہے۔ حفص نے یوصٰی ثانیہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یُورَث جو مجہول کا صیغہ ہے اس کی مجاورت کی وجہ سے اور پہلے یوصٰی کو مکسور پڑھا ہے۔ یوصیکم اللہ کی مجاورت کی وجہ سے باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مدارک میں یہ بھی ہے کہ غیر مضار ترکیب میں حال ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی:

یوصی بھا وھو غیر مضارٍّ لورثتہ وذلك ان یوصیَ زیادةً علی الثلث الوارث

مدارک میں ہے کہ اگر یہ اشکال وارد کیا جائے کہ مجہول پڑھنے کی صورت میں اگر غیر مضار حال مانا جائے تو ذوالحال کہاں ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ ایک اور یوصٰی معروف کے ساتھ مقدر ہوگا اور اس کی ضمیر سے غیر مضار کا حال ہوگا۔ لانّہ لمّا قیل یسبّح لہ عُلِم انّ ثمَّ مسبحًا فاضمر یسبّح۔ اسی طرح تفسیر جواہر اور تفسیر حسینی میں غیر مضار کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ درآں حالیکہ میّت، ورثہ کو وصیّت اور دَین میں نقصان نہ پہونچائے، وصیت کے اندر ضرر کی صورت یہ ہے کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے اور دَین کے اندر ضرر کی صورت یہ ہے کہ کسی کے قرض کا اپنے ذمہ اقرار کرے، جو درحقیقت اس کے ذمہ نہیں تھا۔ الغرض لفظ یوصی میں قرأ کا اختلاف ہے۔ اکثر معروف

پڑھتے ہیں۔ اور بعض مجہول۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ غیر مضار یوصی سے حال ہے نہ کہ وصی سے۔ چنانچہ آیاتِ سابقہ میں یوصیکم اللہ الخ ولکم نصف ماترک ازواجکم الخ ولھن الربع الخ لفظ یوصیکم اللہ، یوصین، توصون اور یوصی اکثر قراء کے نزدیک صیغہائے معروف کے ساتھ ہے۔ ان تمام جگہوں میں موصی اور میت کے سوا اور کوئی دوسرا فاعل نہیں ہے۔ لہذا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ آیتِ زیرِ بحث میں بھی یوصی کا فاعل میت ہے۔ لفظ غیر مضار کو وصی سے حال بنانا جیسا کہ آپ نے تحریر کیا اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ سیاق وسباق آیات کے بھی خلاف ہے۔

نیز حدیث شریف میں حضرت سعد وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ پس یہ حدیث لفظ غیر مضار کے لئے مفسّر و مبیّن ہے۔

نیز ہبہ اور وصیت میں فرق ہے۔ اس لئے کہ ہبہ کے اندر تملیک حالتِ حیات میں ہوتی ہے اور وصیت میں تملیک موت کے بعد ہوتی ہے اور ائمہ کرام اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ ہبہ، عتق، وقف اور مرض موت کے وقت کے تمام عطیات ایک تہائی کے ساتھ معتبر ہیں تو جب مرض موت کے وقت کا ہبہ ایک تہائی کے ساتھ معتبر ہے تو وصیت کیوں کر ایک تہائی سے معتبر نہ ہوگی۔

اگرچہ آپ کا یہ کہنا درست ہے کہ موصی اپنے مملوک میں وصیت کرتا ہے، لیکن یہ واضح ہونا چاہئے کہ محض مملوکیت نفاذ حکم کا موجب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے کا اور مجنون کا حکم اپنے مملوک میں نافذ نہیں ہوتا۔ دانشمند حکام، بے وقوفوں اور فاتر العقل ضعیفوں کے احکام کو ان کے مال میں نافذ ہونے نہیں دیتے۔ مالک کو تصرف کرنے سے باز رکھتے ہیں اور مال کو مالک کی حیات کے باوجود اولیاء و ورثہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر مالکِ حقیقی، موصی کے حکم کو تہائی سے زیادہ نافذ ہونے سے روک دے اور بمقتضائے رحمت، ورثہ کو اس کے ضرر سے باز رکھے تو اس میں کیا تعجب ہے۔ انہٗ ھو الحاکم العلیم والمالک الحکیم۔

یہ بھی واضح ہو کہ وصیت مستحب ہے واجب نہیں۔ آیت میراث کے نزول سے پہلے وصیت واجب تھی جب آیت میراث نازل ہوئی تو وجوب وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اسی وجہ سے اب ورثاء کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے: ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ

جواھر السلوک
تیسواں ۳۰ فائدہ

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ حضرت مولانا مولوی شاہ محی الدین سید عبداللطیف المعروف بہ قطب ویلور علیہ الرحمہ

مترجم: افضل العلماء ابوالمکارم سید شاہ مصطفےٰ حسین بخاری قادری لطیفی سجادہ نشین آستانہ بخاریہ، صاحب مکان ۔ کڈپہ (اے پی)

منہج السالک الی اشرف المسالک کے مترجم شیخ الہند عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر کے آداب بیس ہیں جن میں پانچ ذکر شروع کرنے سے پہلے، بارہ ذکر کے دوران اور تین ذکر سے فارغ ہونے کے بعد ہیں۔

پانچ آداب جن کا تعلق ذکر شروع کرنے سے پہلے ہے وہ درج ذیل ہیں:۔

پہلا ادب: یہ ہے کہ توبہ کرے ۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ ان چیزوں کو ترک کردے، جو خدائے تعالیٰ سے قریب کرنے والی نہیں ہوتی ہیں ۔ اور جن کے بولنے، انجام دینے اور ان کا ارادہ کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے اور ان کے کرگزرنے سے انسان کو بعد میں ندامت اور پشیمانی لاحق ہوتی ہے۔

دوسرا ادب: یہ ہے کہ غسل کرلے یا وضو کرلے۔

تیسرا ادب: یہ ہے کہ (ذکر سے پہلے) آرام اور سکوت اختیار کرے ۔ تاکہ دل خدائے تعالیٰ کے ساتھ اچھی طرح مشغول ہوجائے ۔ اس کے بعد دل سے ذکر کرے اور خدائے تعالیٰ کی یاد کو مستحضر رکھے ۔ پھر زبان سے ذکر اس طرح شروع کرے کہ دل میں خدائے تعالیٰ کے سوائے کوئی خیال نہ رہے ۔ اور دل ودماغ کی موافقت کے ساتھ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے ۔ (یعنی جس طرح زبان پر یہ کلمہ ہو اسی طرح دل میں بھی اس کا مفہوم و معنیٰ جاگزیں رہے۔)

چوتھا ادب: یہ ہے کہ آغازِ ذکر کے وقت دل سے اپنے شیخ کی توجہ کا طالب رہے ۔ جس سے ذکر حاصل کیا ہے اور وقت ضرورت اپنی زبان سے شیخ کو آواز دینا اور اس سے فریاد کرنا بھی جائز ہے ۔

منہج السالک الی اشرف المسالک کے مؤلف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ہمارے لئے

غارِ حرا کے جبرئیلؑ ہیں۔ مبتدی جب ذکر کا آغاز کرے تو شیخ کی صورت کو دِل میں بٹھالے اور اس سے مدد حاصل کرے کیوں کہ شیخ کا دِل اُن کے شیخ کے دِل کے محاذی و مقابل ہوتا ہے اور وہاں سے سلسلہ وار جناب نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم تک ہوا کرتا ہے اور نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کا قلب منوّر حضرت الٰہی تعالےٰ شانہٗ کی طرف ہمیشہ متوجہ ہے اور آپ علیہ والسلام کا دِلِ مبارک ہمیشہ اسی جانب لگا ہوتا ہے۔ جب ذاکر شیخ کی صورت کو اپنے دِل میں اچھی طرح جما لیتا ہے اور اس کے نُورِ ولایت سے مدد چاہتا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ مبارک پر اور آپؐ کے واسطے سے مشائخ کرام کے دلوں پر ترتیب وار تائید و مدد پہنچتی ہے اور آخر میں اس کے شیخ تک یہ تائید و مدد پہنچتی چلی جاتی ہے۔ اس کا دل اپنے شیخ کے دِل سے ذکر کرنے کے لئے توانائی اور قوت حاصل کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے ابتدائی حال میں کسی بچّہ کی طرح ہوتا ہے جس کو تجربہ کاروں کی طرح ہتھیاروں سے کام لینے کا سلیقہ اور طاقت نہیں ہوتی کہ وہ مؤثر کارگر بھی ہوں اور ان سے مقصود بھی حاصل ہو جائے۔ اگرچہ ذکر ذاکر کے ہاتھ میں ایک خدائی شمشیر ہے۔ لیکن یہ شمشیر زنی شیخ کی توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے: اَلذِّکْرُ سَیْفُ اللّٰہِ یعنی ذکر اللہ تعالےٰ تلوار ہے اور اس کے لئے قوت و طاقت نبی السیف صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدد سے حاصل ہوتی ہے ارشاد باری تعالےٰ ہے وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ۔

پانچواں ادب: یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کرے کہ شیخ سے مدد چاہنا درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مدد چاہنا ہے۔ کیوں کہ شیخ نبیٔ اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے نائب اور جانشین ہوتا ہے۔ ذاکر اس اعتقاد کو مضبوطی اور پختگی کے ساتھ اپنے دِل میں جما لے تاکہ رفتہ رفتہ اس باب میں ایقان و یقین کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

دورانِ ذکر جن بارہ (۱۲) آداب کی رعایت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

پہلا (۱) ادب یہ ہے کہ پاک مقام پر چار زانو یا جس طرح نماز میں دو زانو ہو کر بیٹھا جاتا ہے اس طرح بیٹھ جائے۔ صوفیائے کرام کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے اور بعض صوفیائے کرام نے اسی کو بہتر قرار دیا ہے۔ کیوں کہ دِل میں اس وضع کی بیٹھک کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ بعض صوفیائے کرام کا کہنا ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے جس طریقے میں آرام اور دلبستگی ہو اس طرح بیٹھے اور ذکر کرے۔ تنہا ہونے کی صورت میں قبلہ رخ ہو کر بیٹھے۔ اگر جماعت

عہ کے ساتھ ہو تو حلقہ کی شکل میں بیٹھے۔
دوسرا ادب یہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دونوں رانوں کے سروں پر رکھے۔
تیسرا ادب یہ ہے کہ خود کو خوشبوؤں سے معطّر رکھے۔ کیوں کہ ذکر کی مجلسوں میں ملائکہ اور مسلمان جنّ شریک ہوتے ہیں۔
چوتھا ادب یہ ہے کہ حلال کمائی سے بنا ہوا لباس پہنے۔
پانچواں ادب یہ ہے کہ سہولت ہو تو تاریک مقام میں بیٹھے۔
چھٹا ادب یہ ہے کہ آنکھ بند کرلے تاکہ حواسِ ظاہرہ کی راہیں بند ہو جائیں۔ کیوں کہ حواسِ ظاہرہ کی راہوں کا بند ہو جانا' حواسِ باطنہ کے کھلنے کا سبب ہوتا ہے۔ یہ فیضانِ دل کے راستے ہیں۔ اسی سے فیضانِ الٰہی کا ظہور ہوا کرتا ہے۔
ساتواں ادب یہ ہے کہ شیخ کی صورتِ خیالیہ آنکھوں کے سامنے رکھے۔ صوفیائے کرام کے یہاں یہ ایک اہم ادب ہے۔
آٹھواں ادب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں' جلوت و خلوت میں راستبازی اور سچائی کو ملحوظ رکھے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ سچائی ایک ایسی تلوار ہے اس کو جس پر بھی چلائیں کارگر ہوتی ہے اور اس کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔
نواں ادب یہ ہے کہ اخلاص اختیار کرے اور اپنے عمل کو ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک رکھے۔ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ صدق اور اخلاص یہ دو ایسی چیزیں ہیں' جو ذاکر کے مرتبۂ صدیقیت پر فائز کر دیتی ہے۔ راقم الحروف (یعنی مصنفِ کتاب) کہتے ہیں شیخ عبدالوہاب متقی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: صدق اخلاص کا مغز اور اس کا کمال ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ ثواب اور جزاءِ آخرت بھی مدّنظر نہ ہو۔ مصنف منہج السالک الی اشرف المسالک نے ان دو آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مرید کے دل میں جو خیالات خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے سب کو اپنے شیخ سے بیان کرے۔ یہاں پر حضرات صوفیائے کرام نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ باطن پر شیخ کا مطلع ہونا اور اس کے احوال کا اُن پر منکشف ہونا ضروری نہیں ہے۔ البتہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ دل میں جو بھی خیالات و خطرات گزرتے ہیں' سب کو اپنے شیخ سے بیان کرے۔ اگر وہ بیان نہیں کرے گا تو وہ خیانت کرنے والا ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

دسواں ادب یہ ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو ذکر کے لئے اختیار کرے۔ اس کو پوری تعظیم و تکریم قوت اور آواز کے ساتھ کہے۔ ناف اور دونوں پہلوؤں کے درمیان جو نفس ہوتا ہے ان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو نکالے اور اِلَّا اللّٰہُ کو استحضار قلب سے معنوی کے ساتھ دلِ صنوبری تک پہنچا دے حضرت سہیل ابن عبداللہ تستری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ضرب لگاؤ تو حق تعالیٰ کی عزت اور اس کے قدیم ہونے کا دھیان جماؤ اور اس کو ثابت جانو اور یہ یقین پیدا کرو کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب نیست ہے۔

گیارھواں ادب یہ ہے کہ ہر ضرب میں دل کے اندر کلمہ کے معنی کا دھیان رکھے اور جب کبھی احکام بشریت سے اور وساوس سے کوئی بھی چیز پیدا ہو تو اسی وقت زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہے اور دل سے لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) کہے۔ دل کی پژمردگی اور تیرگی کے وقت طلب صفا یعنی اس کے ازالہ کے لئے اور معارف وشوق اور ابدال جیسا ذوق حاصل کرنے کے لئے لَا مَطْلُوْب اِلَّا اللّٰہ (یعنی اللہ کے سوائے کوئی مطلوب نہیں ہے) کہے اور تمام وساوس کو ختم کرتے ہوئے دل سے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ (یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے) کہے اس احساس اور شہود کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ خود ناطق وگویا ہے۔

بارھواں ادب یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذریعہ دل سے خدائے تعالیٰ کے سوا ہر موجود کی نفی کرے۔ تاکہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اثر دل پر ہو جائے اور تمام اعضاء وجوارح میں سرایت کر جائے۔ حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سالک کی کیفیت یہ ہونی چاہیئے کہ جب وہ اللہ کہے تو تالو سے لے کر تلوے تک یعنی سر سے پیروں کی انگلیوں تک سارے جسم میں حرکت وجنبش آجائے اور اس کے رنگ انگ سے مسرت وشادمانی ظاہر ہونے لگے اگر یہ کیفیت اور یہ حال ہے تو سمجھا جائے گا کہ وہ سالک ہے اور توقع ہے کہ وہ اس بلند تر مقام پر فائز ہو جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

وہ تین آداب کی رعایت ذکر سے فراغت کے بعد کی جائے وہ یہ ہیں:

پہلا ادب یہ ہے کہ جب ذکر سے خاموش یعنی رک جائے تو اپنے آپ میں گم ہو جائے اور خشوع پیدا کرے۔ ذکر کی کیفیت اور اس کے اثرات کو دل ونگاہ میں جمائے اور یہ تصور کرے کہ دل کو ایک خاص نور اور

حضوریٔ باری تعالےٰ کی دولت نصیب ہوئی ہے۔ اور تھوڑے ہی وقت میں بہ ویران دِل آباد ہو گیا ہے۔ اس طرح کا تصوّر تیس سالہ مجاہدہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ سانس پر نظر رکھے۔ اسے چند مرتبہ روکے۔ اس سے بہت جلد بصیرتِ خداوندی حاصل ہو گی اور خدائے تعالےٰ کی محبت کے دروازہائے سربستہ وانشگاف ہوں گے اور نفس و شیطان کے پیدا کردہ خطرات وخیالات سے حفاظت ہو گی۔ کیوں کہ سانس کو روکنے اور حواس ظاہرہ کو معطل کر دینے سے انسان کو وقتی طور پر مردہ سے تشابہت ہو جاتی ہے اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ شیطان مردہ انسان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ ذکر کرنے کے بعد پانی نہیں پینا چاہیئے۔ اس سے دِل کی گرمی اور آتش شوق ماند پڑ جاتی ہے۔ جب کہ ذکر سے مطلوب ومقصود تو یہی ہوتا ہے۔ نیز طبّی لحاظ سے بھی پانی پینا ٹھیک نہیں ہے۔ کیوں کہ سخت حرکت ومحنت کے بعد پانی پینا انسان کو مرضِ استسقاء میں مبتلا کر دیتا ہے۔ صاحبِ منہج السالک الی اشرف المسالک کہتے ہیں کہ ذاکر کے لئے چاہیئے کہ مذکورہ تینوں آداب کو اچھی طرح بجا لائے کیونکہ ذکر کا فائدہ انہی تینوں پر موقوف ہے۔ نیز صاحبِ کتاب منہج السالک فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ یوسف عجمی کا ارشاد ہے کہ ذاکر کے لئے ان آداب کی رعایت اس وقت لازم ہے جب کہ وہ باہوش ہو اور اپنے ذکر پر اختیار رکھتا ہو لیکن جب عقل جاتی رہے اور دائرۂ اختیار سے باہر ہو جائے تو اس کے احکام دوسرے ہیں۔ جن کو صوفیائے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں۔

جب ذکر ذاکر کے اختیار سے باہر ہو جائے اور وہ مصلوب الاختیار یعنی بے اختیار ہو جائے تو اس کی زبان سے گوناگوں قسم کے الفاظ نکلنے لگتے ہیں۔ جو حقیقت کے لحاظ سے تمام محمود اور پسندیدہ ہوتے ہیں ایسے وقت میں ذاکر معذور نہیں بلکہ مشکور یعنی قابلِ قدر ہو جاتا ہے۔ یہ تمام وہ اسرار ہیں جو ضبطِ تحریر سے باہر ہیں۔ کبھی اس کی زبان سے اللہ اللہ یاھو ھو اور کبھی لآ لآ مد کے ساتھ۔ لا لا بغیر مد یا آہ آہ یا ہاہا اور اس طرح کے دوسرے الفاظ یا بے حرف بے معنی آوازیں نکلنے لگتی ہیں اور کبھی اچھل کود اور دیوانگی والا فعل اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت خود کو وارد کیفیت کے حوالے کر دے تاکہ وہ اس میں حسبِ منشاء تصرف کر سکے۔ ان وارد کیفیات کے بعد بھی اطمینان اور خاموشی کے ساتھ دوسری وارد کیفیات پر

بھی توجہ دے۔ کبھی صادقین کے ساتھ اس قسم کے حالات کا مشاہدہ ایک ہی مجلس میں ہوجاتا ہے۔ طالب حق کے لئے یہ آداب لازمی ہیں۔ جب تک کہ وہ ذکرِ لسانی کا حاجت مند ہو اور جب اس سے بے نیاز ہوجائے اور ذکرِ قلبی حاصل ہوجائے تو ان میں سے کسی ادب کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ وہ جس کا نفس ابھی بشری تقاضوں اور اس کی آلودگیوں سے رہائی نہیں پایا ہے وہ ذکرِ لسانی اور قلبی دونوں کا محتاج ہے۔ لیکن جیسے بشری تقاضوں سے چھٹکارا حاصل ہوجائے تو اسے ذکر لسانی کی حاجت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کے بشری تقاضے لوٹ نہ آئیں۔ جب بشریت عود کرآتی ہے تو وہ ذکر لسانی کا محتاج ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ بشریت کبھی جاتی ہے اور کبھی آتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی فنا و لبقاء تمام و مکمل ہوجاتی ہے۔ کمالِ فنا اور لبقاء کے بعد بھی بشری تقاضے خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ جس دل پر بشری تقاضوں کا غلبہ ہوتا ہے تو خدائے تعالےٰ کی یاد اور اس کا دھیان جاتا رہتا ہے۔ جس قدر دھیان کم ہوجاتا ہے اسی کے بقدر غفلت اور بشری تقاضے عود کرآتے رہتے ہیں۔ جب دل مصفّٰی اور مزکّٰی ہوجاتا ہے تو ذوق و وجدان کے ساتھ بزرگوں کے سینوں سے وہ علم حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔

وصل (یعنی صاحبِ جواہر السلوک فرماتے ہیں۔ مترجم) یہ ہیں ذکر کے وقت آداب جو کتاب منہج سالک میں بیان کئے گئے ہیں، اسی کتاب میں فضائل ذکر اور اس کے فوائد بھی مذکور ہیں اور وہ مشہور بھی ہیں۔ نیز وہ قرآن شریف و حدیث اور صوفیائے کرام کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ اگر ہم ان کو بیان کرنے لگیں تو بات لمبی ہوتی چلی جائے گی۔ جب کہ اس رسالہ جواہر السلوک کی وضع اقتصار پر رکھی گئی ہے لیکن ہم کچھ اس کتاب (منهج السالك) سے اور کچھ دوسری کتابوں سے چند فائدوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کو شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمۃ کی زبانِ حق ترجمان سے سنا گیا ہے۔ اس میں کچھ ہی باتیں ایسی ہوں گی جو شیخ الہند عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب ”زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین“ میں مذکور ہیں۔ اس کے باوجود منشاءِ الٰہی کے تحت جو باتیں بھی نوکِ قلم پر آئیں گی اس کو بھی تحریر کریں گے۔

فائدہ کتاب منہج السالک میں ہے۔ کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذکرِ لسانی دوسرا ذکرِ قلبی سالک ذکرِ لسانی سے ذکر قلبی کی طرف آتا ہے اس میں مداومت اور ہمیشگی سے بڑی تاثیر ہوا کرتی ہے جب دونوں ذکر جمع ہوجاتے ہیں تو بلاشبہ وہ اتم اور اکمل درجہ پر فائز ہوجاتا ہے۔ اکثر سلاسلِ صوفیائے

یہی ذکر زبانی اور قلبی مشہور و متعارف ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم میں ذکرِ قلبی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مبتدی سالک کو بھی ابتداء میں ذکرِ قلبی ہی کی تلقین کی جاتی ہے۔ گویا ان حضرات نے نہایت (یعنی سب سے آخری مقام جو امر کیا جاتا ہے) اس کو بدایت (یعنی ابتدائی سلوک) میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اس بات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذکرِ قلبی منتہیوں کا کام ہے لیکن یہ حضرات شروع ہی سے اسی راہ (ذکرِ قلبی) پر لے جاتے ہیں۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ منتہیوں پر جو اثرات مرتب ہوں گے وہ مبتدیوں پر نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ ذکرِ لسانی کی ابتداء و انتہاء میں ہوتا ہے۔ لہٰذا بعض نادانوں کا اس کو بعید از قیاس جاننا اور ان کی سمجھ میں نہ آنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بات لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا اس کو جاننے والوں سے دریافت کر لینا چاہیے۔

فائدہ بعض فقہاء کا ذکرِ قلبی کا انکار کرتے ہوئے ذکر کو صرف زبان کے ساتھ خاص کر دینا سراسر زیادتی ہے۔ کیوں کہ ذکر نسیان کی ضد ہے ان دونوں کا تعلق زبان سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔ ہاں! ذکرِ لسانی کے مخصوص احکام و آثار ہیں۔ لیکن قلب کے فعل پر ذکر کا اطلاق نہ کرنا اس کا نام ذکر قرار نہ دینا۔ یہ نہ لغوی اعتبار سے درست ہے نہ شرعی اعتبار سے ٹھیک ہے۔ لیکن جس جگہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکرِ لسانی کو شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور دوسرے اذکار جو نماز وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ نیز اوراد و وظائف بھی اسی قبیل سے ہیں۔ اسی طرح طلاق دینا، کسی غلام کو آزاد کرنا، خرید و فروخت کرنا یہ سب صرف زبانی فعل و عمل ہی حاصل ہوتے ہیں۔ اسی معنی میں فقہاء نے ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی میں فرق کیا ہے۔ اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ فقہاء کی گفتگو کا تعلق انہی ابواب سے ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ میں نے شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ سے ذکر کے ان اقسام، ان کے طریقوں اور اس کے لئے بیٹھنے کی کیفیات وغیرہ جو بعض سلاسلِ صوفیہ میں رائج ہیں ان کے تعلق سے دریافت کیا کہ یہ سب صحیح سند سے، حدیث سے ثابت ہیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ سب مشائخِ کرام کے پسندیدہ اعمال میں سے ہیں۔ اور جس مقصد کے لئے ذکر کو وضع کیا گیا ہے، وہ نفع بخش ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ بعض اذکار جیسے ذکرِ آرّہ وغیرہ جو ذکر کے اصل وضع پر نہیں ہے۔ اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ اور بے اختیاری کے وقت مشائخِ کرام سے ایسا کچھ ہوا ہے اسی کو بعد میں لوگوں نے سند بنا لیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ بعض حضرات کے نزدیک ذکر میں حبسِ نفس ایک قوی اصل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قلب کو روشن کرنے اور سینے کے صحن کو اغیار کے خطوات کے خس وخاشاک سے پاک وصاف کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ سلسلۂ چشتیہ، سلسلۂ کبرویہ اور سلسلۂ شطاریہ میں یہ ضروری اور لازمی ہے۔ البتہ سلسلۂ نقشبندیہ میں یہ لازمی تو نہیں ہے۔ بہتر اور اولیٰ ضرور ہے۔

اس فقیر نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ بہاؤ الدین عمرؒ جو خراسان کے متاخرین مشائخ کبار میں سے ہیں جن سے خواجہ احرارؒ اور مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ جیسے مشہور صوفیائے کرام نے استفادہ کیا ہے ان سے فیضیاب بھی ہوئے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: حبسِ نفس جو ذکر میں کرتے ہیں سندِ صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ یہ سُن کر ان حضرات نے فرمایا کہ آپ خواجۂ بزرگ یعنی خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کے طریقہ کا انکار کرتے ہیں۔ شیخ بہاؤ الدین عمرؒ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد ان کے طریقے کی نفی کرنا نہیں ہے۔ بس ایک بات تھی جو ہم نے کہہ دی ہے۔ شیخ مذکور سلسلہ سہروردیہ سے ہیں۔ شاید ان کے سلسلہ میں ذکر میں حبسِ نفس نہیں ہے۔ انہیں شیخ بزرگ کے موافق حضرت زین الدین خوافی بھی جو سہروردی ہیں کتاب وصایا میں فرماتے ہیں کہ پوری قوت کے ساتھ ذکر کرے، اس طرح کہ اس کی قوت رگ و پٹھے میں سرایت کر جائے اور سانس اس طرح چھوڑے کہ وہ خود بخود نکلے۔ نیز انھوں نے فرمایا کہ ذکر میں حبسِ دم ایسے امور پر مبنی ہے جو اصولِ جوگیہ سے ماخوذ ہے یا جیسا کہ فرمایا: واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ حضرت شبلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "میں اُس شخص کا ہمنشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔" تم نے اس قدر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمنشینی اختیار کی اس سے کیا حاصل ہوا۔ پھر آپ نے ذکر کے فائدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ذکر سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ انس و محبت پیدا ہوتی ہے اور غیر خدا کے ساتھ نفرت و وحشت۔

حضرت ابو عثمان علیہ الرحمۃ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ ہم لوگ ذکر تو بہت کرتے ہیں۔ مگر دل میں اس کی لذت و مٹھاس نہیں پاتے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیجیے کہ قسمت سے تمہارے اعضا سے ایک عضو تو حق تعالیٰ کی اطاعت میں تو لگا ہوا ہے۔

حضرت شیخ ابن عطاء اللہ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ تیرا ذکر سے غافل رہنا زیادہ سخت ہے تیرے ذکر کے اندر

غفلت کرنے سے۔کتاب وصایا میں ایک روایت ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتا ہے اس سے عرش بریں ہلنے لگتا ہے۔کیوں کہ یہ کلمۂ طیبہ بذات خود عالم جبروت سے متعلق ہے اس کو عالم ملک و شہادت سے نسبت ہے اور وہ عالم ملکوت کی طرف بلند ہوتا ہے۔وہ حقائقِ عالم کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا اور نہ اس میں ٹھہرتا ہے۔بلکہ حقائقِ عالم اس سے صادر ہوتے ہیں۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے: وَاِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ: یعنی اسی کی طرف پاک کلمات بلند ہوتے ہیں۔

جو شخص اس کلمۂ طیبہ کو ہر صبح طہارت و پاکیزگی کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ پڑھے گا۔اللہ تعالےٰ اس پر رزق کے اسباب و ذرائع کو آسان کردے گا۔جو شخص سوتے وقت ہزار مرتبہ پڑھے گا، اس کی روح عرش کے نیچے رات گزارے گی۔اس کو اس کی استطاعت کے مطابق غذا ملے گی۔جو شخص نصف النہار کے وقت ایک ہزار مرتبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اندر کے شیطان کو سست اور کمزور کردے گا۔اس طرح جو آدمی ماہِ نو میں داخل ہوتے وقت یعنی شروع مہینہ میں یہ کلمہ پڑھے گا وہ تمام بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔جو شخص کسی شہر میں داخل ہوتے وقت پڑھے گا، وہ اس شہر کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہے گا۔اسی طرح جو شخص پوری توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ پڑھے گا اور اس کو کسی ظالم و جابر کی طرف بھیجے گا تو وہ اس کو پارہ پارہ کردے گا۔جو آدمی اس سے غیب پر اطلاع اور کشف کا تصوّر کرے گا۔اس پر غیب منکشف ہوجائے گا۔

کتابِ اوراد میں بتایا گیا ہے کہ ایک ایسی جماعت تھی جو ہر دن اس کلمہ کو ستّر ہزار مرتبہ پڑھتی تھی۔ اور ایک جماعت تھی جو دن میں تیس ہزار مرتبہ پڑھتی تھی اگر اتنا نہ ہوسکے تو بارہ ہزار سے کم نہ ہونا چاہئے۔ جنّت میں داخل ہونے کے لئے اس کلمۂ طیبہ کو ستّر ہزار مرتبہ پڑھنا اس کی مشہور و معروف خاصیت ہے۔

فائدہ جب کتاب و سنّت میں ذکر آگیا ہے تو اب اس کے لئے کسی دوسری سند اور دلیل کی ضرورت نہیں رہی۔مشائخ کرام کی تعلیم و تلقین بڑی تاثیر رکھتی ہے۔ان کے پاس ایک دلیل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو اس کی تلقین کی تھی جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم میں ذکر کس طرح کروں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور اپنی دونوں آنکھوں کو بند کرلو اور مجھ سے اس کو تین مرتبہ سنو، اس کے بعد تم تین مرتبہ کہو تاکہ میں تم سے سُنوں۔اسی طرح رسول خدا صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم

نے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو تلقین فرمایا۔ حضرت علی مرتضےٰؓ نے حضرت حسن بصریؒ کو تلقین کی اسی طرح یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا۔

فائدہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی صحبت و معیت اور آپ سے ذکر کی تلقین اس زمانہ کے بعض متاخرین مشائخ طریقت کے درمیان مشہور و معروف ہے۔ لیکن علماءِ محدّثین کو اس میں کلام ہے۔ کسی کتاب میں بھی حضرت حسن بصریؒ علیہ الرحمۃ کی روایت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے نہیں آئی ہے۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک اجازت نامہ میں جو اپنے کسی مصاحب کو دیا تھا فرماتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت میں رہے۔ ان سے علم طریقت حاصل کیا تھا۔ حضرت داؤد طائی علیہ الرحمۃ حضرت حبیب عجمی علیہ الرحمۃ کی صحبت میں رہے۔ اور انھوں نے ان سے علم طریقت حاصل کیا تھا۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کی صحبت میں رہے اور ان سے علم طریقت حاصل کیا۔ صحت کے ساتھ جو بات پہنچی ہے وہ یہی ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی صحبت بابرکت میں رہے۔ لیکن یہ روایت صحت کے ساتھ نہیں پہنچی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اسی طرح "فصل الخطاب" میں مرقوم ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنے ایک رسالہ میں ایک مستقل باب کے اندر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے ساتھ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کی صحبت و معیت کو عقلی دلیل سے ثابت کیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت کیا ہے کہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ مدینۂ منورہ سے تشریف لائے تھے۔ اب اس کے بعد کسی قسم کا شک اور احتمال رہ جاتا ہے۔ کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے ملاقات نہیں کی حالاں کہ آپ ہر روز مسجد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں نماز کے لیے حاضر ہوتے رہے ہیں۔

جامع الاصول میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت مدینۂ منوّرہ میں اس وقت ہوئی جب کہ ابھی حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی خلافت کے دو سال باقی تھے۔ اور آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ کی شہادت کے بعد شہر بصرہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ نیز

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دیدار فرمایا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے مدینۂ منورہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ مگر آپ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بصرہ میں دیکھنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بصرہ سے آنے کے وقت وادیٔ القریٰ مقام میں تھے۔ آپ کے آنے تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصرہ سے واپس لوٹ گئے تھے۔ اسی طرح تذکرۃ الاولیاء میں مرقوم ہے۔

ایک روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بصرہ میں ملاقات کرنے کی بھی نقل کی جاتی ہے۔ کہ آپ کرم اللہ وجہہ شہرِ بصرہ تشریف لائے اور سوائے حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کے جو اس وقت جوان تھے، تمام قصّہ گو حضرات اور واعظوں کو آپ نے اٹھادیا اور حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ سے دین سے متعلق کوئی بات پوچھی۔ آپ نے اس کا جواب دیا۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے آپ کے جواب کو مان لیا۔ ان پر کوئی نکیر نہیں کی۔ اس روایت سے بھی حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھنا ثابت ہوتا ہے۔ تلقین ذکر کے لئے صرف دیکھنا اور صحبت اگرچہ قلیل ہو، کافی ہوجاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کے روایت نہ کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طویل صحبت حاصل نہ ہوسکی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ؛

بقیہ مضمون "جواہر القرآن" ص سے آگے

پانے میں ناکام رہ گئے۔

حاصلِ کلام! میں اپنے اس خطاب میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اہلِ بیت کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کردی ہے، جو انھیں کتاب و سنّت سے ملا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے مقام بلند کے مجروح ہونے کے اسباب کی نشاندھی بھی کردی ہے۔ تاکہ اہلِ بیت کے افراد اپنی زندگی کو علم و عمل اور اخلاق کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ جو اس قرابت نبویؐ اور نسبِ محمدیؐ کا تقاضہ ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ اہلِ بیت کے بارے میں ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا نہ فرمائے اور ہمارے دلوں میں اُن کی سچی محبت و الفت ڈال دے اور اُن کے دامن سے دنیا و آخرت وابستہ رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین وآلہ الطیّبین واصحابہ للطاھرین ومن تبعتھم باحسان الیٰ یوم الدّین ٥

جواہر الحقائق

تصنیفِ لطیف ماہرِ علمِ دین شریعت وطریقت، واقفِ رموزِ معرفت وحقیقت
حافظ قرآن مجدّد جنوب حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی
المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ: المتوفی ۱۲۸۹ھ

نوادر الدائق ترجمۂ جواہر الحائق

ترجمہ وتشریح: حضرت علامہ ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللّٰہی شفا ڈسپنسری بنگلور روڈ۔ ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سُبحٰنَكَ لَا عِلمَ لَنَا اِلّا مَا عَلَّمتَنَا اِنَّكَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل　　ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا　　ذکر تیرا روح کی میری شفا

جب زباں پر محمد ﷺ کا نام آگیا　　دوستو زندگی کا پیام آگیا
آپ کی مدح انساں کیا کرسکے　　عرش سے جب درود وسلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لئے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزاروں ہزار بار درود وسلام اس دربار گہربار خلاصۂ کائنات فخرِ موجودات، محسنِ اعظم، فخرِ آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر جن کی بدولت وطفیل اسلام کا بول بالا ہوا اور شرک وضلالت، کفر وجہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمد للہ! زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواھر الحقائق" کی یہ بیسویں قسط ہے جسے ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو کتاب "جواھر الحقائق" کا فائدہ نمبر ہفتم یعنے ساتویں فائدہ کا ترجمہ ہے۔ انشاء اللہ شروع ہو رہا ہے۔

اس ترجمہ کے تعلق سے اتنا عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ ہر اعتبار سے لفظی اور بامحاورہ ہو اور جہاں عبارت دقیق اور مشکل معلوم ہوتی ہے وہاں عبارت کا خلاصہ یا حاصلی ترجمہ کر دیا ہے۔ پھر بھی بعض مقامات پر مشکل اور ادق الفاظ کے افہام و تفہیم میں دشواری محسوس ہونے پر حتی الوسع قوسین کے اندر اس کی تسہیل کر دی ہے۔ جو راقم الحروف مترجم کی طرف سے ایک خفیف اور ہلکا سا اضافہ اور فائدہ ہے۔ اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے، وہاں مترجم کی طرف سے مزید افہام و تفہیم کی ایک ادنیٰ تشریح اور کوشش سمجھیں

زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواھر الحقائق" کی یہ بیسویں قسط، الحمد للہ! درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

۱ عذابِ قبر پر اعتراض -
۲ عذابِ قبر عقلیات اور مثالات سے۔
۳ ذوق و وجدان۔
۴ عالمِ مثال۔
۵ تشریحِ مترجم
۶ طئ مکان و طئ زمان -
۷ تشریحِ مترجم اور فراستِ مومن

شیخ المشائخ حضرت قطب ویلور قدس اللہ سرہٗ نے اپنی کتاب "جواہر الحقائق" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

۷۔ عذابِ قبر پر اعتراض

(یہی حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ) اگر تیرے دل میں یہ بات آئے اور کہے ہم نے تو کافر کی قبر کو مدتوں دیکھا ہے اور اس کا مراقبہ بھی کیا ہے مگر ان باتوں میں سے کوئی چیز نہیں دیکھی (نہ اس کو عذابِ قبر ہوتے دیکھا ہے اور نہ اس کی قبر کو تنگ ہوتے آپس میں ملی جلی اور چپکی ہوئی دیکھا ہے) پھر کس طرح ہم اس مشاہدہ کے خلاف مان لیں گے تسلیم و تصدیق کریں گے (دیکھنے میں بظاہر عام قبروں کی طرح وہ بھی ایک قبر ہی ہے۔ نہ اس میں کشادگی ہے نہ تنگی۔ وہاں عذاب کہاں آیا؟ سزا و جزا کہاں ہوئی؟ پھر کیسے ہم اس پر یقین کر لیں؟ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آگے فرماتے ہیں؛

۲۔ عذابِ قبر عقلیات اور مثالات سے

جان لے یہاں تیرے لئے
تصدیق و تسلیم کی تین مثالیں

بیان کرتا ہوں۔

۱۔ اول جو سب سے زیادہ واضح اور ظاہر بھی ہے۔ اور صحیح بھی اور عقل کے قرین و نزدیک بھی ہے اور مان لینے کے قابل بھی۔ وہ یہ کہ تو اس بات کی تصدیق و گواہی دے کہ سانپ موجود ہے اور میّت کو ڈس رہا ہے۔ جب کہ تو اُسے نہیں دیکھتا ہے۔ وہ تیری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ نظروں سے غائب ہے۔ (پھر بھی تو اس کا اقرار کر اُس کے ممکن الوقوع اور صدور ہونے پر ایمان رکھ کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور یہ عقل سے بعید بھی نہیں بلکہ قرین و نزدیک ہے اور عقل بھی مانتی ہے) کیوں کہ یہ آنکھیں امورِ ملکوتیہ غیب کے مشاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں اور جو کچھ کہ آخرت کے امور سے متعلق ہوتے ہیں وہ عالمِ ملکوتی کہلاتا ہے۔ (اور عالمِ ملکوتی عالمِ لاہوتی سے میل نہیں کھاتا ہے)

کیا تو نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی ذوات و شخصیات پر نظر نہیں کی؟ وہ کس طرح ایمان لائے تھے؛ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے آسمان سے اترنے اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے پر حالاں کہ انھوں نے قطعی طور پر جبرئیل علیہ السلام کو نہیں دیکھا مگر اس کے باوجود وہ ایمان لائے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں اور اس کو دل سے تسلیم و تصدیق کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرئیلؑ کو دیکھ رہے ہیں۔ (اور ان سے بات چیت بھی فرما رہے ہیں۔)

اور اگر تو نے ان باتوں پر یقین نہیں کیا اور ایمان نہیں لایا (تو سمجھ لے کہ) ایمان کی اصل (جڑ اور بنیادی بات تو) فرشتوں اور وحئ الٰہی پر ایمان لانے ہی کو ٹھیک اور سچّا اور صحیح ماننا ہے اور یہی تیرے لئے اہم الاہم اور ضروری بات ہے۔ اور اگر تو نے ان باتوں پر ایمان لایا اور سچّا جانا اور یقین کر لیا کہ اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن باتوں کو دیکھا اور مشاہدہ فرمایا ہے ان کو آپؐ کی اُمّت نے نہیں دیکھا تو ایسی صورت میں میّت کے حق میں عذاب کا جواز کیوں نہیں ہو سکتا؟

جس طرح فرشتے عام آدمیوں اور حیوانوں کی شکل و صورت میں نہیں آتے، اسی طرح سانپ اور بچھو

جو قبر میں (میّت کو) ڈستے ہیں یہ بھی ہماری اس دنیا کے سانپ بچھو کی جنس اور نوعیت سے نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک دوسری جنس ہے جس کا احساس و ادراک بھی دوسرے ہی احساسات و ادراکات سے ہوتا ہے۔

(۲) اب اس کی دوسری مثال (یا مقام سوتے میں سپنا دیکھنے کی سی ہے۔) اور یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب آدمی نیند میں کوئی خواب دیکھتا ہے کہ اسے ایک سانپ نے ڈس لیا ہے تو وہ اس سے بُری طرح پریشان و ہراسان اور غمگین و اداس بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تو نے اسے کبھی حد درجہ پریشانی کی حالت میں دیکھا ہوگا۔ اس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر پسینہ آگیا ہوگا اور وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا اور بھاگنے کی کوشش کرے گا اور یہ سب کچھ بنفسہ محسوس ہو رہا ہے اور اس سے تکلیف اور اذیت بھی پہنچ رہی ہے۔ جس طرح جاگتے ہوئے ہوتی ہے اور سونے والا اس کا اچھی طرح مشاہدہ کر رہا ہے اور تو اس کے ظاہر جسم کو دیکھ رہا ہے کہ وہ تو بس خاموش پڑا خراٹے مار تا سو رہا ہے۔ نہ اس کے جسم میں کوئی حرکت ہے نہ اس کے آس پاس اور بازو میں کوئی زہریلا سانپ ہے نہ بچھو۔

(پھر بھی وہ اس قدر پریشان اور حواس باختہ ہے اور گھبرا کر اٹھتا ہے، کبھی سینہ دھڑکنے لگتا ہے اور سانس پھولنے لگتی ہے۔ اور اس کے تصوّر و خیال ہی سے خوف و ہراس کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ہم نے بعض بچّوں کو روتے اور چلّاتے ہوئے اٹھتے بھی دیکھا ہے۔ اور بظاہر وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔)

حالاں کہ اس خواب دیکھنے والے کے حق میں وہاں سانپ بھی موجود ہے اور عذاب بھی اور چوں کہ یہ تیری نگاہ سے اوجھل ہے پوشیدہ ہے۔ (اس لئے تو اس کا انکار کرتا ہے اور ایک ممکن الوقوع کو ناممکن سمجھتا ہے۔ اور یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب سانپ کے ڈسنے پر تکلیف و اذیت محسوس ہوتی ہے تو پھر یہ تکلیف و اذیت بھی خواہ وہ اصلی سانپ کی وجہ سے ہو یا تخیلی اور تصوری سانپ کے سبب سے ہو۔ دونوں کے درمیان کیا فرق رہ جاتا ہے؟

(۳) اب اس کا تیسرا مقام یا مثال یہ ہے کہ تو یہ اچھی طرح سے جانتا ہے کہ سانپ اپنے طور پر بنفسہ تکلیف دہ اور اذیت دینے والا بھی نہیں ہے۔ ہاں! اس کا زہر البتہ ایذا پہنچانے والا اور تکلیف و نقصان پہنچانے والا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا یہ زہر ہی دراصل جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ (جب کہ سانپ حقیقت میں بنفسہ جان لیوا نہیں ہے۔) پھر یہ زہر بھی (نہ صرف بظاہر محض) تکلیف دہ، خطرناک اور اذیت ناک ہی نہیں بلکہ وہ ایک طرح کا عذاب بھی ہے جو زہر کی صورت میں تجھے پہنچ رہا ہے۔ (سو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ) جب بغیر کسی زہر کے اس جیسے اثرات اگر مرتب ہوں اور حاصل ہوں تو وہی عذاب کہلاتے ہیں۔ جو پوری طرح اثر انگیز بھی ہیں اور خطرناک بھی (یہاں بظاہر دو صورتیں پیش آتی ہیں۔ ایک

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دحیۂ کلبیؓ کی شکل و صورت میں تشریف لانا (جو حضرات صحابہؓ میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوب صورت تھے۔ یہ سب خرق عادات، واقعات و حالات ہیں جو عالم مثال سے تعلق

رکھتے ہیں ۔ اور عالمِ استدلال استدلال اور اس کے حقائق بحث و مباحثات یہ سب جھگڑوں اور مناقشات سے خالی نہیں ہیں ۔ (کیوں کہ یہ سادہ لوح حضرات کی سمجھ سے باہر کی باتیں ہیں ۔)

۸۔ تشریحِ مترجم اور فراستِ مؤمن

یہاں صاحبِ کتاب "جواہر الحقائق" شیخ المشائخ حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف صاحب قادری بیجاپوری ثم ویلوری قدس سرہٗ العزیز نے ایک مبہم طور پر اشاروں اور کنایوں سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ بعض اولیاء اللہ حج کے دنوں میں اپنی بستی میں رہتے ہوئے بھی حج کے ایام میں وہ حرمین شریفین میں حاضر رہتے ہیں ۔ خود ان کا اپنا بھی یہی عمل تھا ۔ یہ انتہائی عجز وانکساری اور خود کو چھپانے کی خاطر حضرتؒ نے عمومی طور پر اس کو بیان فرمادیا ہے ۔ حالانکہ یہ واقعہ خود حضرتؒ پر صادق آتا تھا مگر اس کے باوجود حضرتؒ نے یہاں اس کو ظاہر ہوتے نہیں دیا ۔

روایت ہے کہ آپ حج کے پانچ دن یہاں سے اچانک غائب ہوجاتے تھے ۔ پھر پانچ دن بعد حضرت حسبِ سابق اپنے مکان میں موجود رہتے ۔ اس دوران کعبہ شریف زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً واجلالاً میں جب کوئی جان پہچان آدمی حضرتؒ سے ملاقات کرتا اور پوچھتا بھی تھا کہ حضرتؒ آپ کب تشریف لائے ؟ تو آپ اس کو یہ تسلی دے کر خاموش کردیا کرتے تھے کہ کل آیا یا پرسوں آیا ۔ اور وہ اس پر بھی حیران رہتا ہے کہ آخر کس جہاز سے حضرتؒ نے سفر کیا ہوگا ؟ حالاں کہ یہاں جہاز وہاز کچھ نہیں تھا ۔ یہی خرقِ عادت طے ارض کا جہاز ہی تھا ۔

غرض اس شخص کے وطن آنے کے بعد ہی یہ راز فاش ہوا ۔ اور لوگوں کو حقیقتِ حال کا علم ہوا کہ یہی خرقِ عادت ہے ، طے ارض ہے اور یہ حضرتؒ کا تصرف ہے ۔ نیز اس سے طے زماں اور طے مکان کی حقیقت بھی واضح ہوئی ۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ خدا نے اپنے بندوں میں سے بعض کو وہ قوت عطا کی ہے جو ایک شب اور روز میں مکۂ معظمہ زادھا اللہ شرفاً واجلالاً پہنچ کر لوٹ بھی آتے ہیں ۔ اور بعض ایک لمحہ میں یہ فاصلہ طے کرلیتے ہیں ۔ ان کے حق میں کبھی زمین گھٹ کر مختصر ہوجاتی ہے جسے طے ارض اور طے مکاں کہتے ہیں اور کبھی طویل وقت گھٹ کر مختصر بن جاتا ہے جسے طے زماں کہتے ہیں ۔

چناں چہ حضرت غوث اعظم قطبِ ربانی محبوب سبحانی شیخ لاثانی شہبازِ آسمانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کے متعلق آتا ہے کہ وہ ہر رات بغداد سے شہر موصل پہنچ جاتے تھے ۔ جبکہ بغداد سے موصل کا فاصلہ

کوئی سات آٹھ سو کلو میٹر ہے اور یہ اس قدر طویل فاصلہ ہے بس سات آٹھ منٹ میں طے فرمالیا کرتے تھے۔ یہاں مشائخ اور اقطاب کی مجلسِ مشاورت قائم ہوتی تھی اور اس کے اندر اقطاب و ابدال کے تبادلوں پر غور و خوض اور ان کے انتظامی امور پر گفت و شنید ہوتی تھی۔ جو حضرت غوثِ پاکؒ کی سرپرستی اور زیرِ نگرانی و صدارت منعقد ہوتی تھی۔ یہی طے ارض و طے مکان کی مثال ہے۔

اور طے زمان، جس میں زمانہ اور وقت گھٹ کر انتہائی درجہ مختصر ہو جائے۔ اس کی مثال کے لئے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وہ واقعہ ہے۔ جس میں آپؓ نے اپنا ایک قدمِ مبارک گھوڑے کی رکاب پر رکھا اور دوسرا قدم دوسری رکاب پر رکھنے تک پوری سورۂ بقرہ ختم فرمادی۔ یہ ہے طے زمان (وقت کا گھٹ جانا) اور کبھی بعض حالات میں یہ حضرات اگر چاہیں تو وقت مختصر ہونے کی جگہ طویل بھی بن جاتا ہے۔ چناں چہ یہ واقعہ بھی حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ ہی کا آتا ہے کہ انھیں بعض غیر معمولی مصروفیات نے ایسا مصروف بنا دیا، جس کی وجہ سے ان کی عصر کی نماز فوت ہونے کے قریب ہوگئی اور آفتاب غروب ہوتے رہ گیا۔ فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آفتاب سے مخاطب ہو کر قسم کھائی کہ قسم ہے خدا کی جس نے تجھے اور مجھے پیدا کیا تو اپنے اس غروب ہونے کے فعل سے رک جا۔ جب تک میں عصر کی نماز ادا نہ کرلوں غروب نہیں ہونا۔ چناں چہ وہ غروب ہوتے ہوتے رُک گیا بلکہ اُفق پر شفق پھر سے اُبھر آئی۔ حضرت نے نماز ادا کی، پھر وہ غروب ہوا۔ اور اسی خرقِ عادات کرامات کے ظہور پر حدیث میں آتا ہے: رُبَّ اَشْعَثَ رأسٍ لواقسم علی اللّٰہ لاَبَرَّہٗ۔

لگے ہاتھ ایک اور واقعہ بھی عرض ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہیں۔ اور عین خطبہ کے وقت میں دل میں یہ خیال آیا کہ صحابہؓ کی ایک جماعت جو حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں غالباً ملک روم یا شام روانہ کی گئی تھی اب اس کی کیا حالت اور پوزیشن ہے؟ یہ خیال جیسے ہی آپؓ کے دل میں آیا۔ درمیان کے سارے حجابات منجانب اللہ چھٹ گئے دُور ہوگئے۔ اب جنگ کا نقشہ اور منظر حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اس پر درمیان خطبہ ایک بے ربط و بے تعلق بات حضرت امیر المؤمنین خلیفہ عمر فاروق رضی رضی اللہ عنہ کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلی "یَاسَارِیَۃَ الْجَبَلْ، یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلْ" اے ساریہؓ پہاڑ کو ڈھال بنالو اور پہاڑ کو لازم پکڑو۔ اس بے ربط جملہ کے بعد پھر بیان کا سلسلہ جاری رہا۔ درمیان میں یہ جملہ

بلا وجہ ایک بے تعلق اور بے ربط نکل گیا تھا۔ جسے حاضرین خطبہ نے محسوس کیا اور نہیں سمجھا کہ یہ بات درمیان میں آخر آئی کیوں ہے؟ ۔غرض حضرت ساریہؓ نے جب اس آواز کو سنا تو اسی وقت اچھی طرح پہچان لیا کہ یہ آواز حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کی ہے ۔چناں چہ ان کی اس ہدایت پر عمل کیا گیا اور چند صحابہؓ کو پہاڑ پر متعین فرمایا جس سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا ۔پھر فتح و نصرت شامل حال ہوئی۔

جنگ سے واپسی پر ان حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا : اے امیر المؤمنین! ہم نے جمعہ کے دن آپؓ کی آواز سنی اور اس پر عمل کر کے الحمد للہ! فاتح و کامیاب اور سرخرو ہوئے ۔ ...... اب اس پر خود ہی غور کیجئے کہ وہاں نہ تو کوئی وائرلیس تھا نہ ریڈیو، نہ لاؤڈاسپیکر تھا نہ فون ۔جو آواز کو دور تک پہنچا سکے اور نہ کوئی ٹیلی ویژن تھا نہ انٹرنیٹ مگر ان سب مادی طاقتوں کے بغیر ہی حضرت کی روحانی طاقت دیکھئے کہ اس قدر دوری اور مجبوری کے باوجود بھی اپنی فراستِ ایمانی، قوتِ روحانی اور نور یزدانی سے بآسانی بھانپ لیا اور جنگ کے حالات دیکھ لئے اور ساتھ ہی کچھ ضروری ہدایات بھی کر دیئے ۔ اسی طاقتِ نورانی کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ اتّقو فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله ٥ مومن کی فراست و بصیرت سے ڈر کیوں کہ وہ اللہ کے نور کے ذریعہ دیکھتا ہے ۔ جسے حضرات صوفیائے کرام نے بصارت سے نہیں بلکہ بصیرت سے تعبیر کی ہے ۔ان ہی باتوں کو خوارق عادات کہتے ہیں ۔جو یقیناً عادت کے خلاف کبھی خلاف توقع پیش آجاتے ہیں۔

اب خود ہی ذرا غور فرمائیں کہ دنیائے سائنس کا ایک انسان اپنے ان مادی وسائل و ذرائع کے ذریعہ اس قدر ترقی اور بامِ عُروج پر پہنچا ہوا ہے کہ سب کی عقلیں حیران و دنگ رہ جاتی ہیں ۔ٹھیک آج سے چودہ سو تیس سال (۱۴۳۱ھ) پہلے، جب اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب لوگوں کی رسائی آسمانوں تک ہوگی تو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے ذہنوں میں نہ گزری اور یہ بات سمجھ میں نہ آئی ۔اس لیے انھوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اس وقت ان کے پر لگے ہوں گے؟ جس کی مدد سے اڑنے لگیں گے ۔

فرمایا کہ : نہیں۔ پر تو نہیں لگیں گے ۔البتہ وہ لوگ مادیات میں اس قدر ترقی کریں گے، جن کے ذریعہ وہ ہواؤں میں پرواز کریں گے ۔ آج پندرھویں صدی ہجری چل رہی ہے ۔اُس وقت سائنس اتنی ترقی پر نہیں

تھی۔ جو اس وقت موجود ہے۔ اس لئے صحابہؓ کا حیرت و استعجاب میں پڑ کر سوال کرنا بجا تھا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ جو جس قدر لطیف ہوتا ہے اسی قدر اس کی لطافت و طاقت بھی قوی سے قوی تر اور عظیم سے عظیم تر ہو جاتی ہے۔ چوں کہ دنیا میں مادیات کثیف ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کی طاقت میں کثافت موجود ہوتی ہے۔ پھر غور فرمائیں کہ اس کثافت اور ثقالت کے اندر بھی اتنی ترقیات ہو گئی ہیں کہ ایک باریک بال جیسی برقی تار ہزاروں لاکھوں ٹن وزنی اشیاء ادھر نی کے ساتھ اٹھا کر رکھ دیتی ہیں۔ جہاں بٹن آن کیا وہیں ہزاروں ٹن وزنی اشیاء ادھر سے اُدھر پہنچ گئیں۔ چوں کہ لوہا اور پتھر ثقیل اور کثیف چیز ہے اور اس کے مقابلہ میں باریک برقی تار لطیف ضرور ہے اس لیے اس کے اندر بھی پاؤر زیادہ ہے اور لطافت ضرور ہے۔ جس کے نتیجے میں ثقیل سے ثقیل کثیف سے کثیف چیز بھی ماند پڑ جاتی ہے اور اس کے حکم پر ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

نیز اسی لطافت کا یہ کرشمہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت و دُوری اور فرقت و مہجوری اور دریاؤں، پہاڑوں جیسے زبردست حجابات کے باوجود بھی ایک برقی تار کی طاقت و زور سے انٹرنیٹ کے ذریعہ دُور کا آدمی بھی نظر آتا ہے اور اس کی آواز بھی سنائی دیتی ہے اور امریکہ اور جاپان اور دنیا کے سارے ممالک بھی دیکھے جاتے ہیں۔ تو آج اس پر کسی کو شک نہیں ہو رہا ہے۔ اگر شک ہو رہا ہے تو صرف روحانیات پر ہو رہا ہے۔ جب کہ یہ روحانیات یقیناً مادیات سے ہزار درجہ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہیں۔ ان کے اندر کس قدر طاقت ہو گی؟ اور کتنی لطافت ہو گی اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔

مذکورہ بالا واقعات و حالات طے ارض، طے مکان اور طے زمان وغیرہ اسی روحانی طاقت کے شاہدِ عدل ہیں اور کیا؟ (تشریح ختم)

تمّت الترجمة المشتملة جزء من بعض فائدة السابعة من كتاب جواهر الحقائق بعون الله تعالى وقدرته في عشر جمادى الثانية سنة ١٤٣٠ھ من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف صلوٰة و تحية مطابق ٥ جون سنة ٢٠٠٩ء في يوم الجمعة قبل صلوٰة الجمعة و سيشرع ترجمة القسط العشرين ان شاء الله تعالى في السنة الآتية

یہ کہ ظاہر میں سانپ ہی ڈسے اور دوسرے یہ کہ سانپ تو موجود نہیں مگر اس جیسی شکل وصورت میں خیالات وتصورات میں واقعہ پیش آئے تو یہی عذاب کہلاتا ہے۔ جو یقیناً جسم سے زیادہ روح کو ایذاء پہنچانے والا ثابت ہوتا ہے جو تکلیف دہ بھی ہے اور اذیت ناک بھی۔ وہ جسم کو تکلیف دیتا ہے تو یہ روح کو تکلیف پہنچاتا ہے۔

۳۔ ذوق و وجدان

پھر عذاب کی اس نوعیت وقسم کی تعریف وتشریح بھی ناممکن ہے۔ اسے زبان وقلم سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ یہ ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے۔ جو تحریر وبیان سے باہر ہے۔ ع

ذوق ایں مئے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اسی کو کہتے ہیں۔) اور عادت کے اعتبار سے اط سے کسی کو جس جانب اضافت کیا جاتا ہے اسی جانب اور زاویہ سبب سے پہچانا بھی جاتا ہے۔

چناں چہ جب انسان کے اندر خواہش ولذت کا مادہ ودیعت کر دیا گیا ہے تو یہ مادہ صحبت اور مباشرت کے بغیر بھی سوتے جاگتے ہوئے پایا جاتا ہے اور اس کا وقوع ہوتا ہے اور اچھی طرح محسوس کرتا ہے۔ (اور محض اپنے دل کے اندر گندے خیالات کے تصورات سے بھی کسی نامحرم کو گھور کر لطف اندوز ہوتا ہے۔)

لیکن اس کی تعریف زبان وقلم سے ممکن نہیں ہے کہ یہ لذت کس قسم کی ہے؟ اور اس میں کیا مزہ آتا ہے؟ ہاں! اس کے وقوع وصدور کی طرف اضافت کرنے سے کیسی قدر پہچانی جاسکتی ہے۔ (مگر وہ بھی پوری نہیں آدھی بلکہ اس سے بھی کم۔ مثلاً فرض کرو کسی کو کبھی عمر بھر درد نہیں ہوا تھا۔ اب اسے سمجھانے لگیں کہ سر کا درد یا پیٹ کا درد اس طرح ہوتا ہے تو بھلا وہ کیا سمجھ سکے گا؟ ساری دنیا کے لوگ مل کر سمجھائیں مگر وہ نہیں سمجھ سکے گا۔ درد کیا چیز ہے؟ اور کیسا ہوتا ہے؟ اس کے سمجھانے سے سب عاجز ہو جائیں گے قاصر رہیں گے۔ کیوں کہ یہ ایک ذوقی چیز ہے۔ اسے اپنے ذوق اور وجدان سے پہچانا جاتا ہے۔ نہ کہ قلم وزبان سے۔)

اگر چہ یہاں سبب، کی ظاہری شکل وصورت نہیں ہے۔ (یعنی کوئی عورت تو نہیں مگر اس سے خواب میں مباشرت وغیرہ کے ذریعہ) جو ثمرات اور پھل (احتلام کی شکل میں) میسر ہوا ہے اور اس سے جو لذت میسر ہوئی ہے وہی اس کا ثمر اور پھل ہے۔ حالاں کہ وہاں سبب کی کوئی صورت وشکل موجود نہیں ہے پھر بھی یہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، لذت اور مزہ پاتا ہے اور حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اصل میں سبب ہی مراد ہے۔ ثمرات کے مرتب ہونے کے لئے

لذت کے لئے نہیں۔

اور یہی ہلاک کرنے والی صفات مہلکات، موذیات (تکلیف اور اذیت دینے والی اور مُولمات (رنج وغم پہنچانے والے جب موت کے وقت نفس پر وارد ہوتے ہیں تو ان کی تکلیف اور اذیت بھی سانپوں کے ڈسنے کی تکلیف و اذیت کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ جب کہ وہاں بظاہر کوئی سانپ وغیرہ موجود نہیں ہوتے ہیں۔ (یہاں تک حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا کلام ختم ہوا۔)

حضرات صوفیاءؒ نے (نزع کے وقت کے) اس عالم کا ثبوت اپنے کشف کے ذریعہ دیا ہے اور اپنے اسی مکاشفہ سے اس کو ثابت کیا ہے۔ (اور اس کی حقیقت واضح کی ہے۔) اور حکمائے اشراقیین (یعنی معلم اول حکیم ارسطو جسے حکیم ارسطاطالیس بھی کہتے ہیں سکندر بادشاہ کا وزیر اعظم اور استاد تھا اور اس کا استاد افلاطون اور اس کا استاد حکیم سقراط اور اس کا استاد حکیم فیثاغورث اور اس کا استاد حکیم انباذقلس ہے جس نے حکیم لقمان کے واسطہ اور ذریعہ سے حکمت وفلسفہ کے مراتب وعلوم حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے سیکھے ہیں۔)

غرض ان حکمائے اشراقیین کے بعض حضرات نے بھی اس نزع کی کیفیت وحالت اور اس (آخرت کے) عالم کا ثبوت اپنے مکاشفہ سے (متعدد طریقوں سے) دیا ہے۔

چناں چہ (۱) مثلاً بعضوں نے اس عالم کے اثبات میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ ہمارے ذہن میں جو صورت یا شکل اپنے خیالات وتصورات سے مشاہدہ میں آتی ہے اور نظر آنے لگتی ہے وہ حقیقت میں معدوم ومفقود بھی نہیں اور کوئی خالص چیز بھی نہیں۔

۲۔ اور نہ وہ مادیات کے عالم سے تعلق رکھتی ہے اور یہ ظاہر بات ہے۔

۳۔ اور نہ وہ عقلیات کے عالم سے تعلق رکھتی ہے اس لئے کہ وہ مقدار کی ذات سے متعلق ہے۔

۴۔ اور نہ وہ چیز دماغی اجزاء کے نقش وتصویر میں آنے کے قابل ہے۔ کیوں کہ ایک بڑی چیز کا نقش و شکل چھوٹی چیز کے اندر داخل ہونا سمجھا جانا مانع بنتا ہے، روکتا ہے (مشکل ہے) مثلاً ایک پہاڑ کی شکل وصورت کا اپنے تصورات میں لانا اور خیال کرنا ہے اور ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ خارجی طور پر موجود بھی ہو اور اپنی ذات کے لحاظ سے وہ قائم بھی ہو اور یہاں یہی مطلوب بھی ہے۔

۴۔ عالمِ مثال

اور اسی طرح بعض حضرات نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ

(۱) صور مرئیہ (دیکھی جانے والی صورتیں) آئینہ میں جو صورت نظر آتی ہے وہ (حقیقت میں) اس کے اندر موجود نہیں ہے۔ ورنہ یہ ہمارے بیان میں اختلاف ہی کیوں پیدا ہوتا؟ اور دیکھنے والی جگہوں میں جب اختلاف ہوتا ہے تو تجربہ اور عینی مشاہدہ میں بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

بلاشبہ جو شخص دیکھتا ہے آئینہ کی سیدھی جانب تو وہ دیکھے گا اس جگہ کو اور اس کے بائیں طرف نہیں دیکھے گا۔ اور یہ اس لئے کہ جب آئینہ کی سطح اور ہمارے چہرہ کے درمیان اگر ایک ذراع (ایک ہاتھ) کا فاصلہ ہے اور ہم نے اس کو ہماری انگلی سے چھو کر دیکھا تو آئینہ کی سطح پر انگلی کا سرا اور اپنے چہرہ کے درمیان کچھ فاصلہ اور دوری بھی موجود ہے اور اس سے آئینہ کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ یعنے اس کی گہرائی کی انتہاء کا علم نہیں ہو سکتا۔

(۲) اور (یہ عالم) بصارت کے اعتبار سے ایک بڑے جسم کا چھوٹے جسم میں سمو جانے کے حق میں مانع بھی نہیں ہے۔

(۳) (و نیز یہ عالم) شعاعوں کا عکس بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ شعاعوں کا قول بہت سارے اسباب و وجوہات کی بناء پر باطل ہے۔

(۴) اور نہ اس کا تعلق ہوا (اور اس کے ذرات) سے ہے۔ اس لئے وہ ہوا صاف شفاف ہے۔ اس کے اندر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی ہے۔

(۵) اور نہ (یہ عالم) عالم عقول میں داخل ہے (اور نہ اس سے تعلق رکھتا ہے) یعنے وہ جو مادہ سے مجرد ہو اور مادہ سے خالی ہو ایسا بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس مادہ کے لیے ذوات مقدار یہ موجود ہے (جو نافع ہے اس کے لئے) اور (حقیقت یہ ہے کہ) مجردات ایسے نہیں ہوتے ہیں۔ ہاں! کبھی ضرورت پر یہ زمین کے کسی زاویہ اور گوشہ میں پڑے رہتے ہیں (یہی وہ گوشہ زمین ہے) جیسے عالمِ مثال و خیال کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح سے وہ صورتیں (خوابیں) جو نیند کی حالت میں پیش آتی ہیں اور سپنوں میں نظر آتی ہیں یا جاگتے میں تصورات و خیالات کا آنا بھی اسی قسم میں داخل ہے بلکہ بعض امراض میں بھی اس کا عینی مشاہدہ ہے۔ جیسے مرض برسام و سرسام کے مریضوں میں پایا جاتا ہے اور نیز خوف و خشیت کے غلبہ کے وقت بھی اس قسم کی کیفیت اور حالت پیش آتی ہے۔ (جو اسی حکم میں داخل ہے) اور ایسی صورتوں کے بھی مظاہر ہیں۔ چناں چہ دیکھنے والی صورتوں کا مظہر مرئیات ہے اور خیالی صورتوں کا مظہر تخیلات ہے

اوراسی طرح جسمانی قوتوں میں سے حسِ مشترک وغیرہا کا عالم بھی ہے۔

۵۔ تشریح مترجم

یہاں حضرت قطب ویلوریؒ نے اپنے بیان میں برسام و سرسام کی مثالیں دی ہیں۔ جو طبّی اصطلاحات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے ان کا مختصر مطلب اور وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

سرسام کے معنی ہیں سر کا ورم۔ اس میں دماغ کے پردے یا جوہر دماغ متورم ہو کر غشی لاحق ہوتی ہے اور اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک سرسام حقیقی دوسری سرسام غیر حقیقی۔ سرسام حقیقی میں دماغ کے پردوں یا دماغ کے جوہر میں ورم ہوتا ہے اور غیر حقیقی میں ورم تو نہیں ہوتا البتہ اس کے ابخارات ردّیہ دماغ کی طرف چڑھ کر سرسامی حالت اور کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

اور برسام ایک مرض ہے۔ جسے ذات الجنب یعنے نمونیا بھی کہتے ہیں۔ اس مرض میں پسلیوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔

اور ایسا ہی بعض عورتوں میں ایک مرض پایا جاتا ہے۔ جسے اختناق الرحم کہتے ہیں۔ اس مرض میں مریضہ کی حالت مرگی کی طرح ہوتی ہے اور مرگی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرچکی ہے، حالاں کہ وہ زندہ رہتی ہے۔ اسے آس پاس کے حالات کا علم ہوتا ہے اور معائنہ اور عیادت کو آنے والے لوگوں کی باتیں خوب اچھی طرح سے جانتی اور پہچانتی ہے مگر بول نہیں پاتی۔ شدّتِ تکلیف کی وجہ سے اس کا برا حال ہوتا ہے اور جب اس کا یہ دورہ ختم ہوتا ہے تو وہ سب کچھ سناتی ہے جو اس کے قریب باتیں ہو رہی تھیں۔ یہ حالات و علامات بھی میّت کے عذاب کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے آسان ہیں۔ (تشریح ختم)

۶۔ طئ مکان و طئ زمان

اوراسی طرح اس عالم دنیا میں بہت سے عجائب و غرائب اور خوارقِ عادات واقعات و حالات پیش آتے ہیں۔ جیسا کہ بعض اولیاء اللہ سے واقع ہوتے ہیں کہ وہ اپنے شہر میں رہتے ہوئے بھی حج کے دنوں میں مسجدِ حرام میں حاضر رہتے ہیں اور یہ حضرات گھر کے کسی گوشہ میں نظر آتے ہیں جبکہ وہاں ان کا قیام نہیں ہوتا ہے۔ یہ اچانک ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی ایسے مکان میں جس کے در و دیوار، دروازے اور دریچے بند ہوں۔ مگر یہ حضرات مقفل اور مسدود الباب ہونے کے باوجود مکان کے باہر نکل آتے ہیں، اور جیسے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کا

۷۔ تشریحِ مترجم

یہاں صاحبِ کتاب حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ نے جو مباحثات اور مناقشات کا تذکرہ کیا ہے وہ واقعتہً عوام کی سمجھ سے باہر کی باتیں ہیں۔ اسی لئے اس کی تفصیل نہیں فرمائی۔ کیوں کہ یہ سادہ لوح حضرات کی سمجھ سے بالا تر باتیں ہیں۔ اسی لئے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ لا تعطوا الحکمۃ غیر اھلھا فتظلموھا ولا تمنعوا عن اھلھا فتظلموھم یعنے حکمت نا اھل کے سامنے پیش نہ کرو کہ یہ علم و حکمت پر ظلم ہے اور اہل سے مت چھپاؤ ورنہ ان پر ظلم ہوگا۔

اور دوسری حدیث میں ہے کلموا النّاس علی قدر عقولھم۔ ہر ایک کی عقل کے مطابق بات کرو۔ ورنہ مشہور ضرب المثل مرغیوں کے بازار میں اونٹ اور گھوڑوں کی تجارت والی بات آئے گی۔ جس کی عقل اور رأس المال ہی مرغیوں والے تاجر کی طرح ہو اس کے سامنے اونٹ اور گھوڑوں کے رأس المال کی بات کرنا گویا علم کی ناقدری کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح ایک بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ کو ایک اصغر و احقر اور پست و ادنیٰ میں شامل کرانا ہے۔

اور چوں کہ یہ خرق عادات واقعات و حالات جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا یہاں ہر کس و ناکس کے سامنے تذکرہ کرنا اور نادانوں اور نااہلوں کو سمجھانا بھی ایک طرح کے دردِ سر سے خالی نہیں ہے۔

نعتِ شریف

ڈاکٹر راھی قدائی

اک نگاہِ لطف آقاؐ اک نظر یا مصطفیٰؐ
تک رہی ہے راہ تکمیلِ بشر یا مصطفیٰؐ

آپؐ کے قدموں میں مل جائیں گی ساری نعمتیں
سعیٔ لاحاصل علاؤں کا سفر یا مصطفیٰؐ

باوجود زھد و تقویٰ آپؐ اگر راضی نہ ہوں
معتبر، ہو جائیں گے نامعتبر یا مصطفیٰؐ

آپؐ ہی کے نام سے تاثیر پیدا ہو گئی
ورنہ پہلے ہر دعا تھی بے اثر یا مصطفیٰؐ

جوش، بے باکی، عزیمت یخ گرفتہ ہو گئیں
تن میں پھر بھر دیجئے برق و شرر یا مصطفیٰؐ

ہمتِ راھی کو کچھ تو ہمت افزائی ملے
ہر قدم ہے حادثوں کی رہگزر یا مصطفیٰؐ

نقوشِ طاہر



حیاتِ جاودانی

مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ
سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان
ویلور

سالنامۂ "اللطیف" 1985ء میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز و بصیرت افروز مضمون "حیاتِ جاودانی" شائع ہوا تھا۔ "اللطیف" کے اس شمارے کی زینت ہے۔ ادارہ

حمد و ثناء اس ذاتِ ذوالجلال والاکرام کے لیے ہے جو خالقِ کائنات ہے۔ درود و سلام اس رسول اکرم حبیبِ اعظم پر جو رحمۃ للعلمین ہے۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنے نور سے پیدا فرماکر بلند و بالا مرتبہ عطا فرمایا اور کثرتِ علم سے سرفراز فرمایا جو کسی بشر کو حاصل نہیں ہوا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے: جب ماں کے پیٹ میں بچّہ قرار پاتا ہے تو پہلے چالیس دن نطفہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ پھر بعد چالیس دن علقمہ کی صورت میں ہوتا ہے پھر بعد چالیس دن کے خون کی بوٹی کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے تاکہ اس میں روح پھونکے اور اس کے بعد پھر چار باتیں لکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اوّل اس کا رزق، دوسری اس کی عمر تیسری آیا کہ وہ جنّتی ہے چوتھی آیا کہ وہ دوزخی ہے۔ چناں چہ وہ اپنی عمر میں ایسے اعمال و افعال انجام دیتا ہے جو جنّتیوں کے اعمال جیسے ہوتے ہیں اور پھر آخر عمر میں تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کے اعمال جیسے کرنے لگتا ہے اور اپنی

آخری عمر میں جنتیوں کے جیسے اعمال کرنے لگتا ہے اور وہ جنت میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس طرح آخر کار تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان پر مسلمان کے پانچ حقوق ہیں:

اول یہ کہ کسی مسلمان کو دیکھیں تو سلام کریں یا کوئی اُسے سلام کرے تو اس کا جواب دے۔

دوسرا یہ کہ اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کی جائے۔

تیسرے یہ کہ اگر کوئی دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے۔

چوتھا یہ کہ اگر کوئی چھینکے تو سُننے والا یرحمك الله کہے۔

اور پانچواں یہ کہ اگر کوئی انتقال کر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھے اور جنازہ کے ساتھ چالیس قدم جائے۔

ایک مرتبہ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا: اے جبرئیل! کیا کبھی تمہیں دنیا میں کسی فوری کام کے لیے آنا ہوا تھا؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ! ایسا چار مرتبہ مجھے بڑی عجلت کے ساتھ دُنیا میں آنا ہوا۔ پہلی مرتبہ جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتش کدۂ نمرود میں پھینکا جا رہا تھا۔ اس وقت میں عرشِ الٰہی کے نیچے تھا۔ حکمِ الٰہی ہوا کہ میں فوراً زمین پر پہنچوں اور آتش کدۂ نمرود کو گلزار بنا دوں اور اس طرح سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کروں۔

دوسری مرتبہ جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی قربانی دینی چاہی تو اس وقت میں عرشِ الٰہی کے نیچے تھا۔ حکمِ الٰہی ہوا کہ میں فوراً زمین پر پہنچوں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھر جانے سے پہلے انھیں بچا لوں، تو میں فوری طور پر پہنچا اور چھری کو پلٹ دیا اور وہ اپنا کام نہ کر سکی۔

تیسری بار یارسول اللہ! میں جب عرشِ الٰہی کے نیچے تھا۔ حکمِ الٰہی ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیاں انھیں کنوئیں میں ڈالنے سے پیشتر میں وہاں پہنچ جاؤں اور کنوئیں سے پتھر نکال کر اس پہ انھیں بٹھا دوں چناں چہ میں فوری طور پہ پہنچا اور یہ کام انجام دیا۔

چوتھی بار جب غزوۂ اُحد میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دندان مبارک شہید ہوئے اس وقت بھی میں عرشِ الٰہی کے نیچے تھا حکم الٰہی ہوا کہ آپ کے دندان مبارک کا خون زمین پر گرجانے سے قبل اپنے ہاتھوں میں لے لوں۔ چناں چہ اس موقعہ پر بھی میں فوراً زمین پر پہنچا اور آپ کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا، اگر آپ کے دندانِ مبارک کا خون زمین پر گرجاتا تو زمین بنجر ہوجاتی اور اس کے اندر کوئی چیز نہ اُگتی۔

ایک مرتبہ نورِ مجسّم حبیب کبریا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: اے جبرئیل! تم کتنی دیر میں زمین سے عرش تک پہنچ سکتے ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا ایک قدم زمین پر اور دوسرا قدم آسمان پر! بس میں پہنچ جاتا ہوں۔

یہ سُن کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا دیکھیں آپ کیسے پہنچتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ عرش کا پردہ ہل رہا ہے۔ آواز آئی کہ: اے جبرئیل! پردہ ہٹاؤ! آپ نے پردہ ہٹایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرمانے لگتے ہیں: یارسول اللہ! یہ معاملہ تو آپ جانیں اور ربِّ تعالےٰ جانے۔

مولانا رضا خان صاحب بریلی اپنی تصنیف لطیف میں رقمطراز ہیں کہ حضور پُر نُور صلّے اللہ علیہ وسلم کو تین[۳] مرتبہ جسمانی معراج حاصل ہوی اور بیس[۲۰] مرتبہ عالم رویا میں عرش وکرسی جنّت اور آسمانوں کی سیر فرمائی تھی۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے وضو کرنا چاہا تو اپنا عمامہ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے سر پر رکھا۔ اس وقت ان کی عمر چار سال تھی۔ حضرت بی بی فاطمہؓ کیا دیکھتی ہیں کہ آسمانوں پر کیا چل رہا ہے، انھیں جنّت کے مناظر اور زمین کے اندر کے خزانے وغیرہ اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ساری چیزیں نظر آرہی ہیں۔ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم وضو سے فارغ ہوکر جیسے ہی عمامہ کو آپؓ کے سر سے اٹھالیتے ہیں تو یہ تمام چیزیں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالےٰ نے حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم کو قیامت تک آنے والے واقعات اور حالات کا علم عطا فرمایا تھا اور اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو جو کثرتِ علم عطا فرمایا کسی اور بشر کو عطا نہیں کیا۔ آپؐ کے علم اور دیگر انبیائے کرام اور اولیائے عظّام کے علم میں وہی مناسبت ہے جو ایک مشکیزہ میں بھرے ہوئے پانی

اوراس کے منہ کو رسی سے باندھنے کے بعد جو تری اور بھیگا پن ظاہر ہوتا ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا علم بھرے ہوئے مشکیزہ میں پانی کی طرح ہے تو دیگر مخلوقات کا علم اسی تری اور بھیگے پن کے مثال ہے، جو مشکیزہ کے منہ پر ظاہر ہوتا ہے۔ (تحفۃ المرسلہ الی النبیؐ)

حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ حضرت قطبِ ویلور نے اپنی شاہکار تصنیف **جواھر السلوک** میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت سے متعلق لکھا ہے کہ اربابِ فکر و نظر کے علم کی جہاں انتہا ہے وہاں سے اولیاء اللہ کے علم کی ابتدا ہے اور جہاں اولیاء اللہ کے علم کی انتہا ہوتی ہے۔ وہاں انبیائے کرام کے علم کی ابتداء ہے اور جہاں انبیائے کرام کے علم کی انتہا ہے وہاں سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کی ابتداء ہے اور آپؐ کے علم کے سمندر کی کوئی حد اور انتہا ہی نہیں۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے متعلق خود زبانِ نبوت کا یہ ارشادِ گرامی ہے۔ مجھے اولین اور آخرین کا علم عطا کیا گیا۔ نیز فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی کرم اللہ وجہہ اس کا دروازہ ہیں۔

علمائے امت جو مقامِ ولایت پر فائز ہیں وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے سیراب ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامِ قیامت جاری و ساری رہے گا۔ چناں چہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری روحانی تربیت براہِ راست حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور مجھ پر اللہ اور اس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین احسان ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد اور مرشد حضرت شمس محمد بن ابی حمائل حالتِ بیداری میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار فرماتے تھے۔ جب بھی کوئی شرعی مسئلہ پیش ہوتا تو فرماتے تھے کہ پہلے میں اس مسئلہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ پھر کچھ دیر تک سر جھکائے رہتے اور اس کے بعد سر اٹھاتے اور کہتے کہ اس کے بارے میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا۔

حضرت محبوب سبحانی غوث الصمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی کو اللہ تعالے نے جب پیدا فرمایا تو آپ کی صحبت کے لیے ایک ہزار اولیاء و اتقیاء کو پیدا فرمایا اور آپ کو تمام اولیائے کرام کا سردار اور سرتاج بنایا آپ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ بے شمار کرامتیں آپ کی زندگی میں ظہور پذیر ہوئیں اور آج بھی آپ کے فیوض و برکات اور تصرفات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن محوی قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''بیعت غائب وحاضر'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن القرشی نے فرمایا:

''میں نے چار اولیاء اللہ کو دیکھا ہے۔ جو اپنی قبروں میں اس طرح تصرف فرما رہے ہیں، جس طرح اپنی حیات میں تصرف فرماتے تھے؛ اول: شیخ عبدالقادر جیلانی۔ دوم شیخ معروف کرخی سوم شیخ عقیلؒ اور چہارم شیخ ابن قیس رضی اللہ عنہم۔''

حضرت غوث الثقلین کی نوکِ قلم سے کئی ایک معرکتہ الآراء، بلند پایہ، علمی اور عرفانی تصانیف معرضِ وجود میں آئیں اور آپ کی مجلسِ وعظ میں ستر ستر ہزار آدمی شریک ہوا کرتے تھے اور آپ کے مواعظِ حسنہ کا اثر لوگوں پر عجیب ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ علیہ الرحمہ ویلوری نے بعد فراغت نماز اللہ کے دربار میں عجز و انکسار کے ساتھ یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! جو بھی میرے جانشین اور سجادہ نشین ہوں گے انھیں تو قطبیت کے درجہ پر فائز فرما۔

اسی شب محبوب سبحانی غوثِ صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ خواب میں بشارت دیتے ہیں کہ اے فرزند! اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل میں آپ کو یہ علم عطا فرمایا۔ کہ کہاں بغداد اور کہاں ویلور، حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ دعا کرتے ہیں تو آپ معلوم کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قبولیت سے بھی معلوم کراتے ہیں اور اسی شب خوش خبری بھی دیتے ہیں۔

حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ ویلوری سے مولانا روم کے ابیات کی کی تشریح پوچھی جاتی تو آپ کچھ دیر کے لیے اپنے سر کو جھکا لیتے اور سر اٹھاتے ہوئے فرماتے کہ مولانا روم نے ان ابیات کا یہ معنی بتلایا ہے۔ کہاں ویلور اور کہاں مولانا جلال الدین رومی کا مزار مبارک۔ حضرت ذوقیؔ مراقب ہوتے ہیں اور صاحبِ کتاب کی روح سے مطالب اخذ کرتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے ستّر سال قبل یہ پیشین گوئی کی کہ یہاں ایک بچّہ پیدا ہوگا، جو مجھ سے تربیت حاصل کرے گا۔ چناں چہ اسی طرح آپ کے وصال کے ستّر سال بعد

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے ۔ اور حضرت موصوف سے باطنی تربیت حاصل کی مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر روز صبح کے وقت حضرت بایزید بسطامی کی مزار پر تشریف لے جاتے اور چاشت کے وقت تک کھڑے رہتے ۔ حضرت بایزید کی روحِ پُر فتوح ایک مثالی شکل میں نمودار ہوتی اور ایسا تصرّف فرماتی کہ آپ اپنے اشکالات ابھی پیش بھی نہیں کرتے کہ خود بخود آپ کے قلب و ذہن سے شکوک کا ازالہ ہوجاتا اور حقائق منکشف ہوجاتے تھے ۔

حضرت مولانا رکن الدّین محمد سیّد شاہ ابوالحسن قادری قرؔبی ویلوری علیہ الرحمہ اور بعدازاں حضرت سیّد شاہ عبداللطیف قادری ذوقؔی ویلوری علیہ الرحمہ میں اپنے بعد آنے والے پانچ پشت کے حالات مراقبہ سے معلوم فرمایا اور حضرت مولانا رکن الدّین سیّد شاہ محمد قادری ویلوری علیہ الرحمہ کی پیدائش پر تہنیت نامے بھی لکھے ہیں اور اس کا ذکر حضرت شاہ محی الدّین سیّد شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوب میں ذکر فرمایا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے جب امّتِ محمدیؐ کو یہ علم اور شرف عطا فرمایا ہے تو اپنے پیارے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علم و فضل ، شرف و بزرگی اور مرتبہ و مقام کا کیا کہنا ۔ آپ کو تو سارے انبیاء اور اولیاء اور ساری مخلوقات میں افضل و اعلیٰ اور ممتاز و برگزیدہ فرمایا ہے اور ان سب بزرگوں کے علمی و روحانی زرّین کارنامے زندہ جاوید ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے ان برگزیدہ ہستیوں کو بھی زندہ جاوید بنایا ہے اور انھیں حیات جاودانی حاصل ہے ۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ۔

نعتِ شریف

از

حکیم سید افسر پاشاہ افسر

قُربِ سجدہ کی لذّت بیاں میں
ہے جبین اپنی اب آسماں میں
اللہ اللہ کا عالم جہاں میں
ہے عجب لُطف آہ و فُغاں میں
ہے محبّت تری قلبِ جاں میں
ہے مرا سر ترے آستاں میں

لذّتِ دید ہے جانِ جاں میں
عشق کی داستاں ہے نہاں میں
ہو رہا ہے ستم اس جہاں میں
برق گرتی ہے اب آشیاں میں
آپ کا نامِ پاک اس جہاں میں
کس طرح لائے افسر زباں میں!

عالم و صوفی

حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان قادری ایم، اے، پی، ایچ ڈی،
ناظم دارالعلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان۔ ویلور۔

اللہ تبارک و تعالےٰ کے پسندیدہ اور محبوب بندوں کے چار گروہ ہیں:

۱۔ شہید۔ ۲۔ عابد۔ ۳۔ عالم۔ ۴۔ صوفی

ان چار گروہ کے مرتبہ و مقام کو اخلاق محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں بہت اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

شہید وہ ہے جو اپنی پیاری جان کو اللہ کی راہ میں قربان کردیتا ہے۔ مگر عالم کے مقابل میں شہید کا مرتبہ کم ہے اور کہا گیا ہے کہ شہید کے خون سے عالم کے قلم کی سیاہی (روشنائی) کا مرتبہ بلند ہے اور دوسرے نمبر پر عابد ہے عابد وہ ہے جو ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھتا ہے۔ عابد کا مرتبہ و مقام بہت بلند ہے مگر عالم سے کم ہے۔ عالم کا مرتبہ و مقام عابد کے مقابل میں ایسا ہے جیسے ستاروں کے درمیان چاند کا ہے۔ مزید فرمایا گیا کہ عالم کا مرتبہ عابد پر ایسا ہے جیسے آپ صلےٰ اللہ علیہ وسلّم کا مرتبہ تمام انبیاء پر ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ عالم کا درجہ ان دونوں یعنی شہید اور عابد سے بڑھ کر ہے۔

عالم جو شریعت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا علم اپنے سینہ میں محفوظ کئے ہوئے ہوتا ہے۔ احادیث میں علم اور عالم کا بہت اونچا مقام بتایا گیا ہے اور تو اور علم کا حاصل کرنا مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے علم اتنا مقام بلند ہے کہ عالم کو دیکھنا بھی ثواب ہے۔ عالم کی صحبت میں رہنا بھی ثواب ہے۔ مزید بتایا گیا کہ لوگ تین قسم کے ہیں۔ ایک سیکھنے والے، دوسرے سکھانے والے اور باقی نادان ہیں۔

ارشادِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے اور کئی احادیث سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ روزِ محشر اللہ تعالےٰ عالم کی سفارش سے کئی لوگوں کو بخش دے گا۔

صرف یہی نہیں بلکہ کئی گنہ گاروں کو اس لیے بخش دے گا کہ وہ عالم سے تعلق رکھتے تھے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ صرف عالم سے رشتہ و تعلق رکھنے پر اللہ تعالیٰ گنہ گار کو معاف فرما دیتا ہے تو سوچیے خود عالم کا مقام و مرتبہ کیا ہوگا؟

بے شک علم سے انسان کو بہت بلند درجات عطا ہوتے ہیں۔ جس کا ذکر قرآنِ پاک میں آتا ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ علم والے اور بے علم دونوں کا مقام برابر نہیں ہے اور ایک مقام پر یوں فرمایا کہ جس کسی کو علمِ دین کی سمجھ بوجھ عطا ہوئی تحقیق اس کو بہت زیادہ بھلائی ملی۔

مذکورہ تمام تفصیلات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ عالم کا مقام و مرتبہ ہر لحاظ سے بہت بلند و بالا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنا اونچا مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے باوجود ایک عالم کسی نہ کسی صوفیٔ باصفا کے حلقۂ ارادت میں اپنے آپ کو شامل کر دیتا ہے۔ بلکہ یہی نہیں صوفی کے ہاتھوں یوں بِک جاتا ہے۔ جیسے مردہ بدستِ زندہ۔ تو اب یہ معلوم کرنا ہے کہ صوفی کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ جب کہ ایک عالم خود، جس کا مرتبہ و مقام اتنا بلند کہ جس کو دیکھنا بھی ثواب ہے تو ایسی ہستی صوفی کے آگے جھک جاتی ہو اور اپنے آپ کو اس کا فرمانبردار بنالیتی ہو، تو ضرور صوفی میں کوئی بات یا کوئی ایسا راز ہوگا، جسے عالم اپنی کتابوں سے، اپنے مطالعہ سے حاصل نہ کر سکا اور اس کے حصول کے لیے اُسے صوفی کی خدمتِ اقدس میں آنا پڑا۔ اور جو چیز، جو راز اس کتابوں سے نہ مل سکا، وہ چیز، وہ راز اس کو صوفی کے سینہ سے مل جائے۔

تو اب یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ صوفی کا مرتبہ و مقام عالم سے بڑھ کر ہے۔ اس بات کی صداقت کے لیے اسلافِ دین کے کئی واقعات موجود ہیں۔ کئی مثالیں موجود ہیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخصیت وہ علم والے، جن پر سارا زمانہ فخر کرتا تھا، سارے لوگ ان پر قربان تھے اور ان کے پیچھے پیچھے بھاگتے سارا زمانہ اُن کے پیچھے اور یہ عالم صوفی کے پیچھے ہوتے تھے۔ جیسے شمس تبریز کے پیچھے مولانا جلال الدین رومی اور مولانا کے پیچھے زمانہ تھا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ

مولانا ایک روز اپنے شاگردوں کے حلقہ میں رونق افروز تھے۔ چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر تھے کہ اچانک شمس تبریز قلندرانہ انداز سے آپہنچے اور کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟

مولانا نے فرمایا کہ وہ یہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ مولانا کا یہ فرمانا تھا کہ اچانک کتابوں میں آگ لگ گئی۔ مولانا نے شمس تبریز سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو اور یہ کہہ کر مجلس سے روانہ ہو گئے۔

اس واقعہ سے مولانا کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ تمام گھر بار اور شان و شوکت کو خیرباد کہا اور صحرا نوردی شروع کر دی، ملک کے گوشوں میں شمس تبریز کو تلاش کرتے پھرے۔ شمس تبریز سے مولانا اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً شمس تبریز کے ہاتھ پر بیعت کر کے شمس تبریز کے ارادت مندوں میں داخل ہو گئے۔

مذکورہ واقعہ سے یہ بات تو طے ہے کہ بے شک صوفیائے کرام کے سینہ میں کوئی ایسا خزانہ پوشیدہ ہے جس کو عالم اپنی کتابوں سے حاصل نہیں کر سکتا۔ تو اس خزانہ کے حصول کے لیے علماء صوفیائے کرام کی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔

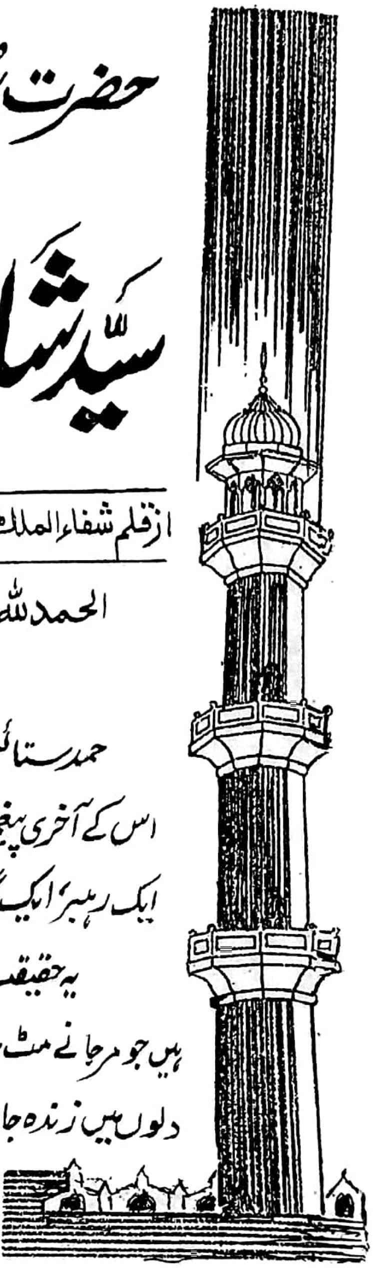
صوفی کی خدمت سے، اُن کی صحبت سے انسان کے دل کی صفائی ہو جاتی ہے اور ساتھ ساتھ اس کے دل میں محبتِ الٰہی کی چنگاری بھڑک جاتی ہے۔

جب کوئی دینی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کو اس مطالعہ سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جھوٹ، طمع و حرص، حسد، کینہ، غیبت، نفس وغیرہ یہ کیا چیزیں ہیں ان سے کیا کیا نقصانات ہیں۔ اسی طرح کتابوں کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سچائی، عدل، تواضع، توبہ، توکّل وغیرہ یہ کیا چیزیں ہیں اور ان سے کیا کیا فائدے ہیں تو مطالعہ کے ذریعہ آدمی ان باتوں کی معلومات تو حاصل کر لیتا ہے مگر ان بُرے اوصاف سے اپنے آپ کو بچا نہیں پاتا۔ اور نیک اوصاف سے اپنے آپ کو متصف نہیں کر پاتا۔

یعنی مطالعہ سے فائدہ اور نقصان کا علم تو ہو جاتا ہے۔ لیکن فائدہ حاصل کرنا اور نقصان سے اپنے آپ کو بچانے کا طریقہ کتابوں سے نہیں بلکہ صوفی کی خدمت و صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء ۔ بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا
گر تو سنگِ خارۂ مرمر شوی ۔ چوں با صاحب دل روی گوہر شوی

بقول امام مالک علیہ الرحمہ: من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق ●●



حضرت سلطان العارفین شیخ المشائخ مولانا الحافظ

سیّد شاہ قاسم حُسینی صبغۃ اللّٰہی

قدس اللہ سرہ العزیز بیجاپوری

از قلم شفاء الملک حضرت مولانا قاری حکیم سید افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللّٰہی شفاء ڈسپنسری، حضرت مکان ویلور

الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۰

حمد ستائش اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جن پر قرآن کریم نازل ہوا اور پوری دُنیا کے حق میں ایک رہبر، ایک گائیڈ اور ایک آخری پیغام ثابت ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان مرنے مٹنے اور فنا ہوجانے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ مگر کچھ انسان ایسے بھی ہیں جو مرجانے مٹ جانے اور فنا ہوجانے کے باوجود بھی مُردہ تاریخ کے صفحوں اور زندہ انسانوں کے دلوں میں زندہ جاوید بنے رہتے ہیں۔ یہ خوش بخت اور خوش نصیب صالح انسان وہی ہیں جن پر فضلِ الٰہی شاملِ حال ہوجائے اور وہ اپنے کسی کمال کو ارزاں کردے۔ پھر یہ انسان اسی کمالِ الٰہی کی بدولت حیاتِ جاودانی سے شادکام ہوجاتے ہیں۔ اِن ہی خوش نصیب انسانوں میں سے بلاشبہ آپ کی ذات و شخصیت بھی ہے۔

آپ کی ولادت ووفات کا صحیح علم تو نہ ہوسکا۔ البتہ قرائن سے یہ اندازہ ہے۔ ۱۱۰۰ھ کے اوائل یا وسط میں آپ نے آنکھیں کھولی ہیں اور وفات اسی گیارھویں صدی کے اواخر یا ۱۲۰۰ھ بارھویں صدی کے اوائل میں ہوی ہے۔ چوں کہ آپ کے مزار شریف کے اوپر جو قُبہ (گنبد) تعمیر کیا گیا ہے، اس کی کسی تاریخ گونے "درگاہ شریف عارف اللہؒ" سے تاریخ نکالی ہے۔ (۱۲۳۷)

آپ کے فرزندِ دلبند حضرت سید شاہ کریم محمد رحمۃ اللہ علیہ جنہیں ان کے دادا کا نام رکھا گیا ہے، کے مزار پر جو کتبہ موجود ہے وہ اس طرح ہے: ؎

چوں دوم محرم بوقت نمازِ عصر — شُد رُوحِ شہ کریم مُحمّد سوئے بقا

تاریخ آں نقادۂ سادات وپیشوا — گُفتا یکے زُمقتدیاں۔ رفت مقتدا
۱۲ — ھ — ۴۵

اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔ نیز وہاں جو مسجد تعمیر ہوئی ہے اس پر تاریخی مادّوں کی جو تختی لگی ہوئی ہے، وہ اس طرح ہے۔ ؎

صبغۃ اللہ خالصاً للہ ساخت — مسجدے ممتاز در کل صفات!

عابداں را از پئے اذنِ نماز — گفت ہاتف "اُدخلوہ للصلوٰۃ"!
۱۲ — ھ — ۳۲

مزید ایک قطعہ اس طرح ہے: ؎

چوں سید صبغۃ اللہ ساخت مسجد — بذکر اللہ شد شمعِ خلائق!

سرِ بدعت زدہ از منبر چرخ — ندا آمد "عبادت گاہِ خالق"
۱۲ — ھ — ۳۲

ان تاریخی قطعات سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا زمانہ گیارھویں صدی ہجری کے اواخر اور بارھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہے۔ یعنے گیارھویں صدی اور بارھویں صدی ہجری کے وسط میں ہے۔

غرض حضرت مولانا حافظ سید شاہ قاسم حسینی صبغۃ اللّٰہی کا سلسلۂ نسب انیس[19] واسطوں اور پشتوں سے امیر المؤمنین امام المتقین سیدنا حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔

کتاب "خلاصۃ صبغۃ اللّٰہی" کی معلومات کے مطابق آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ ہستی حضرت خواجہ سید شاہ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی گزرے ہیں۔ جو بھروچ سے بیجاپور تشریف لائے تھے، پھر وہاں سے آپ نے مدینۂ منوّرہ کی طرف ہجرت کی اور ان ہی کے نام نامی و اسم گرامی کے ساتھ نسبت کر کے اپنے نام کو اسی جانب منسوب کیا ہے اور صبغۃ اللّٰہی لکھا ہے۔

آپ کے دادا جان حضرت مولانا سید شاہ میراں محمد مُدرّس حسینی القادری صبغۃ اللّٰہی قدس اللہ الباری ہیں۔ جن کا مزار شریف مدینۂ منورہ میں ہے۔ ان کی تین اولادیں ہیں

۱۔ فرزند اول حضرت سید شاہ زین الدین حسینی صاحب قدس سرہٗ ہیں۔ آپ کا مزار بھی مدینۂ منورہ میں ہے۔

نگران کی اولاد نے شہر آرکاٹ میں حسن پورہ (ویلور۔ مدراس، بائی پاس روڈ) کو اپنا مستقل مسکن بنالیا۔ جو آرکاٹ بس اسٹانڈ (بس اڈہ) کے قریب میں واقع ہے۔

۲ دوسرے فرزند حضرت سلطان سید شاہ عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہٗ العزیز ہیں۔ آپ کا مزار شریف بیجاپور میں ہے اور اولاد شہر آرکاٹ (ویلور) میں تاج پورہ نامی مقام پر آسودۂ خواب ہے۔ جو آرکاٹ شہر کے قریب پانچ (۵) کلومیٹر دوری پر واقع ہے۔

۳ اور تیسرے فرزند حضرت مولانا حافظ سید شاہ کریم محمد حسینی قادری صبغۃ اللّٰہی قدس اللہ سرہٗ العزیز ہیں۔ جن کا مزار شریف بھی بیجاپور میں ہے اور اولاد قاسم پورہ (پرنام بٹ ویلور) میں آسودۂ خواب ہیں۔ اور آپ ہی کے فرزند حضرت شیخ المشائخ مولانا حافظ سید شاہ قاسم حسینی صبغۃ اللّٰہیؒ ہیں۔ جو شہر گڈیاتم تعلقہ سے شہر پرنام بٹ جاتے ہوئے اس کے متصل اور قریب ہی "قاسم پورہ" میں مرجع خلائق ہیں۔

یہ قاسم پورہ رفتارِ زمانہ سے "لالاپیٹ" یا ٹمل میں "بنگلہ موڑ" کہلانے لگا ہے۔ پرنام بٹ شہر کا اس زمانہ میں کوئی وجود نہیں تھا۔ البتہ اس سے کوئی ڈیڑھ کلومیٹر دوری میں واقع "سانگڈھ" نامی شہر موجود تھا۔ یہ شہر سانگڈھ دراصل نواب والاجاہ کے نسبتی برادر نواب حراست علی خان صاحب مرحوم کی ریاست اور حکومت کے زیر اثر و قیادت تھا۔ جہاں باقاعدہ طور پر کورٹ (عدالت خانہ) بھی موجود تھا۔ جب کہ اس سے پندرہ، سولہ کلومیٹر دوری پر گڈیاتم نامی بڑا تعلقہ بھی ہے۔ مگر وہاں اُس وقت تاریخ میں کوئی کورٹ یا عدالت کا نام تک نہیں تھا۔ ان اہالیانِ گڈیاتم کے لئے محکمۂ عدالت سے رُجوع ہونے کی خاطر یا تو سانگڈھ آنا ہوتا تھا یا چتور جانا پڑتا تھا۔ اپنے اپنے دعویٰ اور استغاثہ کے لئے۔

سانگڈھ کے اس کورٹ کے لئے جو جسٹس مقرر تھے وہ فقیر راقم الحروف حکیم افسر باشاہ عفی عنہٗ کے ننھیالی خاندان سے متعلق بزرگ شخصیت حضرت مولانا مفتی قاضی شیخ احمد فقیہ بیجاپوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کے پوتے حضرت مولانا منشی حسن علی نقشبندیؒ نے اپنے پوتے میاں مظہر علی نقشبندی کے لئے، اس زمانہ میں فارسی میں ایک کتابچہ مرتب فرمایا ہے۔ جس کا نام ہے "چہل سبق"۔

یہ رسالہ "چہل سبق" آج بھی نہ صرف پورے ہندو پاک کے مدارس عربیہ میں داخلِ نصاب ہے۔ بلکہ افغان و ایران وغیرہم بھی اس سے بجا طور پر مستفیض اور مستفید ہورہے ہیں۔ اس خانوادۂ شیخ احمد فقیہؒ سے ایک مفتی صاحبؒ نے میراث پر عربی میں ایک کتاب لکھی ہے جسے شہر مدراس کے مطبع مظہر العجائب نے شائع کیا ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے اس وقت اس کا نام

یاد نہیں آرہا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ان حضرات کے خلوص و للّٰہیت کا نتیجہ ہے اس طرح ان کی کتاب ''چہل سبق'' منظورِ خاص و عام بنی ہوئی ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلوص کی برکت سے کعبۃ اللہ زادہا اللہ شرفاً و اجلالاً کو مقبولیت حاصل ہوئی اور بقولِ حضرت مولانا رومؒ : ؎

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود — ایں ز اخلاصاتِ ابراہیم بود

غرض حضرت مولانا منشی شیخ حسن علی نقشبندی کا مرتب کردہ رسالہ ''چہل سبق'' کو جو غیر معمولی شہرت و نیک نامی اور حد درجہ کی قبولیت و پذیرائی ہوئی ہے وہ ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے۔ سچ ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

اس زمانہ کا ساتگڈھ بڑا شہر تھا۔ جہاں باقاعدہ طور پر ایک طرف محکمہ عدالت بھی قائم تھا تو وہیں دوسری طرف اور مساجد کے علاوہ ایک جامع مسجد کا وجود با وجود بھی موجود تھا اور ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مُرورِ زمانہ نے اس ساتگڈھ کے وجود کو نیست و نابود میں بدل ڈالا اور آج اس کی حالت وتلک بیوتہم خاویۃ علیٰ عُروشہا کی ایک جیتی جاگتی تصویر بن گئی ہے پھر پرنام ہٹ نامی بستی کا وجود شروع ہوا۔ شروع میں اس کا نام پیاری بیگم پیٹ تھا پھر اس کے بعد پیارم پیٹ بنا اور اب پرنام ہٹ بن گیا ہے۔

احقر راقم الحروف کے آبا و اجداد میں حضرت شیخ المشائخ مولانا الحافظ سید شاہ محمد قاسم حسینی صبغۃ اللّٰہی کی ذات و شخصیت بھی ہے۔ جو گوناگوں کمالات و کرامات کی حامل ہے۔ اور اہلِ خاندان میں آپ کے تعلق سے بے شمار حالات اور بہت سے واقعات مشہور رہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے حلقۂ درس میں جنّات آیا کرتے تھے اور وہ باقاعدہ آپ سے سبق پڑھتے تھے۔ اس طرح کے واقعات دیگر بزرگانِ دین اور اولیائے کاملین کے حلقۂ درس میں بھی پیش آئے ہیں۔ جیسے محدّثِ جلیل حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ کا واقعہ مشہور ہے۔

روایت ہے کہ آپ کی داڑھی بہت گھنی تھی اور اس میں بچھوؤں نے اپنا ٹھکانہ بنا لیا تھا۔ اور جب آپ کو وضو کی ضرورت پیش آتی تھی تو ان بچھوؤں کو اٹھا کر زمین پر رکھ دیتے تھے۔ پھر وضو کے بعد انھیں اپنی داڑھی میں چھوڑ لیتے تھے

روایت ہے کہ ایک دن کسی نالائق و شریر نے ایک شرارت سوچی اور آپ سے مذاق و استہزاء کی خاطر ایک لڑکے کو پہلے سے سمجھا بتا دیا تھا کہ تجھے ہم میّت کی تشکل میں جنازہ میں رکھ کر لے جائیں گے اور فلاں حضرت سے کہیں گے

اس جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے اور جب وہ تکبیر تحریمہ باندھیں گے تو فوراً اس وقت اٹھ کھڑا ہو جانا ۔ اس طرح ایک ہنسی مذاق کا مشغلہ ہوگا اور لوگ اس واقعہ کو یاد کر کے ہمیشہ ہنسا کریں گے ۔

چنانچہ آپ کے سامنے جنازہ لایا گیا اور حضرت سے ان لوگوں نے نمازِ جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ اس پر حضرت نے انھیں دیکھا اور فرمایا: "کیا نمازِ جنازہ پڑھا دوں؟" کہا گیا کہ ہاں پڑھا دیجئے ۔ حضرت نے یہی جملہ پھر دہرایا لوگوں نے پھر وہی جواب دیا ۔ کہ ہاں حضرت! نماز پڑھا دیجئے ۔ اب اس کے بعد حضرت اپنی جگہ سے اٹھے ۔ صف بندھی گئی اور آپ نے پہلی تکبیر کہی: اللہ اکبر، پھر دوسری، پھر تیسری اور پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا ۔ میّت ہے کہ اٹھنے کا نام تک نہیں لے رہی ہے ۔ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا اور کفن کھول کر دیکھا تو واقعی وہ مر چکا تھا ۔ پورے شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہو گیا اور لوگ مذاق کرنے اور ہنسنے کی جگہ رونے لگے اور حضرت سے معافی مانگی ۔ مگر ؏

اب پچھتائے کیا ہووَت ہے؟ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

کے تحت اس لڑکے پر وقتِ موعود آ چکا تھا اور وہ ہمیشہ کے لئے سو گیا ۔ اس قسم کے واقعات تاریخ میں اور بزرگوں سے بھی صادر ہوئے ہیں ۔ اور ایک ہی واقعہ کبھی دو چار بزرگوں سے پیش آنا کوئی حیرت و استعجاب کی بات بھی نہیں ہے ۔ ایسا کبھی کبھار ہو جاتا ہے ۔

مروی ہے کہ آپ ایک دفعہ بیٹھے بیٹھے مسکرا رہے تھے ۔ مریدین و مسترشدین نے جو اس وقت مجلس کے حاضر تھے عرض کی کہ حضرت! کس بات نے آپ کو ہنسایا؟ جو اس طرح مسکرا رہے ہیں؟ فرمایا کہ مجھ سے زمین مال کی طلب گار ہوئی ۔ جب کہ میں ایک ادنیٰ فقیر ہوں ۔ کہاں سے دیتا؟ اس لئے اس سے کہہ دیا کہ میں تو اس قابل نہیں کہ تیری مانگ پوری کروں ۔ البتہ میرا پوتا سید صبغۃ اللہ ثانی تجھے دے دیگا ۔ اس سے تیری مانگ اور مراد پوری ہو جائے گی ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہوا اور حقیقت بھی صادق آئی ۔ آپ کے پوتے حضرت سید شاہ صبغۃ اللہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۳۲ھ ہجری میں ایک نہایت خوب صورت مسجد قبہ (گنبد) اور ایک خانقاہ یا مسافر خانہ تعمیر کیا جو آج خستہ اور بوسیدہ حالت میں موجود ہے ۔ اس کے احاطہ کے در و دیوار (چہار دیواری) سب زمین بوس اور سجدہ ریز ہو گئے ہیں ۔ اس طرح حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا وہ وعدہ جو زمین کی مانگ پر فرمایا تھا پورا ہوا ۔

روایت ہے کہ آپ کا رنگ گندمی سیاہی مائل تھا ۔ جس وقت آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مزار شریف پر حاضری دی تو وہاں کے مجاورین میں سے کسی نے آپ کو یہ طعنہ دیا: کل اهل البیت بیضاء حمراء وانت با

الاسوداء؟ نکون ولد الغیر او المتبنی ۔ اس جملہ کی ترجمانی اُس وقت کی قدیم دکنی زبان میں کسی شاعر نے اس طرح کی ہے : ؎

سب سیّد ہیں گورے گورے تم سیّد ہو کالے　　یا کسی کے بیٹے ہو یا کسی کے لے پالے

یہ بات حضرت کے دل پر شاق گزری اور نہایت غمگین ہو کر دربارِ رسالت مآب سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں اس انداز سے سلام عرض کیا "السلام علیک یا جدّی! (اے میرے نانا آپ پر سلامتی ہو۔) کچھ دیر کے سکتہ اور خاموشی کے بعد پھر دوبارہ سلام پیش کیا: السلام علیک یا جدّی ۔ اب کی بار بھی مزار شریف سے کوئی جواب نہ ملا ۔ اب حضرت کے چہرے پر پسینہ آگیا اور مارے خوف کے سراسیمگی اور پشیمانی سے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا ۔ کیونکہ مجاور ننگی تلوار لئے کھڑا ہے ۔ کہ تمہارے سید ہونے کی علامت کیا ہے بتاؤ ورنہ تمہارا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا ۔ اس پریشانی کے عالم میں پھر تیسری بار آپ نے زور سے السلام علیک یا جدی فرمایا تو اسی وقت مزار مبارک سے "وعلیکم السلام یا ولدی" (اے میرے بیٹے تم پر بھی سلامتی ہو) کا جواب مل گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے بار اور دوسرے بار کے سلام کے وقت آپ نماز ادا فرمارہے تھے ۔ اس لئے جواب میں تاخیر ہوگئی یہ سُننا تھا ، مجاور آپؒ کے قدموں پر گر گیا اور معافی مانگی ۔　　اس قسم کے واقعات تاریخ کے صفحات میں اور بھی ملتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت خواجہ شیخ فریدالدین عطّار رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں رقم طراز ہیں کہ؛

حضرت امام المحدثین) سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ تابعی رحمہ اللہ الباری جس وقت مدینۂ منوّرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضۂ اقدس پر بڑے ادب واحترام کے ساتھ یہ کہہ کر سلام پیش کیا : السلام علیکم یا سید المرسلین: (اے رسولوں نبیوں کے سردار آپ پر سلامتی ہو) تو جواب ملا : وعلیکم السلام یا امام المسلمین : (اے مسلمانوں کے امام تم پر بھی سلامتی ہو ۔) بتائیے یہ شرف آپ جیسے خوش بختوں کے سوا کس کو نصیب ہو سکتا ہے؟ سبحان اللہ! قربِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو کہتے ہیں اور مرتبۂ عالیہ اس کا نام ہے ۔　(تذکرۃ الاولیاء: ملخصاً)

اور اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا شیخ احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے ۔ جس وقت آپ نے مدینۂ منوّرہ میں حاضری دی اور مزار شریف کے پاس کھڑے ہو کر سلام عرض کیا : السلامُ علیك یا جدّی (دادا صاحب السلام علیک) جواب ملا : وعلیك السلام یا ولدی: (بیٹا وعلیک السلام) اس پر وجد کی ایک کیفیت طاری

ہو گئی اور اس حالت میں آپ کی زبان پر بے اختیار یہ اشعار جاری ہو گئے۔ ؎

فی حالۃ البُعد رُوحی کنتُ ارسلھا　　تقبل الارض عنی وھی نائبتی

فھذہ دولۃ الاشباع قد حضرت　　فامدُد یدیك کی تحظی بھا شفتی

یعنی میں اپنے وطن سے دوری و مہجوری کے عالم میں بھی اپنی روح کو قدم بوسی کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا اور اب جسم کی باری آئی ہے۔ اب تو اپنا مبارک ہاتھ بڑھا دیجئے تاکہ میں اس کو چوموں، بوسہ دوں اور اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کروں۔

اتنا کہنا تھا کہ تاریخ شاہد ہے کہ مزار مبارک شق ہو گیا اور اس میں ایک بجلی کی سی چمک پیدا ہوئی اور ایک چمکتا دمکتا مُنوّر ہاتھ، جس کے سامنے آفتاب بھی ماند تھا، باہر نکلا۔ انھوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا، وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر وہ مُبارک و مسعود ہاتھ قبر شریف کے اندر چلا گیا۔

ایک بزرگ سے جو کہ اس واقعہ میں وہاں حاضر تھے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اس واقعہ پر کچھ رشک بھی ہوا تھا فرمایا کہ اجی ہم تو کیا تھے اس وقت ملائکہ کو بھی رشک تھا۔ یہ منظر دیکھنے کے لیے، آسمان سے فرشتوں کی ایک جماعت اُتر آئی اور سب کو بجا طور پر رشک و غبطہ پیدا ہوا کہ اے کاش یہ دولت ہم کو بھی مُیسر ہوتی۔ بعض اولیائے کاملین جو اس وقت کے حاضر باش تھے انھیں بھی آپ کے طفیل و بدولت یہ دولتِ دیدار میسر ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد جب آپ کو ہوش آیا تو دیکھا کہ سب لوگ آپ کا اکرام و احترام کر رہے ہیں اور نظرِ قبول سے دیکھ رہے ہیں۔ کیوں نہیں دیکھیں گے؟ یہ عالی مقام و مرتبہ ہر کس و ناکس کی قسمت میں کب مُیسر تھا! بجا طور پر اس نعمتِ عظمٰی، مُژدۂ جانفزا، دولتِ انتہا کی وجہ حضرتؒ کے دل میں شائبہ عجب کا پیدا ہونا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ لہٰذا آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے مسجدِ نبویؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازہ پر جا پڑے اور حاضرین کو قسم دے کر کہا کہ سب میرے اوپر سے گزریں۔ چناں چہ عوام الناس تو آپؒ کی باتوں پر عمل کر کے آپ کے اوپر سے گزرنے لگے مگر اہلِ بصیرت دوسری راہ سے نکلنے لگے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ حضرات یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہیں؟ جب کہ انھوں نے خود اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس پر ان حضراتِ بصیرتؒ نے فرمایا کہ ہم ان کا مقام و مرتبہ جانتے ہیں پھر بھی اگر ہم نے اس کی خلاف ورزی کی اور ہم سے ان کی بے حرمتی ہوئی تو اللہ کا قہر نازل ہو جائے گا اور اس کی تجلّی ہم کو جلا کر راکھ کر دے گی۔

(البنیان المشیّد بتغییر یسیر)

غرض اس قسم کے حالات و واقعات خوارق عادات کے طور پر بعض اولیاءِ کاملین، صوفیاء، صالحین، علمائے صادقین

اور بزرگان، عارفین کے ہاتھوں کبھی کبھار صادر ہوتے ہیں۔

مروی ہے کہ اُس زمانہ میں کعبۃ اللہ شریف زادہا اللہ شرفا واجلالا کے لئے یہاں ہندوستان سے سیڑھی روانہ کی گئی تھی اور اس کی صورت کچھ اس طرح پیش آئی تھی کہ کعبۃ اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کے لئے جو سیڑھی موجود تھی، وہ بوسیدہ ہوگئی اور استعمال کے قابل نہ رہی تو حکومتِ وقت نے نئی سیڑھی کی تیاری کا فیصلہ کیا اور تیاری شروع کردی۔ چنانچہ نجّار (بڑھئی) کے سپرد اس کی خدمت سونپی گئی۔ اُس نے اس کا ناپ لیا اور باقاعدہ نشان لگاکر سیڑھی بنادی۔ اور جب اسے اس کے مقام پر لگایا گیا تو وہ ایک دم ایک ذراع اونچی ہوگئی۔ پھر اُس کی تراش خراش ہوئی اب کی جب اس کو بٹھایا گیا تو وہ ایک دم چھوٹی ہوگئی۔ اس طرح سے دو چار بار کی تکرار اور اس بڑھا گھٹا نے کی نوبت نے حکومت وقت کو یہ باور کرادیا کہ شاید اُن کا یہ سب خدا کو منظور نہیں ہے اس لئے وہ اس خدمت سے دست بردار ہوگئی اور سمجھی کہ شاید یہ خدمت کسی اور کے حصہ میں ہے۔ چنانچہ اس نے اعلان کیا اور دوسری حکومتوں کو دعوت دی۔ اس دعوت پر قرب وجوار، دُور دراز کی حکومتوں نے اپنی اپنی طرف طرف سے نجاروں (بڑھئیوں) کو بھیجا۔ سب نے بنایا مگر یہی حالت رہی کہ سیڑھی کبھی بڑھ جاتی اور کبھی گھٹ جاتی۔ کسی کا زینہ ٹھیک و درست اور فٹ نہیں ہو رہا تھا۔

اسی اثناء میں حضرت شیخ المشائخ مولانا الحافظ سید شاہ قاسم حسینی صبغۃ اللّٰہی رح کے پوتے حضرت سید شاہ صبغۃ اللہ ثانیؒ نے ایک رات خواب دیکھا اور خواب میں کعبۃ اللہ شریف زادہا اللہ شرفا واجلالا دکھلایا گیا اور آپ کو یہ اشارہ ملا کہ آپ باب الکعبہ (ملتزم) کے لئے سُلّم (سیڑھی بناؤ)۔

چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی آپ نے قلم دوات کے ذریعہ ملتزم باب الکعبہ کی سطح کی اونچائی، لمبائی اور چوڑائی کا نقشہ کھینچ دیا اور ناپ بھی لکھ لیا۔ صبح میں کارپنٹر (بڑھئی) کو بلاکر اس کے سپرد یہ کام انجام دیا جو محض خواب کے اشارہ سے جو اس کی صحیح رہنمائی ہوئی وہ الحمد للہ مکمل ہوئی اور ٹھیک رہی۔ پھر اس کو شپ کے ذریعہ جدّہ روانہ کردیا گیا۔

جب یہ سیڑھی جدّہ بار بر پہنچی اور وہاں سے مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفا واجلالا پہنچی تو حکومتِ وقت نے اسے باب الکعبۃ (ملتزم) پر لگایا تو الحمد للہ وہ ٹھیک لگ گئی اور بالکل اپنی جگہ فٹ تھی۔ اس پر والیٔ مکہ (امیر مکہ) نے کہا کہ ھٰذہ سلم التی جاءت من الھند فارسلھا ولی الھند: یہ وہ سیڑھی ہے جو ہندوستان

سے آئی ہے۔ جیسے کسی اللہ والے نے روانہ کیا ہے۔

یہ سیڑھی حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے خلوص وللّٰہیت اور جذبۂ خدمت وعقیدت کی یاد آج بھی تازہ کرتی ہے۔

یہ سیڑھی بہت ہی مضبوط ہے۔ ساگوان کی لکڑی سے بنی ہوئی ہے۔ اس کے نیچے جو پہیّے (چاک) لگے ہوئے ہیں یہ مدوّر ایک قدم کے فولاد سے بنے ہوئے ہیں۔ موجودہ آٹورکشا کے پہیّوں (چاکوں) کے سائز کے فولادی چاک ہیں۔

یہ ساگوان کی لکڑی ماشاء اللہ ابھی تک اچھی ہے اور کافی وزنی اور مضبوط ومستحکم ہے۔ اس حقیقت کا اظہار اس زمانہ کے کسی شاعر نے قدیم دکنی زبان میں اس طرح کیا ہے: ؎

حضرتِ شاہ صبغۃ اللہ کیا کام کئے جی! مکے کو سیڑھی بھیج کے کیا نام لئے جی

راقم الحروف احقر حکیم افسر باشاہ عفی عنہٗ کو الحمدللہ دو مرتبہ اس سیڑھی کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ ایک ۲۰ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۲۵ ہجری م 3 اکتوبر سنہ 2004ء روز چہارشنبہ دن کے ۱۱ بجے محترم شیخ ابخنیر عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی کی وساطت سے محترم جناب سعید صالح الخیر صاحب نے متحف الکعبۃ المشرفۃ کی زیارت کرائی۔ جہاں بہت سارے آثار الصنادید کے دیکھنے کے زرین مواقع ہاتھ آئے وہیں حضرت مولانا الشاہ سید صبغۃ اللہ ثانی رحمۃ اللہ الباری کی روانہ کردہ یہ سیڑھی بھی دیکھنا نصیب ہوا۔ جو آج تک اسی طرح محفوظ ہے اور اس کے نیچے عربی میں یہ عبارت مکتوب ہے۔

"سلم الکعبۃ المشرفۃ من خشب الساج مورخۃ عام ۱۲۴۰ھ"۔ (یہ کعبۃ اللہ شریف کی سیڑھی جو ساگوان لکڑی سے بنی ہوئی ہے بارہ سو چالیس ہجری کی ہے۔)

دوسری مرتبہ ۱۱ر ذیقعدہ سنہ ۱۴۲۶ھ روز چہارشنبہ مطابق 4 ر دسمبر سنہ 2005ء میں بھی اللہ نے توفیق دی۔ متحف الکعبۃ المشرفۃ (میوزیم) کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ میوزیم مکۂ معظمہ میں کعبۃ اللہ شریف زادہا اللہ شرفاً واجلالاً سے کوئی پانچ چھ کلومیٹر دوری کے فاصلہ پر محلۂ "اجیاد" میں محکمۂ آثار قدیمہ متحف الکعبۃ (میوزیم) کے نام سے موجود ہے۔

یہاں بہت سے قدیم وکہنہ آثار صنادید رکھے ہوئے ہیں۔ جو دیکھنے کے قابل ہیں۔ جہاں حضرت سید شاہ صبغۃ اللہ ثانیؒ کی سیڑھی رکھی ہوئی ہے وہیں صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا لکڑی سے تراشیدہ وہ ستون بھی موجود ہے، جسے انھوں نے سنہ ۶۵ پینسٹھ ہجری میں کعبۃ اللہ میں نصب فرمایا تھا اور اس کے نیچے اس طرح تاریخی عبارت موجود ہے۔

عمود بقاعدته وتاجه من الخشب من اعمدة الكعبة المشرفة التي يعود تاريخها العمارة عبداللہ بن الزبیرؓ عام ۶۵ھ

علاوہ ازیں جس طرح بہت سے قدیم نشانیاں موجود ہیں۔ اسی طرح غلاف کعبہ کے بھی مختلف دور کے مختلف حکومتوں کے اور مختلف رنگوں کے نمونے موجود ہیں۔ جو سفید رنگ، سبز رنگ اور لال رنگ وغیرہ وغیرہ ریشم کے، دیباج کے، وول کے، دھاری دار اور غیر دھاری دار کے اقسام بھی موجود ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جاہلیت کے دور میں بھی مشرکین مکہ کعبہ کی تقدیس وتحریم کے قائل تھے اور اس کا حد درجہ احترام واکرام کرتے تھے اور اس کی خدمت کو اپنے لئے باعث افتخار وسعادت سمجھتے تھے۔ پھر اسلام کے بعد اسکی تعظیم وتکریم اور زیادہ ہونے لگی۔ ہر شخص اور ہر حکومت یہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ہماری کوئی خدمت قبول و منظور ہو جائے۔ اسی جذبہ کی خاطر جہاں سُلّم الکعبۃ (کعبۃ اللہ کی سیڑھی) کے لئے پیش قدمیاں اور سرگرمیاں ہوتی تھیں۔ وہیں غلاف کعبہ کے لئے بھی ہر دور اور زمانہ میں حکومت اپنی جانب سے غلاف کعبہ تیار کرکے روانہ کرنے کو باعث نجات وسعادت سمجھتی تھی۔

پھر جب سعودی اقتدار قائم ہوا تو آل سعود نے مصر، عمان، یمن اور شام سے تیار کرکے روانہ ہونے والے غلافوں کو روک دیا اور صاف طور پر اس کی اجازت نہیں دی بلکہ اپنی طرف سے اجیاد محلہ کے پاس قائم شدہ متحف الکعبۃ کے بازو میں اس کی مستقل طور پر ایک فیکٹری قائم کی اور اپنی طرف سے غلاف کعبہ تیار کرایا اور اس کے لئے ملک کے کونے کونے سے جہاں ماہرین کو طلب کیا وہیں ہندوستان سے بھی کپڑا بافی کے ماہرین کو بلوایا گیا۔ چنانچہ اس ہندوستان کے بھی بہت سے مقامات سے لوگ پہنچے مگر ان کی کاریگری اور پارچہ بافی پسند نہ آئی۔ البتہ بنارس کے کاری گروں نے اپنا کمال دکھایا اور وہ جوہر دکھائے جسے حکومت سعودیہ نے پسند کیا اور ان ہی بنارسی حضرات کو اس کام پر مامور کیا۔ یہی حضرات ہر سال غلاف کعبہ کی پارچہ بافی میں آگے آگے رہے۔ پھر انھیں مستقل طور پر ملازم رکھ لیا گیا۔ جو الحمدللہ آج تک پُشت ہا پُشت سے ہندوستان کے مشہور شہر بنارس کے کاری گروں ہی کے ہاتھوں یہ معزز کام انجام پا رہا ہے۔ اس طرح ایک طویل عرصے سے ان ہی کی اولادوں کے سپرد یہ کام ہو رہا ہے۔ جو یقیناً ہم ہندوستانیوں کے حق میں ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے جو باعث فخر اور لائق سعادت ہے سچ ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

روایت ہے کہ حضرت شیخ المشائخ سلطان العارفین مولانا حافظ سید شاہ قاسم حسینی صبغۃ اللّٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ یا لنگر خانہ میں ہر وقت و ہر آن مسافرین و مریدین کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر رہتا تھا اور یہ سب کی آماجگاہ ہوتا تھا۔ اور "بر ایں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست" کی طرح ہر اپنے غیرے آپ کے اس لنگر خانہ سے مستفید و مستفیض ہوتا تھا۔ اور صبح سے شام تک مسلسل آنے جانے والوں کے کھانوں کا انتظام اسی لنگر خانہ میں ہوتا تھا۔ ایک وقت انگریز والسرائے کا گزر اس لنگر خانہ سے ہوا تو وہ اپنی سواری روک کر پورے حیرت و استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ: حضرت! ہر وقت ایک جم غفیر کے کھانوں کا انتظام آخر کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا کہ "وہ ہاتھی باندھ رکھا ہے چارہ کا نظام اوپر والے کے ہاتھ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ بس اسی کی ذات پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہے"

اس جواب سے وہ نہ صرف بے حد متاثر ہوا بلکہ آپ کا مداح اور خیر خواہ بھی رہا۔

غرض حضرت شیخ المشائخ مولانا حافظ سید شاہ قاسم حسینی صبغۃ اللّٰہی رحمہ اللہ الباری کے حالات و واقعات پر جو خاندان میں مشہور و معروف تھے۔ مختصر روشنی ڈالی ہے اور جہاں تک علم ہے اسے ظاہر کرنے کی جرأت و ہمت کی ہے اور اللہ تعالیٰ ان بزرگانِ دین کے طفیل و صدقہ میں اسے بھی قبول و منظور فرمالے۔ آمین!!

حکیم سید افسر باشاہ عفی عنہٗ

نعت شریف

شیدا رومانی: رائچور

کس کو بتلاؤں مرے دل کی تمنا کیا ہے
آپ مل جائیں بس غیر سے لینا کیا ہے

عشقِ احمدؐ کی نوازش ہے جیئے جاتا ہوں
ورنہ اس دنیا کے بازار میں رکھا کیا ہے

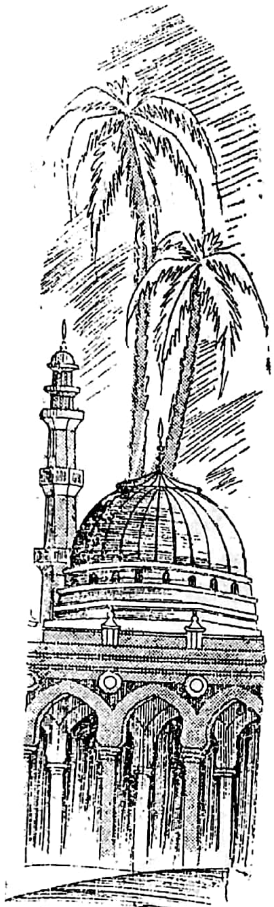
پیار، اخلاص، کرم، عفو، شفاعت، رحمت
کملی والے تیرے دامن میں چھپا کیا کیا ہے

ہم اگر مومنِ کامل کی نظر سے دیکھیں!
پاؤں کی دھول ہے یہ دولتِ دنیا کیا ہے

زندگی مقصدِ تکمیلِ ہوس تھی اپنی
تم نے بتلایا کہ جینے کا طریقہ کیا ہے

آپؐ کے امتی کہلانے کے قابل نہ رہے
ہم بھلا بیٹھے ہیں ایمان کا تقاضا کیا ہے

نعتِ احمدؐ سے جلا ملتی ہے دل کو شیدا!
اس سے بہتر مرے جینے کا سہارا کیا ہے



اُمّ المؤمنین

حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا

کاتب محمد شریف برکاتی : آمبور

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر میں ۱۱ رمضان المبارک کو ہجرت مدینہ سے تین سال پہلے انتقال فرماگئیں۔ آپؐ فکرمند اور غمزدگی زندگی بسر کررہے تھے۔ دو چھوٹی بچیاں حضرت ام کلثومؓ اور بی بی فاطمہ گھر میں تھیں۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ گھر کے انتظام میں تبدیلی کی وجہ سے تبلیغی سرگرمیاں بھی اثر پذیر ہوئیں۔

بی بی خدیجہؓ کے انتقال اور حضرت کے چچا ابو طالب کے انتقال کی وجہ سے کفار اور مشرکین بھی دلیر ہوگئے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ ایک بار ایک قریشی نے آپؐ کے سر اقدس پر مٹی پھینکی آپؐ اسی حال میں گھر پہنچے۔ دونوں بچیوں کو صدمہ پہنچا۔ ایک بچی روتی جاتی تھی اور سر مبارک دھوتی جاتی تھی اور حضورؐ ان کو تسلی دیتے جاتے تھے۔

ایک بار آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش کے سردار بھی وہاں بیٹھے آپؐ کو دیکھ رہے تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ فلاں گھر کے سامنے ایک دن پہلے کی ذبح کی ہوئی اونٹ کی اوجھ پڑی ہے۔ کوئی لائے اور اس شخص کی پیٹھ پر سجدے کی حالت میں رکھ دے۔ ایک شخص عتبہ بن ابی معیط گیا اور اوجھ لاکر سجدہ کی حالت میں حضورؐ کی پیٹھ پر رکھ دیا۔ بوجھ کی وجہ سے آپؐ سجدے سے سر اٹھا نہیں سکے۔ حضورؐ کے گھر یہ خبر پہنچی تو بی بی فاطمہ روتی ہوئی آئیں اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے وہ بوجھ آپؐ کی پیٹھ سے اتار پھینکا۔ پڑوسی بھی کوڑا کرکٹ، بکریوں کا اوجھ آپؐ کے گھر میں پھینک دیتے تھے۔ آپؐ اس کو چھڑی یا لکڑی کی مدد سے باہر لاتے اور کہتے، کیا پڑوسی کا یہی حق ہے جو تم ادا کررہے ہو۔ اس نجاست کو باہر پھینک دیتے تھے۔

گھر کی کچھ ذمہ داریاں کپڑے دھونا، بچوں کی دیکھ بھال اور چھوٹے موٹے کام حضرت زیدؓ بن حارثہ کر لیا کرتے تھے مگر بڑی ذمہ داری حضور اکرمؐ کے سر آ پڑی تھی۔

حضرت خولہؓ بنتِ حکیم اور ان کے شوہر حضرت عثمان بن مظعونؓ قدیم الاسلام تھے۔ دونوں میاں بیوی حضور اکرمؐ کے تشریف لے جاتے اور آپؐ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون اور خولہؓ بنتِ حکیم دونوں کو حضور اکرمؐ کی زندگی سے پیار تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے وصال کے حضورؐ کی زندگی غم واندوہ اور بچیوں کی پرورش و دیکھ بھال میں گزر رہی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے اس سلسلہ میں بات چیت کی۔ خولہ بنتِ حکیم نے اپنے شوہر کو بتایا کہ سودہؓ بنت زمعہ ایسی خاتون ہے، جو حضور اکرمؐ کی بچیوں کی دیکھ بھال بھی کر لیں گی اور حضور اکرمؐ کے آرام وراحت کا بھی دل وجان سے دھیان رکھیں گی۔ اس کے بعد خولہؓ بنتِ حکیم نے کام سے فراغت کے بعد حضور اکرمؐ کے پاس ادب سے بیٹھ کر عرض کیا۔ بی بی خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ کو اکثر مغموم واداس پاتی ہوں، گھر کا انتظام بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بچیوں کی دیکھ بھال بھی ٹھیک نہیں ہے آپؐ کو ایک ایسی رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے جو گھر بار کے ساتھ ساتھ بچیوں کی تربیت بھی کر سکے اور آپؐ کے آرام وراحت کا بھی خیال رکھ سکے۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: تم ٹھیک کہتی ہو! ہے کوئی ایسی عورت جو اِن تمام کاموں کو بحسن وخوبی ادا کر سکے! تو حضرت خولہؓ بنتِ حکیم نے کہا: سودہ بنتِ زمعہ، جو عالی نسب اور عالی حوصلہ ہے۔ ترویج دین کے معاملہ میں بھی اُن کی سعی کا آپ کو علم ہے۔ خاندان والوں کو حلقہ بگوش اسلام ہونے پر آمادہ کرتی رہی ہیں۔ اس کے بعد خولہ بنتِ حکیم اُن کے گھر گئیں اُن کے والد زمعہ سے بات چیت کی اور کہا آپ کی بیٹی سودہؓ کے لیے حضور اکرمؐ محمد بن عبداللہؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے نکاح کا پیغام لائی ہوں۔ سودہؓ کے والد زمعہ بن قیس نے کہا: سودہ کی رائے اور مرضی بھی معلوم کر لینا ضروری ہے۔ یہ سنتے ہی خولہ بنتِ حکیم سیدھے سودہ کے پاس پہنچیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح سنایا اور کہا تمہارے باپ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خولہ بنتِ حکیم کی بات سن کر حضرت سودہؓ نے حامی بھر لی۔ شوال کا مہینہ اور ۱۰ سنہ نبوی کو حضور اکرمؐ اپنے چند اصحاب کے ہمراہ زمعہ بن قیس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؓ کے پہلے شوہر کے دو بھائی حضرت سلیطؓ اور حاطبؓ اور سگا بھائی مالک بن زمعہ حاضر تھے۔ خود زمعہ بن قیس نے نکاح پڑھایا۔ حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔ باپ کے گھر سے رخصت ہو کر حرمِ پاک میں شامل ہو گئیں۔ حضرت سودہؓ کا دوسرا بھائی عبداللہ واپس مکہ آیا، جو ہنوز کافر تھا۔ حضورؐ سے دشمنی رکھتا تھا۔ شادی کی خبر سنا تو اپنا سر پیٹ لیا اور سر پر خاک ڈالی کر

اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ چند دنوں کے بعد دل و دماغ کے دریچے کھل گئے۔ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا

سودہ بنت زمعہؓ کا تعلق قریش کے ایک معزز خاندان عامر بن لوی سے تھا۔ اور والدہ کا نام شموس بنت قیس۔ سودہ کے نانا قیس حضورؐ کے پردادا ہاشم کی بیوی سلمٰی کے بھائی تھے۔ ان کا تعلق یثرب کے قبیلۂ بنو نجار سے تھا خاندانی شرافت اور نجابت، فطرت اور طبیعت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کے شوہر سکران بن عمرو بھی شریف اور نجیب تھے۔ اور ان کے چچا کے بیٹے تھے۔ دونوں نے تبادلۂ خیالات کیا اور حضور اکرم محمد بن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت و امانت کا چرچا گھر گھر ہونے لگا۔ جب چالیس برس کے ہوئے تو اللہ کے حکم سے نبوت کا اعلان فرمایا اور دینِ اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ اس وقت تین گروہ وجود میں آئے۔ اول مومنین کا گروہ سلیم الفطرت، حق پسند، تھا۔ جلد ہی دینِ اسلام سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا۔ دوسرا گروہ کفار کا تھا جو اسلام کو گلے لگانے والوں پر ظلم و ستم اور بربریت کی روش اختیار کیا۔ اور تیسرا گروہ منافقین کا تھا۔ جن کا ظاہر اسلامی تھا اور باطن کفر، مکر و فریب، جھوٹ، اختلاف اور تضاد شعار کے مالک تھے۔

سودہ بنتِ زمعہؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر نبوت و رسالت کو تسلیم کر لیا۔ اسلام کے ابتدائی تین سالوں میں انہوں نے اپنے میکے اور سسرال میں دعوتِ اسلام شروع کر دیا۔ ان کے خاندان سے ان کے شوہر سکران بن عمرو، دیور کے بیٹے عبداللہ بن سہیل، دیور حضرت حاطبؓ اور سلیط، فاطمہ بنتِ علقمہ دیورانی، بھائی عبدالملک بن زمعہؓ اور حضرت ابو سبرہ بن ابی ارہم، حضور اکرمؐ کی پھوپی برہ کے صاحبزادے مسلمان ہوئے۔

کفار کی سختیاں بڑھتی گئیں۔ عبادت کرنی مشکل تھی، چلنے پھرنے سے ڈرتے تھے۔ اُن کو جائے پناہ کی تلاش تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ رحمدل اور مہربان ہے وہ تمہیں آرام سے رکھے گا۔ حکم پاتے ہی ایک خاص تعداد ہجرت کے لیے تیار ہو گئی۔ گیارہ مرد اور چار خواتین کا قافلہ حبشہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ سودہؓ بنتِ زمعہ، ان کے شوہر سکران بن عمرو اور لڑکا عبدالرحمٰن ہجرت نہ کر سکے۔ پہلی ہجرت کے بعد لوگ مسلسل حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ کفارِ مکہ نے سفارت بھیجی کہ اپنے ملک میں مقیم مسلمانوں کو واپس کر دے۔ یہ سفارت ناکام ہوئی۔

دوسری بار ہجرتِ حبشہ کا حکم ملا۔ آسانی سے قافلوں کی روانگی مشکل تھی سخت مزاحمت اور رکاوٹوں کے باوجود تراسی ۸۳ مردوں اور بیس ۲۰ عورتوں کا ایک قافلہ حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں دونوں میاں بیوی شامل تھے۔ ان کے ساتھ ابو سبرہ بن ارہم (حضورؐ کے پھوپی زاد بھائی) ام کلثوم، دیور سہیل بن عمرو کی بیٹی، عبداللہ بن سہیل بن عمرو (دیور کا بیٹا۔)

سلیط بن عمرو (دیور) ابو حاطب بن عمرو (دیور) مالک بن زمعہ (بھائی) اور عمیرہ بنت السعدی (بھابی) خاندان اور قبیلے کی مخالفت کے باوجود یہ سب ہجرت کر گئے۔ وطن سے دُور مسلمان حبشہ میں آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر حضرت سودہؓ اور سکرانؓ دونوں میاں بیوی اکثر مکہ اور مکہ کی گلیوں کو یاد کر لیتے اور ایک دوسرے سے کہہ لیتے، ہم یہاں آکر بڑی غلطی کی۔ ہمیں مکہ ہی میں رہنا چاہیئے تھا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم ہیں۔ ہم یہاں آرام سے رہیں اور وہاں مکہ میں حضور اکرمؐ تکلیف برداشت کرتے رہیں۔ دل کو جو سکون چاہیئے وہ نہیں مل رہا ہے۔ شاید یہ رحمۃ للعالمین سے دُوری کا نتیجہ ہو۔ ہمیں واپس چلا جانا چاہیئے۔ لہٰذا مہاجرین کی بڑی تعداد واپس لوٹ آئی۔ ان میں حضرت سودہؓ اور سکرانؓ بھی تھے اور ان کے خاندان والے بھی۔

مسلمانوں کو علم تھا کہ انؐ کے رہبر اور ہادی صلے اللہ علیہ وسلم پر کس کس طرح کی تکالیف پہنچائی جا رہی ہیں، بے بس تھے۔ صبر کے سوا چارہ نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں تھا۔ دونوں میاں بیوی ان حالات سے بہت متاثر تھے۔ دل سے رنجیدہ ہوتے، خاموش ہوتے اور صبر کرتے کچھ کرنے سے قاصر تھے۔

ایک دن سودہؓ نے اپنے شوہر سکرانؓ سے کہا: رات میں نے خواب دیکھا ہے۔ شوہر نے پوچھا: کیا؟ جواب دیا کہ ہادئ برحقؐ نبی کریمؐ تشریف لائے ہیں اور آپؐ نے اپنا پاؤں مبارک میری گردن پر رکھ دیے ہیں۔ شوہر نے پوچھا: کیا واقعی یہی خواب دیکھا؟ بیوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شوہر نے اس کی تعبیر سنائی کہ میں بہت جلد اس دارِ فانی کو چھوڑ جاؤں گا اور تم سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نکاح فرمائیں گے۔

چند دنوں کے بعد سودہؓ نے کہا: سکرانؓ آج رات میں نے پھر خواب دیکھا: شوہر نے پوچھا: کیا؟ جواب دیا: کیا دیکھتی ہوں کہ لیٹی ہوئی ہوں۔ چاند چمک رہا ہے۔ اچانک وہ لوٹا اور مجھ پر آپڑا۔ سکران نے پوچھا: کیا تُم نے ایسے ہی دیکھا ہے؟ جواب دیا بالکل اسی طرح۔ تو شوہر نے کہا: میں بہت جلد دنیا سے چلا جاؤں گا اور سرکارِ مدینہؐ تُم سے نکاح کرلیں گے۔ اس کے چند دنوں بعد سکرانؓ بن عمرو بیمار پڑ گئے اور انتقال کر گئے اور حضرت سودہؓ بیوہ ہو گئیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیوں اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے کفار نے حضور اکرمؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس منصوبہ کو خاک میں ملا دیا اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ نبوت کا تیرھواں ۱۳ سال تھا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور خفیہ طور پر ہجرت اختیار کی۔ اہل و عیال کو ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا۔ حضرت سودہؓ نے استقلال اور عالی ہمتی سے دونوں شہزادیوں، امّ کلثومؓ

اور بی بی فاطمہؓ کی سرپرستی، دیکھ بھال محبت اور جانفشانی سے کی یہ انھیں کا حصہ تھا۔ ان کو اس امر کا احساس ہونے نہ دیا کہ ان کی ماں نہیں ہیں۔

حضور اکرمؐ مدینہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں قیام پذیر ہوئے۔ سات مہینوں کے عرصہ میں مسجدِ نبویؐ تعمیر ہوئی اور اس کے ساتھ دو حجرے ایک حضرت سودہؓ کے لیے اور دوسرا بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے تیار کرائے۔ رمضان المبارک سنہ ۱ ہجری میں حضورؐ نے زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافعؓ کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ بھیجا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن اریقط کو دو اونٹ کے ساتھ مکہ بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کو لکھا کہ بیوی بچوں کو سوار کرا کے مدینہ بھیجیں۔ یہ تینوں حضرات مکہ پہنچے اور ام المؤمنین حضرت سودہؓ اور حضور اکرمؐ کی دونوں بیٹیاں، حضرت صدیقؓ کی زوجہ اُمّ رومان، عبداللہ بن ابوبکرؓ، اسماء بنتِ ابوبکرؓ، عائشہؓ بنتِ ابوبکرؓ حضرت اُمّ ایمنؓ حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ، ایمن بن زید بن حارثہ، اسامہؓ بن زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر چند ہی دنوں میں مدینہ پہنچ گئے۔ چند صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم نے اپنے نخلستان سے کچھ درخت، دودھ دینے والی اونٹنیاں اور بکریاں بطور ہدیہ پیش کیں۔ دودھ اور کھجوروں پر ان کا گزارہ تھا۔

رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں بمقامِ بدر حق و باطل کا پہلا معرکہ ہوا۔ جس میں تین سو تیرہ ۳۱۳ صحابہؓ شریک تھے اور کافروں کی تعداد ان سے زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلمان بندوں پر احسان فرمایا: **لقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ**: یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی۔ درآنحالیکہ تم بے سروسامان تھے۔ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے مدد ہے۔ نہ کہ کثرت و قلت کی بنا پر، لاریب کوئی مدد نہیں کرتا مگر عزت والا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

حضرت سودہؓ کی موجودگی میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک میں جو ازواجِ مطہرات داخل ہوئیں وہ یہ تھیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سنہ ۲ھ	حضرت حفصہ بنت حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہا سنہ ۳ھ
حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا سنہ ۴ھ	حضرت اُمّ سلمیٰ رضی اللہ عنہا سنہ ۴ھ
حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سنہ ۵ھ	حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا شعبان سنہ ۵ھ
حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سنہ ۶ھ	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جمادی الآخر سنہ ۷ھ
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ذی قعدہ سنہ ۷ھ	

ان تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا تعلق اور سلوک مثالی تھا۔ سب سے محبت فرماتی

تھیں: میں نے سودہؓ کے سوا کسی عورت کو جذبۂ رقابت سے خالی نہیں دیکھا۔ کسی اور عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہو۔

ایمان کی حلاوت سے مالا مال تھیں، مزاج میں بشاشت اور شگفتگی، سرخوشی اور خندہ لبی تھی۔ اپنے انداز اور گفتار میں ایسا طرز اختیار کرتی تھیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر تبسم فرما دیتے تھے۔ کبھی کبھی آپؐ کے سامنے اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپؐ ہنس پڑتے تھے۔ حضرت سودہؓ دجال کے بارے میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت سودہؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں۔ دونوں نے ان سے کہا کہ دجال نے خروج کیا ہے۔ یہ سن کر آپؓ گھبرا گئیں اور ایک خیمہ میں گھس گئیں۔ دونوں ازواج ہنستی ہوئی حضور اکرمؐ کی خدمت میں پہنچیں اور دجال کے خروج اور حضرت سودہؓ خیمہ میں چھپنے کا حال بیان کیا۔ حضور اکرمؐ یہ سن کر باہر آئے اور اس خیمہ کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: سودہؓ باہر آجاؤ۔ ابھی دجال نہیں نکلا۔

آپؓ طویل القامت اور فربہ جسیم تھیں۔ محبت، وفاداری، خدمت گزاری، غمگساری، قربانی وایثار اور بہترین سلوک کی حامل تھیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے باری مقرر کر رکھی تھی۔ آپؓ سن رسیدہ تھیں۔ یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں حضور اکرمؐ انھیں طلاق دیدیں۔ اس لیے انھوںؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ صدیقہ کو دے دیا۔

حضورؐ خیبر کی فتح کے لیے تشریف لے گئے۔ دس بارہ دن تک محاصرہ رہا اللہ تعالےٰ نے فتح عطا فرمائی۔ مال غنیمت میں سے حضرت سودہؓ کو اسّی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو عطا فرمائے۔ ۹ھ ہجری میں حج فرض ہوا۔ آپؐ دعوتِ اسلام، تعلیم احکام اور بنیادی استحکام میں مشغولیت کی وجہ سے حج کو نہ جاسکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ لوگوں کو حج کرائیں۔ ۱۰ھ ہجری میں حضور اکرمؐ حج کے لیے نکلے۔ اسی کو 'حجۃ الوداع' کہتے ہیں۔ اس حج کے موقعہ پر آپؐ اپنی ازواجِ مطہرات کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت سودہؓ فربہ اندام اور طویل القامت تھیں۔ تیز چلنے میں دشوار تھی۔ مزدلفہ کے قیام کے دوران حضور اکرمؐ سے اجازت لے کر منیٰ پہنچیں، صبح کی نماز ادا کی۔ یہ حج ظہورِ حصر میں ہے۔ یعنی اب ازواجِ مطہرات گھروں سے چمٹی رہیں گی۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو حضور اکرمؐ تریسٹھ ۶۳ برس کی عمر میں اپنے مولائے کریم کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت سودہؓ کی عمر چونسٹھ ۶۴ سال کی تھی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت ۱۴ سال میسر رہی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا چمڑے کی صنعت میں مہارت رکھتی تھیں۔ طائف کی کھالیں بناتیں۔ ان کی مالی حالت بہتر تھی۔ اس آمدنی کو نیک کاموں میں خرچ کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے آپؓ کی خدمت میں درہم بھیجے۔ آپؓ نے ان درہموں کو کھجوروں کی طرح تقسیم کر دیا۔ اکثر ازواجِ مطہراتؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ حضرت سودہؓ کو ساتھ چلنے کو کہتیں تو فرماتی تھیں: حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اپنی چٹائی کی پشت سے چمٹی رہوں گی، آپؐ کے بعد سواری پر سوار نہ ہوں گی۔ عمرہ بھی کر چکی ہوں۔ حج بھی ادا ہو گیا۔ اب اپنے گھر میں ہی رہوں گی۔ آپ اس کے بعد گھر سے باہر نہ نکلیں۔

آپؓ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ ایک بخاری میں اور چار احادیث کی مختلف کتابوں میں ہیں۔

آپؓ کا وصال ۵۴ سنہ ہجری میں ہوا۔ اس وقت آپؓ کی عمر بہتر ۷۲ برس کی تھی۔ وصال سے قبل وصیت فرمائی کہ میرے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا گھر عائشہؓ کو دے دیا جائے۔

حضرت اسماءؓ بنت عمیسؓ نے پردہ دار مسہری جو انھوں نے حبشہ میں قیام کے دوران دیکھا تھا، جو عورتوں کی میت کے لیے دیکھا تھا، بتایا۔ لہذا حضرت سودہؓ کے لیے ایسی ہی مسہری تیار کی گئی۔ اسے دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں دُعا دی کہ تم نے اُن کو پردہ میں چھپایا، اللہ تمہاری پردہ پوشی فرمائے۔

جنازے کی تیاری کے بعد جنت البقیع لے جایا گیا اور سپردِ خاک کر دیا گیا۔

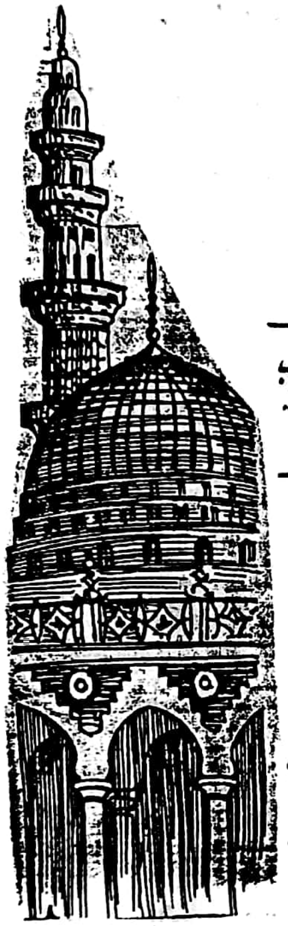
انا للہ وانا الیہ راجعون ○

بقیہ صـــ کا (ترجمۂ مکتوب)

لوارث یعنی حق تعالےٰ نے ہر صاحب حق کا حق میراث میں متعین کر دیا ہے۔ لہٰذا اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے نیز حدیث شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے لا وصیة لوارث الا ان یشاء الورثہ یعنی وصیت وارث کے لئے صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر باقی دوسرے ورثا بھی اس پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔

اس صورت میں وصیت کی فرضیت کا حکم جس کی طرف آپ نے سوال میں اشارہ کیا ہے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی پر دَین ہو یا کسی کی امانت ہو تو اس وقت وصیت کرنا واجب ہے۔

اوقات کی قلت اور اشغال کی کثرت جواب کی تطویل و تفصیل سے مانع ہے۔ زیادہ اللہ تعالےٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو، جہاں بھی رہو۔ ؎ عمر بگذشت و حدیث درد من آخر شد شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را



مدینۂ طیّبہ کے اسمائے مقدّسہ

یس محمد یوسف شماس، ایم اے، اکنامکس، اسٹیشن مینیجر SCR ولیفہ پاٹ
ادھونی

مدینہ عشق کی بستی مدینہ پیار کی بستی
مکاں میں لامکاں میں احمدِ مختار کی بستی

مدینۂ منوّرہ عالم کا نگینہ ہے۔ آسمانی صحائف مقدّسہ میں مدینۂ منوّرہ کے کئی اسمائے گرامی اور بے شمار فضائل منقول ہیں۔ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینۂ منوّرہ کی مٹی سے پیدا ہوئے۔ یہ شہر قرآن کی برکت سے فتح ہوا۔ اس کی مٹی خاکِ شفاء ہے۔ اس شہر میں رہنے کی ترغیب دی گئی اور جو بھی وہاں پر فوت ہوا اُس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہے اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے سب سے پہلے شفاعت ہوگی۔

مختلف سیرت کی کتابوں میں مدینۂ منورہ کے کئی اسمائے مقدّسہ مرقوم ہیں۔ اتنی کثرت سے نام دنیا کے کسی شہر کے لیے نہیں رکھے گئے۔ ہم چند اسمائے مقدّسہ بلحاظِ تہجی ان کی خوبیوں کے لحاظ سے رقم کر رہے ہیں:۔

الف

۱	ارض اللہ	اللہ تعالےٰ کی مخصوص سرزمین۔
۲	ایمان	یہ شہر ایمان کے احکام اور ایمان کا سرچشمہ ہے۔
۳	اَکالۃُ البلدان اَکالۃُ القریٰ اُمّ القریٰ	دُنیا اور اطرافِ عالم کے تمام شہروں پر اس کے احکام غالب ہیں۔

۵ ارض الھجرت — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینۂ منورہ کو ہجرت فرمائی۔
اسی سے سن ہجری کی ابتدا ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے دو سال پیشتر آپؐ کے محبوب اور ہم شبیہ صحابی سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے آپؐ کے خصوصی نائب کی حیثیت سے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی۔ اس وقت روئے زمین پر اسلام کے پیغام اور تبلیغ کے لیے دو مقدس ہستیاں تھیں۔ ایک مکہ معظمہ میں ذات سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینۂ منورہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔

(ب)

۱ بارّہ اور برّہ — بڑائی اور بھلائی کا شہر اور نیکیوں کا خزانہ ہے۔

۲ بیت الرسول — مکہ معظمہ بیت اللہ ہے اور مدینۂ منورہ بیت الرسول ہے۔ ہجرت کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا۔

۳ بلد — لااقسم بھذا البلد سے مراد مدینۂ منورہ ہے۔

۴ البحرہ
۵ البُحیرہ
} اس کی معنی فراخی کے ہیں۔ چوں کہ وہاں کی زمین وسیع ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوئی۔

۶ بلاط — اس کے معنی وہ پتھر ہیں جو زمین پر بچھائے گئے۔ مدینہ کی سرزمین میں کثرت سے پتھر ہیں۔

(ت)

تندر اور تندا

(ج)

۱ جابرہ اور جبّارہ — شکستہ دلوں اور مصیبت زدوں کا سہارا۔ یہ شہر فقیر کو غنی کرتا ہے۔

۲ جزیرۃ العرب — مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ اس سے مراد مدینۂ منورہ ہے اور بعض نے حجاز مراد لیا ہے۔

۳ جنّۃ الحصینہ — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احد کے موقعہ پر فرمایا کہ انا فی جنّۃ الحصینہ یعنی میں مضبوط ڈھال کے اندر ہوں یعنی مدینۂ طیّبہ مراد ہے۔

(ح) حرم المدینہ — حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "حرم ابراھیم مکہ وحرمی للمدینہ: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا حرم مکّہ ہے اور میرا حرم مدینہ ہے۔ (طبرانی)

حسنہ — مدینۂ منوّرہ کے خوب صورت باغات، پہاڑیاں، وادیاں، مدینہ کی گلیاں، خوب صورت بازار اور ذرّہ ذرّہ حسین اور پُر نور ہے

(خ)

خیرہ اور خیّرہ — ہر قسم کی خیر خوبیوں، وسعت، رحمتوں اور برکتوں کا مرکز۔

(د)

دارُالامان — امن و امان کا گھر۔

(س)

سیّد البلدان — سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ اسے عالم کے تمام شہروں کا سردار کہا کرتے ہیں۔

(ش)

شافیہ — سفا دینے والا ۔ یہاں کی مٹی خاکِ شفا ہے ۔

حترتے — تمام نعمتوں سے معمور سرزمین ۔

(ط) اطابہ، ۲ طیبہ، ۳ طیّبہ — یہ اسمائے مطہرہ توریت نے دیے ہیں ۔ پاکیزگی سے یہ اسمائے مبارکہ مشتق ہیں ۔ یہ سرزمین شرک کی نجاست سے پاک ہے ۔ یہاں کی آب و ہوا پاک ہے ، مٹی پاک ہے اور خوشبو دار ہے اور اس کی مثال دنیا کی کسی خوشبو میں نہیں پائی جاتی ۔

(ع) عاصمہ — ایذائے مشرکین سے مہاجرینؓ کے محفوظ رہنے کی جگہ کی وجہ سے ہے یہاں کے تمام ساکنان اور مسافر حلقۂ رحمت میں آجاتے ہیں اور تمام آفاتِ دنیا اور دینوی سے محفوظ ہو جاتے ہیں ۔

(ف) فاضحہ — بد کار اور بد عقیدہ لوگ اس مقام پہ پوشیدہ نہیں رہ سکتے ۔ ذلّت اور رسوائی سے مواخذہ میں آجاتے ہیں ۔

(ق) قریۃ الرسولؐ — رسولؐ کی بستی ، رسولؐ کا شہر ۔

(م) مطابہ — یہ نام بھی پاکیزگی، طہارت اور خوشبو کے معنی میں توریت میں مرقوم ہے ۔

۲ محروسہ

۲ محروسہ — مدینہ منورہ کے اطراف ہر گلی کوچہ میں فرشتے متعین ہیں۔

۳ محفوظہ — اور اس کی پاسبانی کر رہے ہیں۔

۴ محفوفہ

۵ مجبورہ — وہ سرزمین جو سبزیاں جلد اگائے۔

۶ معصومہ — ہر قسم کے فتنے، فتنۂ دجّال، طاعون، ہر مکروہ اور منحوس سے محفوظ رہنے کا مقام

۷ مومنہ — توریت میں اس کا نام مومنہ بھی ہے جس طرح کنکریاں، پتھر، اشجار وغیرہ نے آپؐ کا کلمہ پڑھا اسی طرح جملہ کی جملہ مدینہ کی سرزمین آپؐ پر ایمان لائی۔

۸ میمونہ — امن و امان اور سلامتی کا مقام۔

۹ مرحومہ — جائے اور ٹھکانہ رحمۃ للعالمینؐ کا اور جائے نزول الرحم الراحمین کی اس کی رحمت خاص و عام تمام اہلِ عالم پر ہے۔

۱۰ مرزوقہ — یہ اسم مقدس بھی توریت سے منقول ہے۔

۱۱ مسکینہ — سیدنا علی کرم اللہ وجہہ دیگر اسمائے مقدسہ کے ساتھ یہ اسم اقدس بھی لاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس شہرِ مقدس کے نام مبارکہ: طیبہ، مقدّسہ، مدینۃ النبیؐ، مضجع الرسولؐ وغیرہ بھی ہیں۔ اس شہر میں آپؐ کی آمد اور سکونت کی وجہ سے اسم یثرب بالکل متروک ہو گیا

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات

جذب القلوب الی دیار المحبوب : شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح

تاریخ حرمین شریفین : علامہ الحاج کرارہ مصری رح

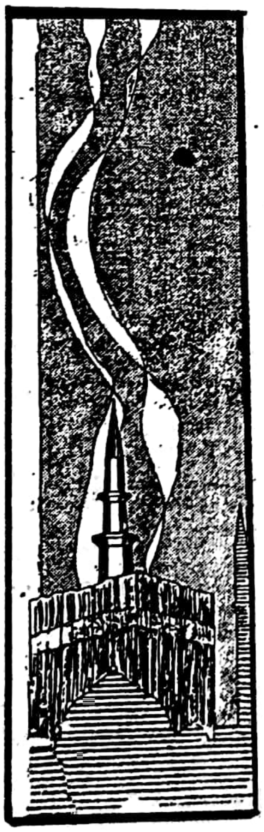
جزیرۃ العرب : مولانا محمد رابع ندوی

اور دیگر کتب احادیث و سیر وغیرہ

اے ربّ العالمین

الحاج سید محمود قادری محمود : حیدرآباد

برادرانِ اسلام ! آج ہم اپنی کوتاہبینی اور اللہ تعالےٰ کے دین اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے راستے سے جو تجاوز کر چکے ہیں جس کا نتیجہ ہم آج کڑی آزمائش میں مبتلا ہوگئے ہیں ۔ آج ہمارے دین کو اور ہم کو شیطانی طاغوتیں جس طرح سے زیر وزبر کر رہی ہیں ۔ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی رحمت وکرم کی نظر ہم پر سے ہٹ گئی ہیں ۔ آج ہمارا قلبی اعتراف اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں رجوع ہو کر اللہ تعالےٰ کی



نیت وسماجت التجا ایک دعا کی شکل میں پیش کر رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے وہ ہمارے کوتاہیوں کو غلطیوں کو اور بداعمالیوں کو معاف کرتے ہوئے پھر سے ہم کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت ہو اور ہمارے نبیٔ مقدس حضور اکرم سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو اپنائے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری رحمت میرے عذاب پر غالب رہے گی ۔ اے بندے ! آ میرے دربار میں سچے دل سے توبہ کر میں تجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دوں گا ۔ پھر وہی تجھے دنیا میں مقام عطا کروں گا جو تیرے اسلاف نے جو میرے بتلائے ہوئے راستے پر چلے تھے اور سیرتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے تھے ۔ جن کی شان و دبدبہ اور ان کی دینِ الٰہی پر جان نثاری کو اپنی رحمت ان پر نازل کر کے ان کی قوت و اتحاد کا اور اسلام کے سچے پیروکار ہونے کا ، اسلام کا پرچم لہرانے دیا تھا ۔ جن کی اسلامی حمیت نے اسلام سے محبت اور مذہبی بیداری اور خدا تعالےٰ کا ڈر خوف اور سیرتِ

محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی صفت نے ان کے ہیبت وجلال وشان نے ان شیطانی قوتوں پر اثر انداز ہو کر ان کو تاخت وتاراج کر دیا تھا۔ آئیے ایک دُعا بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

دعــــا

اے خداوند قدوس! اے وہ کہ تیرے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا کی ہر شئے تیری ہی تسبیح وتقدیس میں مصروف ہے اور کائنات کا ہر ذرّہ تیری ہی ربوبیت اور خلاّقیت کا اقرار کر رہا ہے۔ ہماری دعاؤں کو سُن اور ہمارے دلوں کو طمانیت عطا فرما۔ اے رب ذوالجلال! دنیا کی تمام نعمتیں تیری ہی طرف سے ہیں اور دنیا کی ہر شئے کی خلق وتربیت میں تیرا ہی تصرف ہے۔ خشکی کا ہر ذرّہ اور دریا کا ہر قطرہ تیری ہی وحدانیت اور قدرت کی گواہی دے رہا ہے۔ ہمارے حال پر لطف وکرم فرما اور ہمارے ارادوں میں کامیابی عطا کر۔ اے خالقِ ارض وسما! ہم تیرے پرستار ہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں اگر تیرا فضل واحسان ہمارے شاملِ حال نہ ہو تو ہمارا کوئی کام تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگر تو ہم سے روٹھ جائے تو زمین آسمان کی کوئی ہستی بھی ہماری معاون ومددگار نہیں ہو سکتی۔

اے غفور الرحیم! ہمارے گناہ معاف کر، ہماری خطاؤں پر پردہ ڈال۔ ہمیں ذلیل وخوار نہ کر۔

اے ہمارے حقیقی بادشاہ! تو نے اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے خواہ کتنی ہی نافرمانیاں کی ہوں اور وہ کیسی ہی سخت مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ لیکن وہ سچے دل سے توبہ کریں ہیں تو میں ان کو معاف کر دیتا ہوں۔ ان پر اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہوں اور ان کی دعاؤں کو سُنتا ہوں اور ان کے مقاصد کو پورا کرتا ہوں۔

اے ہمارے مالک! ہم سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور تیرے رحم وکرم کے خواستگار ہیں۔ اے خدائے علیم وخبیر! تجھے معلوم ہے کہ آج تیرے پسندیدہ دین پر اعدائے حق کے حملہ کیا ہے اور وہ تیرے عبادت گزار بندوں کو اپنے ظلم واستبداد کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

رب الارباب! ان کے عزائم باطلہ کو خاک میں ملا دے اور ہمیں خدمتِ دینِ حق کی توفیق عطا فرما۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اعتراف ہے کہ ہم نے اپنے نفس کے مکروفریب میں آ کر تیرے احکام کی تعمیل وتکمیل میں کوتاہیاں کیں۔ تیرے مقرر کئے ہوئے آئین وقوانین کی پابندی سے غفلت میں مبتلا

ہوئے اور اپنی وہ ممتاز خصوصیتیں جو تیرے محبوب عربی حضور اقدس سیّد المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ملی تھیں تباہ و برباد کر دیں۔

اے ہمارے معبود! تو خطاؤں کو بخشنے والا ہے۔ ہماری لغزشوں کو معاف کر اور ہماری بگڑی ہوئی حالت کو پھر سنوار دے۔ اے رب العزت! آج مسلمان جیسی زوال پذیر حالت میں ہے' وہ تجھ پر عیاں ہے۔ آج اُن کے پاس نہ علم و فضل ہے نہ دولت و ثروت وہ دنیا کی تمام اقوام سے زیادہ پریشان اور مفلوک الحال ہیں۔ زمین کے ہر گوشہ میں ان کے زوال و انحطاط کا ماتم ہو رہا ہے اور کوئی مقام اور کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں ان کو امن و سکون اور مسرت و اطمینان حاصل ہو۔ اے معبودِ حقیقی! اپنے بندوں کی حالت پر رحم فرما اور اُن کی نامرادیوں کو کامیابی سے بدل دے۔

خداوند! ہمیں اقرار ہے کہ ہم جن آفات و مصائب میں مبتلا ہیں' وہ سب ہماری بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے نتائج ہیں۔ ہم مسلمان ہونے کے مدعی ہیں لیکن اسلام کے اوامر و نواہی سے غافل ہیں ہم قرآن پاک کو منزل من اللہ سمجھتے ہیں لیکن اس کی تعلیمات و ہدایات سے بے بہرہ ہیں۔ ہمیں تو نے اخوت و اتحاد کا سبق پڑھایا تھا لیکن ہم نے اس کو فراموش کر دیا تھا۔ ہمیں تو نے حکم دیا تھا کہ ہم داعیٔ حق کے اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھیں۔ لیکن ہم نے اسے نظر انداز کر دیا۔ پروردگار! ہماری ان غفلتوں، کوتاہیوں اور سرشاریوں کو معاف کر اور ہمیں اپنی حالت میں انقلاب پیدا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے قادر و قیوم خدا! تیرا حکم ناطق ہے: لیس الانسان الا ما سعی: (انسان کے لئے کچھ نہیں ہے سوائے اس کی سعی و کوشش کے۔)

خدایا! ہمیں احکام کی نشر و تبلیغ اور فرزندانِ اسلام کی اصلاح و تنظیم کی توفیق دے۔

اے معبودِ برحق! صدقہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا، سعی و کوشش میں کامیابی عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (۲: ۱۲۷)

اے ہمارے پروردگار قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۹۹: ۷) پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (۲۳: ۱۱۸)

دعا گو
سید محمود قادری محمود

نواب والاجاہ

اور

حضرت العلّام عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی

• علیم صبا نویدی : مدیر اعلیٰ "نورِ جنوب" چنئی

عہدِ اکبری (۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) میں "دینِ الٰہی" کے نام پر جو بدعات، خرافات اور غلط رسومات شمالی ہند میں شروع ہوئے، اس سے ہندوستان کی دینی فضا بڑی حد تک مسموم و مکدّر ہو کر رہ گئی۔ شاید ایسے ہی ماحول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علاّمہ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی "شرحِ مشکوٰۃ شریف" میں رقمطراز ہیں:

"اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے، ایمان باطنی اعتقاد کا اور دین ان ہر دو کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ گویا دین وہ جامع نظام ہے جو بنی نوعِ انسان کے عقائد و اعمال، ظاہر و باطن، صورت و معانی، روحانیت اور جسمانیت پر مشتمل ہے۔"

لیکن شہنشاہِ اکبر کا "دینِ الٰہی" شرک و بدعت کی ایسی عمیق و گہری دلدل کی حیثیت اختیار کیا ہوا تھا جس میں مسلمانوں کے احساسات و جذبات آہستہ آہستہ دھنستے جا رہے تھے۔ آخرش ہندوستان کے ہر گوشہ میں اس تحریک کے اثرات پھیل کر اسلامی اقدار کو دیمک کی طرح چاٹتے جا رہے تھے۔

عہدِ اکبری و جہانگیری میں حضرت مجدّد الفِ ثانی امام ربّانی (المتوفی سنہ ۱۰۳۴ھ) نے نہ صرف اسلامی معاشرہ کو بدعات و منکرات سے پاک کیا بلکہ اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل سے لگایا۔ آپ کی مخلصانہ کوششوں کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان آج بھی نورِ اسلام سے منور ہے۔ یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ شہنشاہِ وقت جہانگیر نے آپ کو مفاد پرست عالم سمجھ کر گوالیار جیل میں مقید کر دیا تھا اور جب اس کا کفر ٹوٹا تو آپ کی عالمانہ شخصیت کے آگے اپنا سر جھکا کر آپ کے نیک مشوروں سے مستفیض ہوتا رہا۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے بعد دو عہد آفریں شخصیتیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت ملّا نظام الدینؒ منصۂ شہود پر رونق افروز ہوئیں جنھوں نے معاشرے کی اصلاح اور تجدید دین کی گراں بار ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی اور کئی ایک اصلاحی تحریکیں شروع کیں جن کو ہم عصر علماء کی تائیدیں حاصل تھیں۔ ان تحریکوں کی وجہ سے ہندوستان کی ملکی فضا پھر سے ایک خوش گوار ماحول میں بدل گئی۔ لیکن اسلام دشمن طاقتوں کی مسلسل سازشوں کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم پھر سے لرزنے لگے۔ ان کے عقائد کمزور ہونے لگے اور اُن کے اتحاد کا شیرازہ بکھرنے لگا تو ایسی ہی سازشوں اور اسلام دشمن تحریکوں کے خلاف باضابطہ جہاد کرنے والوں کا ایک مرکز فرنگی محل بھی رہا ہے۔

گیارھویں صدی کی ابتداء میں سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں عثمانیوں اور انصاریوں کے جھگڑے اوج پر تھے۔ جہاں ملّا قطب الدینؒ (ملا بحر العلومؒ کے جدّ معظم) نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے وہ نقوش ہائے گراں قدر چھوڑے جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ سہالی میں آپ کی اپنی ذاتی جاگیر تھی جس کی آمدنی پر آپ کے اخراجات کا انحصار تھا۔ آپ کی زندگی صبر و استقلال، راست گوئی، نیک عمل اور بلند کردار کی ایک زندہ مثال تھی۔

جب ۱۱۰۳ھ م 1692ء میں عثمانیوں اور انصاریوں کے اختلافات شعلوں میں تبدیل ہوئے تو عثمانی شیخ زادوں نے ملّا قطب الدینؒ انصاری کے گھر کو جلا کر ان کو شہید کر دیا۔

ملّا قطب الدین شہیدؒ کے دوسرے صاحب زادے ملّا محمد سعید نے اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ م ۱۱۱۷ء) کے دربار میں فریاد نامہ پیش کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ملّا قطب الدین شہیدؒ کے خاندان کو یوروپین تاجروں کی چھوڑی ہوئی خالی حویلی جو فرنگی محل کے نام سے مشہور تھی) بطور عطیہ دے دی۔ ۱۱۰۵ھ م 1694ء میں ملّا محمد سعید نے اپنے چھوٹے بھائیوں ملّا نظام الدینؒ، ملّا رضاؒ، ملّا اسدؒ اور دیگر افرادِ خاندان کو فرنگی محل ہی میں چھوڑ کر حیدر آباد چلے گئے۔

فرنگی محل کی دینی و ملّی اور علمی و ادبی خدمات، علوم و فنون کی تاریخ میں ایک عہد ساز کارنامہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علمائے فرنگی محل نہ صرف علمِ دین کی ترویج و اشاعت کی کامیاب کوشش کی بلکہ تصنیفات و تالیفات کا سلسلہ بھی جاری رکھا جو اپنی الگ تاریخ اور شناخت رکھتا ہے۔ مختلف ادوار کا اگر سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں فرنگی محل کی عربی و فارسی اور اردو خدمات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کے پس منظر میں اجاگر ہونے والی عہد آفریں شخصیات میں استاذ الہند ملّا نظام الدینؒ (المتوفی ۱۱۶۱ھ/1748ء) کے علاوہ ملّا رضا، ملّا محمد اسد، ملّا محمد سعید اُن کے فرزند احمد عبد الحئی (المتوفی ۱۱۶۷ھ/1757ء) اور ملّا عبد العزیز ۱۱۶۵ھ/1762ء کے نام اور کام عالمِ اسلام میں ہمیشہ روشن رہیں گے۔

متذکرہ بالا علماء کی مسلسل محنتوں، بے انتہا جدوجہد اور پُر خلوص تگ و دو نے فرنگی محل کی بنیاد رکھی تقریباً تین سو سال

گزر جانے کے بعد بھی اس مبارک ادارے کی عظمت و تقدس کو اس خاندان کے حضرات نے آج بھی بحال رکھا ہے۔ اس ادارے کی بدولت ہندوستان میں پہلی مرتبہ ملا نظام الدینؒ کے عہد میں خود ان کے مرتب کردہ درسِ نظامیہ میں معقولات اور منقولات کی شمولیت پر بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا گیا جب کہ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) نے صرف درسِ منقولات کی ابتداء کی۔ شاہ صاحب کا اہم ترین کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے عوام الناس کو قرآن پڑھنے کی طرف مائل کیا اور غیر عربی داں طبقہ کی سہولت کی خاطر قرآنِ شریف کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ شاہ صاحب نے اس ترجمہ کا آغاز ۱۱۵۱ھ میں مکمل کیا۔ پھر اس کے بعد شاہ صاحب کے صاحبزادوں شاہ رفیع الدینؒ نے قرآنِ کریم کا لفظی ترجمہ اور شاہ عبدالقادرؒ نے آسان اردو میں ترجمہ کیا۔ شاہ صاحب کے خاندان کا یہ تاریخ ساز کارنامہ ہے۔ جس نے جہدِ مسلسل سے قرآنی تعلیمات کو عام فہم بنا دیا۔

جنوب کے ساحلی علاقوں میں اسلام

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں یہ شہادتیں پیش کی ہیں کہ جنوب کے دور افتادہ علاقوں میں ملک کافور کے حملہ (۷۰۹ھ / 1309ء) سے بہت پہلے جنوبی ہند کے ساحلی مقامات آندھر، کارومنڈل اور ملیبار میں عرب تاجروں اور مبلغینِ دین کی وجہ سے یہاں کی فضائیں قرآن و حدیث، فقہ اور دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ روحانی اثرات سے معطر تھیں۔

جنوبی ہند کی سیاسی حالات

اورنگ زیب کے مسلسل حملوں کی بدولت دکن کی اسلامی حکومتیں دم توڑ چکی تھیں اور مرہٹوں نے نہ صرف شمالی ہند بلکہ دکنی علاقوں مثلاً بیجاپور، گلبرگہ، کوکن، دکن کرناٹک میں چوری، ڈاکہ زنی اور فتنہ انگیزی کا جال بچھانا شروع کر دیا تو اکثر شرفاء و علماء و فضلا نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ دارالنور آرکاٹ، دارالسرور ویلور، نتھر نگر (ترچناپلی) جنجی، ترپاتور، آمبور وانمباڑی اور تلی کنڈہ کا رُخ کیا اور یہیں سکونت پذیر ہوے۔

زوالِ گولکنڈہ اور بیجاپور کے بعد جنوبی ہند کے یہی علاقے نہ صرف امن و امان اور آسودہ حالی کے لیے شہرت رکھتے تھے بلکہ علوم و فنون اور شعر و ادب کی سرگرمیاں بھی یہیں منتقل ہو گئی تھیں

آرکاٹ کے پہلے حکمران

اورنگ زیب کی وفات کے بعد جنوبی ہند میں مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تو دکن میں نظام نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور نواب سعادت اللہ خان (المتوفی ۱۱۴۷ھ / 1732ء) مدفون شاہی مسجد آرکاٹ) نے آرکاٹ میں نائطی خاندان کی حکمرانی کی بنیاد رکھی۔ نائطی خاندان (۱۱۵۶ سے ۱۱۲۲ھ م 1719ء سے 1742ء) برسرِ اقتدار رہا۔ آخر کار اندرونی خانہ جنگی اور داخلی خلفشار اس کے زوال کا

باعث بنا اور اس زوال کے بعد والاجاہی حکومت کی ذمہ داری آصف جاہ نے انور الدین خان کو سونپی اور انھیں گورنر بنا دیا۔

نواب والاجاہ کے دور میں دینی علوم کی تبلیغ

نواب انورالدین خان بہادر، آپ حضرت ولی اللہ قادریؒ المتوفی ۱۱۴۴ھ کے خاص مرید تھے اور شہادت کے بعد آپ کی نعشِ مبارک کو آپ کی وصیت کے مطابق حیدرآباد لے جا کر آپ کو اپنے مرشد کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ گڈھ آمبور کی جنگ میں (۱۱۶۲ھ م 1749ء) شہید ہوئے تو انگریزوں نے (1165ھ م 1751ء) میں نواب انورالدین خان کے فرزند محمد علی کو کرناٹک کا نواب بنا کر، کرناٹک جو حیدرآباد کے ماتحت تھا الگ کر دیا۔

اسی عہد میں حضرت مولانا خواجہ سید شاہ رحمت اللہ قادریؒ نائب رسول (المتوفی ۱۱۹۵ھ) حضرت مولانا شاہ تراب (ترناملیؒ، حضرت سید محمد حسینیؒ الملقب بہ شاہ میر اول، رائچوٹی (المتوفی ۱۱۸۲ھ) حضرت مولانا عبدالحق ساوی دستگیر صاحب گیان بھنڈاری (المتوفی ۱۱۶۵ھ 1756ء) حضرت مولانا محمد حسین بیجاپوریؒ، مولانا ساقیؒ، صوفی مولانا محمد فخرالدین مہکری نائطیؒ صوفی مولوی ولی اللہؒ، مولوی امین الدین خان بہادرؒ، رامناڈ (المتوفی ۱۱۹۰ھ) مولوی غلام عبدالقادر مدراسیؒ (مصنف صراط الاسلام اور صراط النجات)، حضرت سید ابراہیم شہیدؒ ایرواڈی ؛ حضرت مولانا ابوالحسن قربیؒ ویلوری (المتوفی ۱۱۸۶ھ حضرت مولانا امجدیؒ حافظ مہربان فخریؒ میلاپوری نے حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) کی طرح عوام کو دعوتِ حق دیا اور وبالِ "دینِ الٰہی" کے علاوہ مغرب پرستی کے جراثیم جو یہاں کی آب و ہوا میں پھیل رہے تھے، ان کا نہ صرف تدارک کیا بلکہ مسلمانوں کی تہذیبی و دینی اقدار کے احیاء کے ساتھ ساتھ خواص و عوام کے لیے درس و تدریس کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا۔ جس کی برکت سے رحمت آباد، رائچوٹی، آرکاٹ، ویلور، چیتور، رامناڈ، ترونامل اور نتھر نگر (ترچناپلی) کی فضائیں انوارِ علوم ظاہریہ و باطنیہ سے معمور ہو گئیں۔

ملا بحر العلوم کی ولادت

ملا عبدالعلی بحر العلومؒ فرزندِ ملا نظام الدینؒ بمقام لکھنؤ (۱۱۴۲ھ م 1729ء) میں پیدا ہوئے۔

عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم سے حاصل کی۔ جب کہ ملا کمال الدینؒ سہالوی (المتوفی ۱۱۷۵ھ) سے کتبِ درسیہ از اول تا آخر پڑھیں اور جامع معقول و منقول سے فارغ ہونے کے بعد عالمِ ظاہر و باطن ہوئے۔ سترہ سال کی کم عمری میں تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد اپنے استاد کی موجودگی میں منصبِ درس و تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔

ملا بحر العلوم کی لکھنؤ سے روانگی

نواب شجاع الدولہ (۱۱۶۹ھ تا ۱۱۹۰) کے ابتدائی دور میں جب لکھنؤ کی سرزمین پر شیعوں اور سنیوں

کی بڑی گرم بحثیں چل رہی تھیں۔ ملا بحر العلومؒ ان بحثوں میں عملاً حصہ لیا جس کے سبب آہستہ آہستہ درباری سیاست کی گرفت میں آگئے۔

ایسے وقت میں آپ کو حافظ رحمت خان (۱۱۶۵ھ تا ۱۱۸۸ھ) نے شاہ جہاں پور آنے کی دعوت دی۔ آپ شاہ جہاں پور گئے اور وہاں کے سرکاری مدرسہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دینے لگے۔ حافظ رحمت خان کی شہادت (۱۱۸۸ھ م 1774ء) کے بعد آپ نواب فیض اللہ خان (المتوفی ۱۲۰۸ھ) کی خواہش پر رامپور گئے اور وہاں بھی سرکاری مدرسہ میں فقہ، منطق، فلسفہ اور تصوّف کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا ملّا بحر العلوم جہاں بھی گئے وہاں اپنے والدِ بزرگوار کی طرح نیک نامی کی آفاقی منزلوں پر نظر آئے اور ہمیشہ تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے اور علم کی تلاش میں آنے والوں کے داخلے کا بھرپور انتظام کرتے رہے۔ جب یہاں موصوف کے اصول کے خلاف داخلے پر پابندیاں عائد کردی گئیں تو آپ نے منشی صدر الدین (المتوفی ۱۲۱۱ھ) کی دعوت پر سو طالب علموں کے ہمراہ اُن کے قائم کردہ مدرسۂ عالیہ بردوان کا رُخ کیا۔ جہاں بوہر کے قریہ میں آپ کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہوئی۔ یہاں آپ نے کئی سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسے تغیرات زمانہ کہیئے کہ یہاں بھی ملّا بحر العلوم کو بعض حاسدوں اور شر پسندوں نے چین کا سانس لینے نہیں دیا بالآخر مفسدوں نے منشی صدر الدین اور موصوف کے درمیان رنجشوں کی دیواریں کھڑی کردیں۔ جس سے آپ دل برداشتہ ہو کر نواب محمد علی والاجاہ کی خاص دعوت پر اپنے دو صاحب زادوں مولوی عبد الاعلیٰؒ (آپ قطب ویلور مولانا سید شاہ عبد اللطیفؒ قادری کے مایہ ناز استاد تھے) مولوی عبد الربؒ اور ایک معتقد مولوی امام بخشؒ (المتوفی ۱۲۲۷ھ) کے ساتھ بوہر سے مدراس (۲۴ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ) میں تشریف لے آئے۔

محمد علی والاجاہ کے دورِ حکومت میں شمالی ہند کے بہت سارے اہلِ علم و فضل ان کی علمی قدر دانی، خانقاہی سرپرستی اور شاہی شفقت و مہربانی سے متاثر ہو کر ان کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ دربارِ والاجاہی کے علماء و فضلا میں ملّا عبد العلی بحر العلوم کا رتبہ بہت بلند اور اعلیٰ تھا۔

بحر العلوم کا استقبال

ملّا بحر العلوم کا جب مدراس میں ورود ہوا تو نواب والاجاہ خود آگے بڑھے اور جس پالکی میں ملّا بحر العلوم سوار تھے اُسے کاندھا دیا اور آپ کو پالکی سے نیچے اتارنے کے بعد نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ کے قدم چومے۔ "الندوہ" کے ایک پرچہ میں علامہ شبلیؒ مرحوم نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قدر دانیٔ علماء کی ایسی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ مطبوعہ "احسان عشق" مصنف شمس العلماء لسان الحکمت محمد عبد الرحمٰن شاکر مدراسی (۱۳۴۳ھ م 1925ء) شاہ الحمید پریس۔ مدراس) اسی شام آپ کو مسندِ شاہی پر بٹھا کر مدرسۂ کلاں (بمقام کلس محل) کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ (آگے چل کر مدرسۂ کلاں "عزیز منزل" بڑی گلی مدجو

آج BIG STREET کے نام سے مشہور ہے) چیپاک میں منتقل ہوا) اور آپ کے ساتھ آئے ہوئے اربابِ علم کی رہائش کے لیے مسجدِ انوری (مسجدِ انوری۔ نواب انورالدین خان بہادر شہید کی یاد میں تعمیر کی گئی۔) میں بہترین انتظام کیا گیا۔ مسجدِ انوری سے متصل حضرت سیّد شاہ مرتضٰی پاشاہ رح ابن حضرت سیّد شاہ فضل اللہ قادری رح کی خانقاہ تھی جہاں آج حضرت مرتضٰی پاشاہ کا مزار مبارک موجود ہے۔ اس مزار مبارک پر نواب محمد علی والاجاہ نے عالیشان مقبرہ اور گنبد تعمیر کیا۔ اس بزرگ کے کشف و کرامات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

نواب محمد علی والاجاہ نے ملّا بحرالعلوم کی تنخواہ ایک ہزار روپئے ماہ وار مقرر کی تھی لیکن موصوف نے اپنی آمدنی کی زیادہ تر رقم اپنی اولاد پر خرچ کرنے کی بجائے "مدرسہ کلاں" کے طلباء کے خرچ کے لیے وقف کر دی تھی۔

مدرسۂ اعظم کی بنیاد

(۱۲۶۸ھ م 1851ء) میں اس مدرسہ کی تشکیل عمل میں آئی اور یہ مدرسہ نواب غوث خان اعظم (المتوفی ۱۲۷۶ھ م 1856ء) کی زوجۂ ثانیہ اعظم النساء کے محل میں منتقل ہوا اور مدرسہ کا نام "مدرسۂ اعظم" رکھا گیا۔ مولانا مولوی قاضی بدرالدولہ (المتوفی 1863ء) اس مدرسہ کے پہلے چیرمن مقرر ہوئے۔ ملّا بحرالعلوم کے دور میں جہاں صرف عربی اور فارسی کی تعلیم جاری تھی وہاں انگریزی کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں پر بھی توجہ دی گئی۔

ملّا بحرالعلوم کو ملک العلماء کا خطاب

نواب والاجاہ (المتوفی ۱۲۱۰ھ) کے بعد ان کے فرزند عمدۃ الامراء بہادر ممتاز تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے تمام علماء اور مشائخین کی خدمات میں تحائف تقسیم کیے اور انھیں القاب سے نوازا۔ تو سب سے پہلے ملّا بحرالعلوم کو "ملک العلماء" کے شاہی خطاب سے سرفراز فرمایا۔

اس خطاب سے بہت پہلے ملّا عبدالعلی کو مشہور زمانہ بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے ملّا کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے "بحر العلوم" کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

ملّا بحرالعلوم اور انگریزوں کے تعلقات

عمدۃ الامراء چھ سال تک برسرِ اقتدار رہے اور ان کے انتقال (۱۲۱۶ھ م 1801ء) کے بعد ہندوستان کے گورنر جنرل (LORD WELLESLY) نے عمدۃ الامراء کے جانشین محمد علی حسین تاج الامراء بہادر ماجد کو کمپنی کی شرائط کی نامنظوری کی وجہ سے ان کے سپاہیوں کے ہتھیارات ضبط کر کے انھیں نظر بند کر دیا اور نواب والاجاہ کے دوسرے پوتے نواب عظیم الدولہ (المتوفی ۱۲۱۶ھ م 1801ء) کو آرکاٹ کی حکمرانی سونپ دی۔ عظیم الدولہ نے تخت نشینی

کے بعد مولانا باقر آگاہؒ ویلوری کی سفارش پر مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر کو اپنا دیوان مقرر کیا۔ آہستہ آہستہ انگریزوں نے والاجاہی سرکار کے بڑے بڑے عہدیداروں کے ماہانہ وظائف بند کردیے تو ان عہدیداروں نے فارسی میں اپنی درخواستیں مدراس کے گورنر (Lord William Cavandus Bentic) ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیں

گورنر نے یہ تمام درخواستیں رائے کے لیے نواب عظیم الدولہ کے پاس بھیج دیں۔ مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر کی نگرانی میں ہر ایک عہدیدار کی اپیل پر نوٹ لکھے گئے اور اکثر درخواست دینے والوں کو دوبارہ وظائف جاری ہوئے۔ لیکن ملا بحر العلومؒ واحد شخص تھے جنھوں نے انگریزوں کے آگے اپنا دامن نہیں پھیلایا۔ انگریزوں نے نہ صرف ملا بحر العلومؒ کی تنخواہ گھٹا دی بلکہ مدرسۂ کلاں کے اخراجات کے ساتھ ساتھ اساتذہ مولوی علاء الدین، مولوی ابو الخیر اور مولوی عبد الواحد کی تنخواہیں بھی کم کردیں۔ انگریزوں نے بحر العلوم پہ ایک ستم یہ ڈھایا کہ ان کے فرزندوں (مولوی عبد الرب اور مولوی امام بخش کی جاگیریں (جو نواب عمدۃ الامراء نے عطا کی تھیں) وہ بھی ضبط کرلیں مگر ملا بحر العلومؒ نے انگریزوں کے ان مظالم کے خلاف جنگ تو درکنار کبھی اُف بھی نہیں کی اور ہمیشہ اپنی خاندانی اعلیٰ ظرفی، خودداری اور متانت و سنجیدگی اور صبر واستغنا کے ساتھ 'مدرسۂ کلاں' میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ہر لمحہ الٰہی راہوں پر ثابت قدم رہے۔ جن راہوں کو اُن کے بزرگوں نے اپنایا تھا۔

ملا بحر العلوم کی وفات

نواب عمدۃ الامراء کی وفات کے نُو سال بعد اکاسی برس کی عمر میں ملا بحر العلومؒ ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ میں واصل بحق ہوئے اور ۱۳ رجب ۱۲۲۵ھ کی شام مسجد والاجاہی کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔ مولانا یوسف کوکن کا بیان ہے کہ مولوی ارتضا علی خان خوشنود (المتوفی ۱۲۸۰ھ) نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات لکھی ہے

چوں رفت از جہان فاضل نامور — کہ بودہ است کالشمس بین النجوم
خرد یافت تاریخِ سالِ وفات — بہ زیرِ زمیں رفت گنجِ علوم
۱۲ ـــ ھ ـــ ۲۵

یہ تاریخ وفات علامہ باقر آگاہ ویلوری کے شاگرد منشی خرد نے لکھی ہے۔

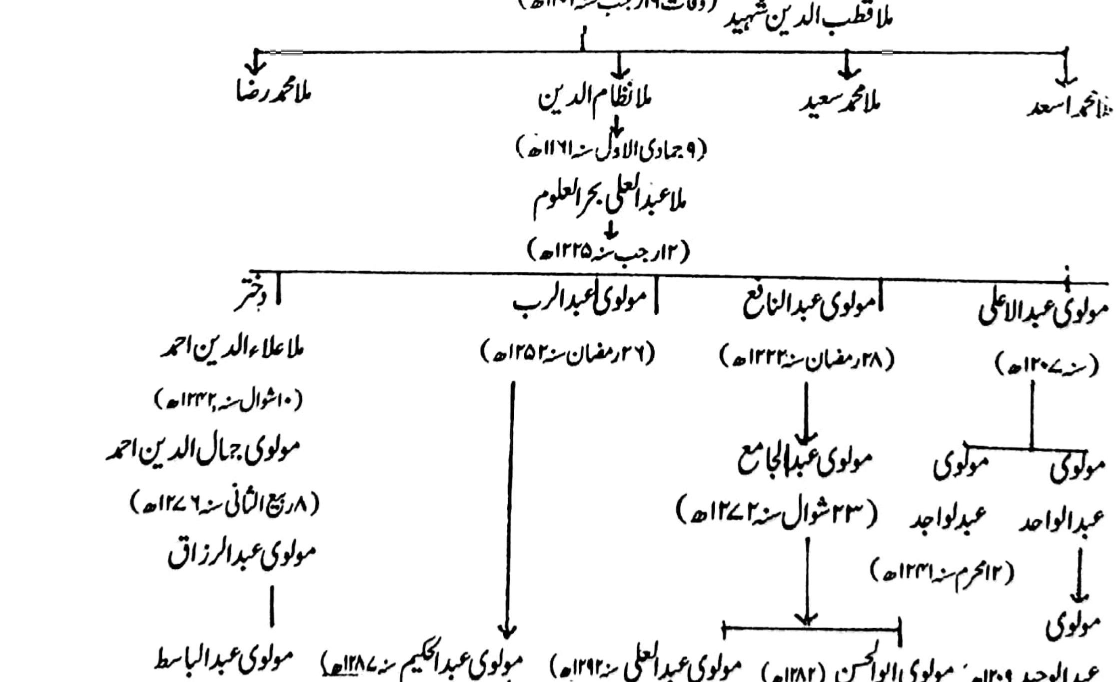
ملا بحر العلومؒ اور مسجد والاجاہی

ملا بحر العلومؒ کے وصال کے بعد آپ کے فیض سے مسجدِ والاجاہی (بڑی مسجد) جو ۱۲۱۰ ہجری

میں تعمیر ہو چکی تھی، جہاں صرف جمعہ کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ وہاں پنجوقتہ نمازوں کی شروعات ہوئی۔ مسجدِ والاجاہی سے ڈھائی سو قدم کے فاصلہ پر ایک اور مسجد مسجدِ انوری جس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی ادا کی جاتی تھیں۔ ان مساجد کے متولی حاجی محمد مغربی نے نہ جانے کن وجوہات کی بناء پر تقریباً پندرہ سال (ملا بحر العلومؒ کی وفات تک) مسجدِ والاجاہی میں صرف جمعہ کی نماز کی اجازت دے رکھی تھی۔ یہ یقیناً ملا بحر العلوم کا فیضان ہے کہ حاجی محمد مغربی کی خواہش اور ضد کا کفر ٹوٹا اور مسجدِ والاجاہی پنجوقتہ نمازوں کی نورانی خوشبوؤں سے معمور ہوئی۔ جس کا سلسلہ آج بھی ہمارے دل و دماغ کو معطر کر رہا ہے۔

ملّا بحر العلومؒ کے اوصاف و اخلاق

آپ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ کریمانہ کی تعریف کیا امیر و غریب، کیا جاہل و عالم ہر طبقے کے احباب کرتے تھے۔ آپ بہت خلیق و ملنسار اور اخلاق و مروّت کا سراپا آئینہ تھے۔ سچ بولنے اور سچ سُننے والوں کے ہمیشہ قریب رہتے تھے۔ ذکرِ خداوندی آپ کی زندگی کا ماحصل تھا۔ دنیاوی نمائش اور آرائش سے آپ کا دُور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ حقیقت میں ولیٔ کامل اور صوفیٔ صادق وہ ہے جو ظاہراً و باطناً تقویٰ و پرہیزگاری سے متصف ہو اور اس کے اندر رمق برابر بھی ریاکاری نہ ہو۔ وہ بظاہر قطرہ ہی سہی مگر اپنے اندر ایک وسیع و کشادہ سمندر سمائے رکھتا ہے۔ ملّا بحر العلومؒ کی ذاتِ بابرکات میں یہ تمام تر صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ گویا آپ توحید و معرفت، رشد و ہدایت کی عطر بیز کائنات تھے۔



حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

محمد شفاعت احمد سلیم ۔ اردو منشی : وی ۔ آر ۔ ہائی اسکول ۔ نیلور (آندھرا پردیش)

کیست در کعبہ تولد نزد ارباب یقین ۔ جانشین مصطفےٰ حقا امیر المؤمنین
در طواف مرقدش گویند جبریل امین ۔ ھٰذہٖ جنات عدن فادخلوھا خالدین

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ آپ امیر المؤمنین بھی ہیں اور امام المتقین بھی، شیر خدا بھی ہیں اور مشکل کشا بھی، مرتضیٰ بھی ہیں اور داماد مصطفےٰ بھی اور نفس رسول بھی ہیں۔ زوج بتول بھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپؓ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد جناب عبد اللہ بن عبد المطلب کے عینی بھائی تھے ۔ حضرت علیؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے والد ماجد حضرت ابو طالب حضور نبی کریم الصلوٰۃ والسلام کے چچا تھے ۔ آپ مکہ مکرمہ کے نہایت با اثر بزرگ تھے ۔ حضرت ابو طالب نے ہر موقعہ پر حضور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا ۔ جناب ابو طالب کے انتقال پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بہت غمزدہ اور رنجیدہ تھے ۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ جنازہ کے ساتھ گئے اور فرماتے تھے چچا جان! آپ نے صلہ رحمی کا حق ادا کیا ۔ میرے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کی اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے[1] اور پھر قبرستان حجون میں پہنچے تو جنازہ خود اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا ۔ آپ ہی پہلی ہاشمی خاتون ہیں

---

[1] طبقات ابن سعد : ابن کثیر

جنھوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔ جناب ابو طالب کے چچا کی بیٹی تھیں۔ اس مناسبت سے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔

● **ولادت باسعادت** عرب کے دستور اور اپنے آباء و اجداد کی پرانی رسموں کے مطابق خانۂ کعبہ اور گرد و نواح کے لوگ طوافِ کعبہ میں مصروف تھے۔ ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنتِ اسعد بھی شامل تھیں جو اپنے بطنِ مبارک میں ایک گراں قدر موتی چھپائے ہوئے تھیں۔ اسی وقت آثارِ ولادت شروع ہوئے وہ سوچ رہی تھیں کہ یہاں کوئی پردہ نہیں اب کدھر جائے۔ اچانک کعبہ کی دیوار پھٹ گئی اور غیب سے آواز آئی کہ اے فاطمہ بنتِ اسعد کعبہ کے اندر آجاؤ۔ چنانچہ آپ اندر چلی گئیں اور پھر امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ کی ولادت باسعادت خانۂ کعبہ میں ہوئی رقیامت تک کوئی ماں اب ایسا فرزند نہیں جنے گی جو پیدا کعبہ میں ہو اور شہید مسجد نبویؐ میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ابھی تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو گود میں اٹھایا اور خود ہی نہلایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ علیؓ کو پہلا غسل میں دے رہا ہوں اور کل آخری غسل مجھے علیؓ دے گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک حضرت علیؓ کے منہ میں ڈال دی تو حضرت علیؓ نے آنکھیں کھول دیں۔

جوان ہونے کے بعد ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ تم نے میرے آنے سے پہلے آنکھیں کیوں نہ کھولیں تھیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا: آقا! میری تمنا یہ تھی کہ میری آنکھ کھلے تو میری نگاہ رُخِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑے[1]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آغوشِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پرورش پائی۔ جناب ابو طالب کی اولاد بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے اخراجات بہت تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرمایا: چچا جان آپ کے بھائی ابو طالب کا کنبہ کثیر ہے۔ انتہائی تنگی سے ان کا گزر بسر

---

[1] بخاری شریف: جلد اول: ص ۵۲۵ ؛ مسلم شریف: ج ۲: ص ۲۷۹ ؛ ترمذی شریف: ج ۲: ص ۲۱۴ ؛ مشکوٰۃ شریف: ص ۵۶۳۔

ہوتا ہے۔ ہم میں ہر ایک اُن کے ایک ایک بیٹے کو اپنی کفالت میں لے لے۔ چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ کو لے لیا۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ جناب ابوطالب ہی کے پاس رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش کرنے لگے۔

عبداللہ بن عبداللہؓ، انس بن مالکؓ، زید بن ارقمؓ، سلمان فارسیؓ اور ایک جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہیں کہ بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ اس اُمّت کا حوض کوثر پر سب سے پہلے وارد ہونے والا، سب سے پہلے ایمان لانے والا علیؓ بن ابی طالب ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور یہ اُمّت کے حق و باطل کو جُدا کرنے والا ہے اور یہ صدیقِ اکبر ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے حضرت علی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔

ابنِ عساکرؒ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآنِ شریف میں جو کچھ حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوا وہ اور کسی کی شان میں نازل نہیں ہوا۔ ابنِ عساکرؒ نے حضرت ابنِ عباسؓ ہی سے اس کو روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی شان میں تین سَو آیات نازل ہوئی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جتنی احادیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں وارد ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں نہیں وارد ہوئیں۔

طبرانی نے حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؓ کی طرف دیکھنا بھی ایک قسم کی عبادت[1] ہے۔

[1] اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ تاریخ الخلفاء: ص ۲۵۹: (ادیبِ شہیر حضرت شمس بریلوی) اور "خاکِ کربلا": ص ۲۰: (صاحبزادہ افتخار الحسن) نے بھی حضرت ابنِ مسعودؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس شہر کا دروازہ ہے[1]۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؓ اس شہر کا دروازہ ہے۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں: نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ اور یہ دونوں حوض کوثر تک جدا نہ ہوں گے۔

ترمذیؒ نے ابوسریحہؓ اور زید بن ارقمؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں جس کا صاحب مولا ہوں علیؓ بھی اس کے صاحب مولا ہیں۔

ترمذی، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے حبشی بن جنادہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ عَلِیًّا مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ: علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں۔

ابوزبیرؓ مکی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کوہ عرفات پر رونق افروز تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آرہے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں اشارہ سے بلایا۔ جب وہ پاس آئے تو سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علیؓ اپنا پنجہ میرے پنجہ میں ڈال۔ میں اور تو ایک شجرہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں اصل ہوں اور تو اس کی فرع ہے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اس کی شاخیں ہیں۔ جس کسی نے اس کی شاخ کو پکڑا خدا نے اسے جنت میں داخل کیا اے علیؓ! اگر میری اُمت کے لوگ اس قدر روزے رکھیں کہ کمان کی طرح ٹیڑھے ہو جائیں اور یہاں تک نماز پڑھیں کہ تار کی طرح باریک ہو جائیں پھر اگر تجھ سے بغض رکھیں تو اللہ تعالےٰ انھیں منہ کے بل دوزخ میں گرائے گا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام لوگ مختلف درختوں کی شاخیں ہو۔ میں اور علیؓ ایک ہی درخت سے ہیں۔ ابو یعلیٰؒ اور البزار نے سعد بن وقاصؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے علیؓ کو اذیت دی اس نے خود مجھے اذیت دی۔

ہجرت کی رات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوئے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے تیسرے یا چوتھے دن حضرت علیؓ بھی ضروری فرائض سے

---

[1] مشکوٰۃ شریف: ص ۵۶۴؛ ترمذی: جلد: ۲: ص ۲۱۴

فارغ ہو کر مدینہ تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا۔ تو حضرت علیؓ کو یہ خصوصیت نصیب ہے کہ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا بھائی بنایا۔ سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت فرمایا کہ تو میرے لئے ایسا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔[1]

جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ اصحاب جنت کا ذکر کر رہے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد علی بن ابی طالب[2] ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے مناقب وفضائل بیان کرنا ممکنات میں سے نہیں ہے۔ اس حدیث پر مضمون ختم کر دیا جا رہا ہے۔

حدیث شریف: ایک روز حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ تشریف لائے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ اس وقت حاضر تھے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا اُن کو آپؐ دوست رکھتے ہیں؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں چچا! میں علیؓ کو بہت دوست رکھتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے زیادہ اُن کو اور کوئی دوست رکھتا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے ہر پیغمبر کی اولاد اس کی پشت میں رکھا ہے مگر میری اولاد علیؓ کی پشت میں ہے۔ اس کے بعد آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔ الٰہی دوست رکھے اُس کو جو علیؓ کو دوست رکھتا ہے اور دشمن ہو جائے اُس کا جو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کا دشمن ہے۔ ؎

تائیدِ حق میں پہلی شہادت علیؓ کی ہے
پیغمبری نبیؐ کی ولایت علیؓ کی ہے

مولد بھی محترم ہے ولد بھی ہے محترم
کعبہ ہے اور جائے ولادت علیؓ کی ہے

مولودِ کعبہ کے لئے شہد بھی خوب تھا
مسجد میں اللہ اللہ شہادت علیؓ کی ہے

کعبہ سے ابتدا ہے تو مسجد پہ انتہا
مرقوم دو حرم میں حکایت علیؓ کی ہے

---

[1] بخاری: ۵۸۰۳۔ [2] ابن مردویہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر



حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ صاحب قاسمی: خلیفۂ حضرت اقدس محی السنہ مولانا سید شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ، ہردوئی

ے جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا دوستو! زندگی کا پیام آگیا

نیا سال کی آمد کے ساتھ جب ہلالِ ربیع الاول نظر آنے لگتا ہے تو ہلالِ محسنِ کائنات کو طلوع ہوتے کے ولولے بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ چہار دانگِ عالم میں شروع ہوجاتے ہیں۔ جب کہ سال کا ہر مہینہ اور مہینہ کا ہر ہفتہ اور ہفتہ کا ہر دن بلکہ دن کی ہر ساعت اور گھڑی بھی ایسی ہے۔ جس میں اس مُحسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میلاد منائی جائے تب بھی حق ادا نہ ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے حق میں رحمۃ للعالمین بن کر آئے ہیں۔ پھر اس بے پایاں رحمت کی وسعت کا ذرا اندازہ بھی کیجئے کہ یہ ایک لا محدود اور لا متناہی سلسلہ سے ایسے وابستہ ہے جس میں کائنات کا ہر کل پُرزہ اور ذرّہ ذرّہ، جِنّ و انس، چرند پرند اور ملائکہ وغیرہ سب داخل ہیں۔ رحمۃ للعالمین کا مطلب یہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف رحمۃ المسلمین یا رحمۃ المؤمنین نہیں ہیں۔ کہ یہ دائرہ صرف مسلمان یا مؤمن بندوں تک محدود ہو کر رہ جاتا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے جہاں اپنی ذات کے لئے رب العالمین کی صفت پیش کی ہے، وہیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں رحمۃ للعالمین والی صفت پسند فرمائی ہے۔ جہاں خدا کی ذات تمام عالموں کی مُربی اور پالنہار ہے وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و شخصیت بھی سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنی ہوئی ہے۔ جس میں دنیا کی ہر قوم ہر ذات، ہر مذہب اور ہر جنس بجا طور پر داخل ہے۔

اس آفتاب رسالت کے طلوع سے پہلے دنیا کی حالت کا اندازہ لگاؤ، تاریخ اپنے آپ دہراتی ہے، ہر طرف

قعرِ مذلت، رذالت، جہالت، ظلم و ستم، تاریکی اور گمراہی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ امن و دوستی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ایسے ظلم و بربریت، فساد و عبقریت کے دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود نہ صرف ایک نعمت غیر مترقبہ ہے بلکہ سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔ ؎

مولای صلّ وسلّم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلّھم

یہ سچ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض انسانی کائنات کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات کے حق میں بھی رحمت بن کر تشریف لائے۔ چنانچہ ایک طرف چاند تاروں اور آسمانوں پر حکومت ہے تو دوسری طرف جنات و شیاطین پر بھی۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محض ایک اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو رہا ہے، وہیں چرند و پرند بھی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیرِ اثر مطیع و فرمانبردار نظر آرہے ہیں۔ اونٹ کا اپنے بے رحم مالک کی شکایت کرنا کہ وہ اس کی طاقت سے زیادہ محنت تو خوب لیتا ہے، مگر اس قابل خوراک نہیں دیتا۔ استوانہ حنانہ کا بلک بلک کر سسک سسک کر رونا، جبیتھی اور زخمی آنکھ کو اپنے لعابِ مبارک سے اچھا کرنا اور ایک ہرنی کا اپنے بچے کو دودھ پلا کر واپس آجانے کی آپ سے درخواست کرنا اور کچھ دیر کی مہلت مانگنا وغیرہ وغیرہ ...... بے شمار واقعات اس کے شاہد و گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً سب کے حق میں رحمت بن کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ سچ ہے: ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف — بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

(جنگل کی تمام ہرنیاں اپنے سروں کو ہاتھوں پر رکھے پھر رہی ہیں اس امید پر کہ ایک دن ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور ہمیں اپنا شکار بنائیں گے۔)

کیا یہ واقعات محسنِ کائنات کے بے پناہ احسانات و انعامات کے شاہد و گواہ نہیں؟ انسانات حیوانات نباتات جمادات وغیرہ سب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت کے بلاشبہ جرعہ کش و خوشہ چیں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکمِ مادر سے لے کر ولادت اور شیر خوارگی کا زمانہ پھر عہدِ طفولیت (بچپن) سے جوانی تک کے سینکڑوں واقعات ایک طرف خرقِ عادت اور خلافِ فطرت ہیں تو دوسری طرف محیر العقول اور حیرت انگیز بھی۔ عہدِ نبوت تو چالیس سال بعد کا ہے۔ نبوت سے قبل بھی اس قدر کثیر و لا متناہی تعداد میں زندہ جاوید کارنامے، حالات و واقعات رونما ہوئے ہیں، جو تاریخ کے صفحات پر آج بھی ثبت ہیں۔

چودھویں رات کی چاندنی ہے، چاندنی اپنی پوری جوانی، رعنائی میں مست ہے اور روئے زمین پر اپنی پوری

روشنی بکھیر رہی ہے۔ اس روح پرور اور نشاط افزاء ماحول میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم محوِ خواب ہیں۔ سرخ ڈوروں کی یمنی چادر جسم مبارک پر پڑی ہوئی ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نگاہ چاند پر ڈالتا ہوں تو ایک نگاہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر تو خدا کی قسم مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ ہی چاند سے زیادہ خوب صورت اور حسین اور روشن اور درخشاں نظر آتا تھا۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذات وشخصیت اور خمیر میں کبھی مبالغہ آمیز تکلّف و تصنّع نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اس حقیقت کا اظہار امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانِ فیضِ ترجمان سے سنئے، فرماتی ہیں: ؎

لواحی زُلیخا لورائین جبینہ　　لآثرن بالقطع القلوب علی الایدِ

(حضرت زلیخا کی ہمجولیاں اگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کو دیکھ لیتیں تو یہاں انگلیوں کی بجائے اپنے دلوں کو تراش لیتیں۔)

اس عنوان کو فارسی شاعر نے بھی ایک عجیب انداز میں بیان کیا ہے۔ ؎

حُسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یعنی حضرت یوسفؑ کا حُسن بے مثال، حضرت عیسیٰؑ کی تیر سانس، ہاتھ کی چکاچوند کر دینے والی روشنی کا معجزہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر کمال درجہ میں موجود تھا۔ حتیٰ کہ انبیاء کے تمام معجزات اور کمالات اور خوبیاں پورے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا ذات اور شخصیت میں ودیعت کر گئی تھیں۔

غرض تفصیل کا وقت نہیں جامع اور مختصر الفاظ میں سیرت کا بیان حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ کی زبان میں عرض کرتا ہوں۔ ؎

لا یُمکن الثناء کما کان حقّہٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان کا پوری طرح سے حق ادا نہیں ہو سکتا بلکہ ناممکن ہے۔ لہٰذا مختصر الفاظ میں یہی کافی ہے کہ خدا کے بعد اگر کسی کا مقام و مرتبہ ہے تو صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وشخصیت کا ہے۔ بس۔ ●●



جنوبی ہند میں اردو

ڈاکٹر جاویدہ حبیب
ایم اے، پی ایچ ڈی، چنئی

ہندوستان میں اردو زبان کے آغاز کے سلسلے میں تاریخ ہند کے دو سیاسی واقعات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ پہلا واقعہ علاؤالدین خلجی کے دور سے متعلق ہے۔ جب کہ تیرھویں صدی عیسوی میں ان کی فوجیں جنوبی ہند پہنچیں۔ اس طرح شمالی ہند سے صوفیاء، فقراء، تجار، اہلِ ہنر اِن فوجیوں کے ساتھ جنوبی ہند میں وارد ہوتے ہیں۔ ان افراد کے ساتھ وہ مِلی جلی زبان بھی دکن پہنچتی ہے، جو ابھی سیّال حالت میں تھی۔ دوسرا اہم واقعہ اس وقت عالمِ وجود میں آیا جب کہ محمد بن تغلق نے دہلی کے بجائے دیوگری (دولت آباد) کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اس واقعہ کی وجہ سے چودھویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند میں اردو کے پھیلنے میں مدد ملی۔ محمد تغلق نے حکم جاری کیا تھا کہ دہلی کی رعایا جس میں عوام و خواص بھی شامل تھے دولت آباد منتقل ہوئے "حکمِ حاکم مرگِ مفاجات" کے مصداق دہلی کے لوگ جن میں امیر غریب، تاجر، فقیر، پیشہ ور اور اربابِ ہنر سبھی شامل تھے۔ جنوبِ ہند کا رخ کرتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے اس واقعہ کی حیثیت جو بھی ہو، لیکن زبان کی ابتدا اور نشو و نما کے نقطۂ نظر سے یہ واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

چودھویں صدی عیسوی کی پانچویں دہائی میں جب تغلق بادشاہ کمزور ہوگئے تو جنوبی ہند میں پھر ایک بار جان آگئی اور وہ دھیرے دھیرے مرکز سے بے تعلق ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ 1350ء میں دکن میں بہمنی سلطنت کے نام سے ایک خود مختار سلطنت قائم ہوگئی۔ اس سلطنت کی بنیاد جس بادشاہ نے ڈالی تھی۔ اگرچہ کہ اس کا تعلق شمالی ہند سے تھا، لیکن اس نے دہلی کے شہنشاہ کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اس بغاوت کے نتیجے میں اس نئی سلطنت بنیاد رکھی گئی۔ اس طرح بہمنی سلطنت کی بنیاد ہی میں شمالی

دشمنی کا رجحان بڑھ چکا تھا۔ اور دکن کے بادشاہ ترک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو دکنی کہنا پسند کرتے تھے۔

بہمنی حکمرانوں نے سیاسی اعلان نامے کے طور پر جنوبی ہند کی سرزمین کے تعلق سے ان تمام مقامی عناصر کو ابھارا جو شمالی ہند سے بالکل مختلف تھے جس کے نتیجہ کے طور پر مقامی زبانوں، رہن سہن، طور طریقوں، رسوم و رواج اور عید و تہواروں کی خوب سرپرستی کی جانے لگی۔

تمام ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اردو زبان کی ابتدا شمالی ہند میں ہوئی۔ تقریباً ایک ہزار عیسوی میں اردو زبان کا آغاز ہوا اور اس زبان کے اولین نمونے مختلف صوفیوں، سنتوں، فقیروں اور مذہبی رہنماؤں کے مختصر سے جملے، اقوال اور فقرے ہیں لیکن اس زمانہ میں شمالی ہند میں باضابطہ تصنیف و تالیف کی روایت نہیں پڑی تھی اور جب سیال حالت میں اردو چند فقروں اور جملوں کی صورت میں دکن پہنچتی ہے تو اس سرزمین میں پہلی بار کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اور تصنیف و تالیف کا باقاعدہ آغاز بھی ہوتا ہے۔ اردو کے قدیم ترین شعر و ادب بہمنی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ نظامی بیدری کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" اردو کی سب سے پہلی ادبی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ یہ مثنوی بہمنی سلطنت کے نویں بادشاہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی (1421/1434ء) کے دورِ حکومت میں تصنیف کی گئی (۱)۔ اس طرح مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کو اردو کی پہلی مستند کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اگرچہ کہ نظامی سے پہلے کے بعض صوفیوں اور اہلِ قلم حضرات کا تذکرہ مختلف کتابوں میں ملتا ہے۔ جن میں شیخ عین الدین گنج العلوم اور حضرت خواجہ بندہ نواز کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن جدید تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اول الذکر بزرگ کی کوئی بھی کتاب یا رسالہ اب ناپید ہے۔ اسی طرح خواجہ بندہ نواز سے منسوب رسالے بھی قطعی طور پر ان کی تصانیف نہیں کہے جاسکتے۔

بہمنی دور کے شاعروں اور ادیبوں میں نظامی کے بعد اشرف بیابانی، میراں جی شمس العشاق اور فیروز بیدری کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔ اشرف بیابانی نے درج ذیل تین کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ (۱) نوسرہار 1503ء۔ (2) لازم المبتدی۔ (3) واحد باری۔ اول الذکر کتاب کا موضوع واقعہ کربلا ہے۔ جب کہ دوسری کتاب مختلف مذہبی مسائل سے متعلق ہے اور آخری کتاب اردو اور فارسی کی منظوم نعت ہے۔ (۲)

بہمنی دور کے ایک بہت بڑے صوفی شاعر میراں جی شمس العشاق (المتوفی 1496ء) تھے ان کا سلسلہ حضرت خواجہ بندہ نواز سے ملتا ہے شمس العشاق نے اپنے بزرگوں کی طرح دکنی زبان میں تبلیغ و اشاعت کا کام بھی انجام دیا اور ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کی روایت کو بھی پروان چڑھایا۔ میراں جی کی تصانیف 'مغز مرغوب'، 'شہادت التحقیق'، 'خوش نامہ' اور 'خوش نغز' قابلِ ذکر ہیں۔ (۳)

بہمنی حکومت کے دورِ آخر میں فیروز بیدری نے ایک خوش گو شاعر کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل کیا۔ فیروز کی تخلیقات میں چند غزلوں کے علاوہ مذہبی موضوع پر ایک مختصر سی مثنوی "پرت نامہ" اہمیت رکھتی ہے (۴) اس دور کے دوسرے شاعروں میں مشتاق، لطفی اور قریشی بیدری کے نام بھی ملتے ہیں۔ اول الذکر دو شاعروں نے چند غزلیں اور قصائد اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ قریشی بیدری کی ایک مثنوی "بھوگ بل" (جنسیات کے موضوع پر) کا پتہ چلتا ہے (۵) ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تاریخ ادبِ اردو" کی پہلی جلد میں لکھا ہے کہ "بہمنی دور میں اردو چاروں طرف پھیل کر دکن کی سب سے بڑی اور واحد مشترک زبان بن جاتی ہے اور اس عظیم سلطنت کے مختلف علاقوں میں ایک سازگار ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ دور میں ادبی تخلیق کے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ (۶)

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد دکن کے مختلف علاقوں میں پانچ نئی سلطنتوں کا قیام عمل میں آیا۔ گویا دکن کا ادبی چراغ گل ہونے سے پہلے پانچ نئی شمعیں روشن کر گیا۔ بیجاپور کے علاقہ میں عادل شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی، گولکنڈہ میں قطب شاہی، احمد نگر میں نظام شاہی، برار میں عماد شاہی اور بیدر میں برید شاہی سلطنت قائم ہوئی۔

مذکورہ پانچ سلطنتوں میں عادل شاہی اور قطب شاہی حکومت کو اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں نمایاں مقام حاصل ہے جس طرح بعد کے زمانہ میں دہلی اور لکھنؤ کے دبستان غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں اسی طرح عہدِ قدیم کے ادبی مراکز دبستانِ گولکنڈہ اور دبستانِ بیجاپور کو اساسی درجہ حاصل ہے۔ ان دونوں سلطنتوں میں کم و بیش دو صدیوں تک زبان و ادب اور شعر و سخن کو سلاطینِ دکن کی سرپرستی میں ارتقائی منزلیں طے کرنے کا موقعہ ملا۔

عہدِ قدیم کے ان دو دبستانوں میں دکنی ادب زندہ اور توانا عناصر کے ساتھ نشو و نما پاتا رہا اور اپنے ماحول کی صحت مند خطوط پر ترجمانی اور عکاسی کرتا رہا جس کی نظیر اردو ادب کے کسی دور میں نہیں ملتی مجموعی حیثیت سے یہ دور مثنویوں کا دور کہلاتا ہے۔ اس عہد میں مختلف اور متعدد موضوعات پر بے شمار اور لاتعداد مثنویاں لکھی گئی ہیں جن میں سے بعض ابھی تک مخطوطات کی شکل میں ہند و پاک اور یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ (۷)

عادل شاہی دور کے اولین شعراء اور ادیبوں میں شاہ برہان الدین جانم، عبدل حسن شوقی اور مقیمی کے نام ملتے ہیں اور اس کے بعد اس عہد کے قد آور شعراؤں میں نصرتی، شاہی، ہاشمی، ملک خوشنود اور رستمی قابلِ ذکر ہیں۔

برہان الدین جانم (المتوفی 1582ء) نے اپنے والد میراں جی شمس العشاق کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دکنی نظم و نثر میں چند چھوٹے بڑے رسالے سپردِ قلم کئے ہیں۔ جن کے نام حسبِ ذیل ہیں۔ (۸)

۱۔ ارشاد نامہ ۲۔ حجت البقاء ۳۔ وصیت الہادی ۴۔ سکھ سہیلا
۵۔ پنج گنج ۶۔ کلمۃ الحقائق ۷۔ رسالۂ وجودیہ

عبدل ابراہیم عادل شاہ ثانی کا درباری شاعر تھا جس نے ۱۶۰۳ء میں "ابراہیم نامہ" (۹) کے نام سے ایک بلند پایہ مثنوی لکھی تھی۔

حسن شوقی عادل شاہی دور کا ایک باکمال اور قدآور سخنور ہے۔ اس نے 'جنگ تالی کوٹ' کی فتح کے موضوع پر ۱۵۶۴ء میں "فتح نامہ نظام شاہ" کے نام سے ایک مثنوی لکھی تھی۔ (۱۰) یہ وہ زمانہ ہے جب کہ وہ نظام شاہی دربار سے وابستہ تھا۔ نظام شاہی حکومت کے زوال کے بعد حسن شوقی عادل شاہی دربار سے وابستہ ہوگیا اور اس نے بیجاپور میں" میزبانی نامہ" کے نام سے ایک اور مثنوی قلمبند کی جس میں سلطان محمد عادل شاہ کی شادی کو موضوع بنایا گیا۔ (۱۱) حسن شوقی ایک بلند پایہ مثنوی نگار ہی نہیں بلکہ دکنی دور کا ایک قدآور غزل گو بھی ہے۔ غزل گوئی کے میدان میں اس نے اپنی بے پناہ فنی اور شعری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے حسن شوقی کی غزلوں پر مشتمل ایک دیوان مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ (۱۲)

عادل شاہی دور کے ممتاز شاعروں میں مقیمی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس نے چندر بدن اور مہیار کے نام سے ایک شہکار عشقیہ مثنوی اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ (۱۳) بعد کے شاعروں میں میر تقی میر، شاکر وانمباڑی اور بلبل نے اسی قصہ کو موضوع سخن بنا کر مثنویاں لکھی ہیں۔

نصرتی نہ صرف عادل شاہی دور کا عظیم المرتبت شاعر ہے بلکہ اسے پورے دکنی دور کا نمائندہ شاعر بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس نے عہدِ قدیم میں رزمیہ اور بزمیہ مثنوی نگاری، قصیدہ گوئی، رباعی نگاری اور غزل گوئی کے میدان میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ علی عادل شاہ ثانی کے شاہی دربار کا شاعر تھا۔ بادشاہ وقت نے اسے ملک الشعراء کے اعزاز سے نوازا تھا۔ نصرتی کی تخلیقات میں تین بلند پایہ مثنویوں کے علاوہ غزلوں، قصیدوں اور رباعیوں پر مشتمل ایک دیوان شائع ہو چکا ہے۔ دیوانِ نصرتی کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرتب کر کے ۱۹۷۲ء میں لاہور سے شائع کیا ہے۔ جہاں تک نصرتی کی مثنویوں کا تعلق ہے، اس کی پہلی مثنوی "گلشنِ عشق" ہے۔ (۱۵) جسے مولوی عبدالحق اور پروفیسر سید محمد نے علاحدہ علاحدہ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ دوسری مثنوی 'علی نامہ' جسے پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے۔ (۱۶)

بادشاہِ وقت علی عادل شاہ شاہی نصرتی کا ہم عصر بھی ہے دکنی زبان کا ایک پُرگو اور باکمال شاعر تھا اس نے اپنی غزلوں اور قصیدوں پر مشتمل ایک دیوان مرتب کیا تھا جسے ڈاکٹر زینت ساجدہ اور مبارز الدین رفعت نے

علاحدہ علاحدہ 1962ء میں بالترتیب حیدرآباد اور علیگڑھ سے شائع کیا۔
عادل شاہی دور کے دوسرے باکمال شاعروں میں سید میراں ہاشمی (مصنف یوسف زلیخا) ملک خوشنود (یوسف زلیخا اور جنت سنگار) کمال خان رستمی (خاور نامہ) کے علاوہ امین الدین اعلیٰ، شاہ معظم صنعتی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔
بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کی طرح گولکنڈے کی قطب شاہی سلطنت کو تاریخ ادب اردو میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ قطب شاہی سلطنت 1518ء میں قائم ہوئی تھی۔ سلطان قلی اس سلطنت کا بانی تھا۔
اورنگ زیب کی فتح دکن کے بعد 1697ء میں اس سلطنت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ عادل شاہی دور کی طرح قطب شاہی عہد میں بھی متعدد چھوٹے بڑے شاعروں نے دکنی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت اور فروغ و ارتقا کے سلسلہ میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس دور کے اولین شعرا میں فیروز محمود اور ملا خیالی کے نام مختلف ادبی تاریخوں میں ملتے ہیں۔
فیروز دراصل بیدر کا باشندہ تھا اور ابراہیم قطب شاہ کے دور میں وہ گولکنڈہ چلا آیا اور یہاں اس کو استادِ سخن کی حیثیت سے حاصل ہو گئی۔ چنانچہ گولکنڈہ کے بلند پایہ شاعروں جیسے محمد قلی قطب شاہ وجہی اور ابن نشاطی نے اپنی تصانیف میں فیروز کا ذکر بڑی عزت و احترام سے کیا ہے۔ فیروز کے ہم عصر شعرا میں محمود نے چند غزلیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ (۱۷) ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو کی پہلی جلد میں محمود کے کلام سے چند منتخب اشعار پیش کئے ہیں۔ (۱۸) ملا خیالی کی صرف ایک ہی غزل پہلی بار ڈاکٹر جمیل جالبی نے تحقیق کر کے منظرِ عام پر لائی ہے اور اپنی معرکۃ الآرا کتاب "تاریخ ادبِ اردو" میں شائع کی ہے۔
عادل شاہی دور کی طرح قطب شاہی دور کو بھی مثنویوں کے دور سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مثنوی کے پہلو بہ پہلو اس دور میں غزل کی صنف پر بھی باقاعدہ توجہ کی گئی۔ چنانچہ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر اپنی مملکت کا پانچواں تاجدار محمد قلی قطب شاہ ہے جس کا دیوان اس بھتیجے اور داماد سلطان محمد قطب شاہ نے عہدِ قدیم ہی میں مرتب کر کے اس پر ایک منظوم دیباچہ بھی تحریر کیا تھا اور اس بات کی اطلاع دی تھی کہ محمد قلی نے پچاس ہزار اشعار اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ محمد قلی کے دیوان کی تقریباً تمام تخلیقات رباعیوں کو چھوڑ کر غزل کے فارم میں ہیں۔
اس دور کے دوسرے صاحب دیوان غزل گو شاعروں میں ملک الشعراء غواصی اور عبداللہ قطب شاہ کے نام نمایاں ہیں۔
مذکورہ بالا تینوں شاعروں نے غزل گوئی کے ساتھ ساتھ قصیدہ نگاری کے میدان میں بھی اپنے فن کے کمال کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ ان حقائق کے باوجود پیشِ نظر دور میں متعدد مثنویاں ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں اور غزلوں اور قصیدوں کے مقابلہ میں بہر صورت مثنویوں کا ہی پلّہ بھاری نظر آتا ہے۔

قطب شاہی دور کی پہلی مثنوی "یوسف زلیخا" ہے۔ جو احمد گجراتی کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد وجہی کی مثنوی "قطب مشتری" منظرِ عام پر آتی ہے۔ قطب مشتری کا قصّہ خود شاعر کے ذہن کی پیداوار ہے۔ وجہی نے بادشاہ وقت محمد قلی قطب شاہ کو قصّہ کا ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

قطب شاہی دور کا سب سے اہم اور عظیم المرتبت مثنوی نگار ملک الشعراء غواصی ہے جس نے "مینا ستونتی" (MEENA SATVANTI)، "سیف الملک"، "بدیع الجمال"، اور "طوطی نامہ" کے عنوان سے تین بے مثال اور قابلِ تقلید مثنویاں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ (۱۹)

واقعہ یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ تک دکن کے مختلف شاعروں نے غواصی کی پیروی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھا۔ غواصی نہ صرف ایک بلند پایہ غزل گو، قصیدہ نگار اور مثنوی نگار تھا بلکہ رباعی نگاری میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔

غواصی کے بعد قطب شاہی دور کے اہم شاعروں میں ابنِ نشاطی (پھول بن) فائز (رضوانی شاہ روح افزا) طبعی (بہرام وگل اندام) اور جنیدی (ماہ پیکر) اہمیت کے حامل ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کی ان دو عظیم سلطنتوں کو بالترتیب 1686ء اور 1687ء میں فتح کر کے عظیم مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہ واقعہ تاریخ اردو ادب میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی فتح دکن سے پہلے قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں اردو ادب کی نشوونما شاہی سرپرستی میں ہو رہی تھی۔ اس واقعہ نے اردو ادب کی ترقی اور اس کی تدریجی ارتقاء میں رکاوٹ پیدا کر دی۔ عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کا زوال بڑے تباہ کن نتائج اور ایک ایسے انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے جنوبی ہند کے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی جڑیں ہلا دیں۔ 1886ء اور 1887ء کے واقعات کے رونما ہونے کے بعد دکنی کے شعراء، ادیبوں اور اہلِ فن کا پرسانِ حال کوئی نہ تھا۔ اب ان کی سرپرستی ہمت افزائی اور قدردانی کی کسی سے توقع بے سود تھی۔ مغل سلاطین یا شمالی ہند کے اہلِ قلم دکنی زبان سے ناواقف تھے۔ دوسری طرف وہ سلاطین یا امراء جنھوں نے دکنی شعر و ادب کی آبیاری کی تھی وہ خود بے سہارا ہو گئے تھے۔ اس لیے جنوبی ہند کے وہ شعراء، ادیب، صوفی اور مذہبی رہنما جنھوں نے قدیم اردو میں تصنیف و تالیف کا کام انجام دیا تھا ایک ایک کر کے دیگر صوبوں کو منتقل ہونے لگے۔ اس طرح دکن کے تمام اہلِ قلم ایک ایک کر کے صبر و سکون اور گوشۂ عافیت کی تلاش میں جنوبی ہند کے مختلف مقامات کو منتقل ہونے لگے اس طرح زوالِ گولکنڈہ اور بیجاپور کے بعد دبستانِ دکن کی ادبی سرگرمیاں اورنگ آباد، میسور، ویلور، آرکاٹ اور نظر نگر کو منتقل ہو گئیں۔ جہاں تک اورنگ آباد کا تعلق ہے، یہ مغل فرمانرواؤں کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ

بارونق مقام رہا اور سرزمینِ اورنگ آباد نے متعدد شعرا اور ادیب پیدا کیے۔ یہاں کی سرزمین سے اٹھنے والے اہلِ قلم کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن قابلِ ذکر شاعروں میں ولی اورنگ آبادی، سراج اورنگ آبادی، فدوی اورنگ آبادی اور داؤد اورنگ آبادی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اورنگ آباد کی طرح دکنی دبستان کے زوال کے بعد میسور بھی شعر و ادب کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے منظرِ عام پر آیا۔ سلاطینِ میسور نے یہاں کے اہلِ قلم حضرات کی قدر افزائی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

عہدِ قدیم میں میسور کے جن شاعروں کو مقبولیت حاصل ہوئی ان میں عبدالمومن مومن (۲۱) (مثنوی اسرارِ عشق)، محمد اسحاق (۲۲) (مثنوی ریاض العارفین)، سید حسین قادری (۲۳)، شہباز (نثر میں تذکرۃ السلوک)، سید محمد شاہ میر (۲۴) (رسالۂ اسرارِ توحید)، حسن علی عزت (۲۵) (مفرح القلوب)، حسین علی کرمانی (۲۶) (نشانِ حیدری) قابلِ ذکر ہیں۔

دبستانِ گولکنڈہ اور بیجاپور کے زیرِ اثر اور پھر ان سلطنتوں کے زوال کے بعد کڑپہ، سدھوٹ، رائچوٹی وغیرہ میں بھی قدیم اردو یا دکنی زبان میں شعر و سخن کے خوب چرچے رہے۔ خصوصاً علاقہ کے مذہبی مبلغین اور صوفیا نے دکنی ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں کے اہم ادبا اور سخنوروں میں حضرت خواجہ من عرف گنج بخش، حضرت محمد ابن رضا، حضرت حیدر ابنِ جعفر، حضرت میاں شہاب شہید، شاہ جمال، شاہ کمال اور حضرت خواجہ سید رحمت اللہ قادری (نائب رسولؐ) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

سقوطِ گولکنڈہ و بیجاپور کے بعد شعرا گولکنڈہ آصف جاہی دربار سے منسلک ہو کر اورنگ آباد اور حیدرآباد میں دادِ سخن دیتے رہے لیکن اس کے برعکس بیجاپور کے دربار سے وابستہ شعرا و ادبا غیر یقینی حالات سے دوچار رہے اور بیجاپور اورنگ زیب کی فتحِ دکن کے بعد گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔ عادل شاہی دور میں بیجاپور کو ایک بارونق ادبی مرکز کی حیثیت حاصل رہی لیکن زوالِ سلطنت کے بعد یہ شہر صرف عہدِ رفتہ کی ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا۔ بیجاپور کے زوال کے بعد یہاں کے صوفیا، مذہبی رہنما، ادیب اور شاعر نوابین آرکاٹ کی سرپرستی اور ادب نوازی سے متاثر ہو کر ایک ایک کر کے جنوبِ بعید کے پُرسکون علاقوں میں گوشۂ عافیت کی تلاش میں نکل آئے۔ اس طرح بیجاپور کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے اہلِ قلم اور صوفیا کی ایک کثیر تعداد ویلور، آرکاٹ، راماناڈ، ترپاتور، آمبور، وانمباڑی، چنگل پیٹ، نطہر نگر (ترچناپلی) اور جنجی کو منتقل ہو گئی۔ ان علاقوں میں جن شاعروں نے قدیم اردو یا دکنی زبان میں دادِ سخن دی ہے ان میں شاہ سلطان ثانی، قربی ویلوری، ولی ویلوری، شاہ تراب چشتی، غوثی آرکاٹی، غوثی چنگل پیٹی، باقر آگاہ ویلوری، ابجدی چنگل پیٹی، معجز آرکاٹی، آثمہ آرکاٹی، لطیف آرکاٹی، حکیم عثمان سرور، مرغوب ترچناپلی اور عاجزہ ترچناپلی وغیرہ کے نام اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔

خربوزہ کے طبی فوائد

ڈاکٹر محمد نعمان بادشاہ، بی یو ایم ایس؛ ادیب فاضل، مدراس یونیورسٹی، چینئی

اللہ نے انسان کے لئے دنیا میں جتنی بھی چیزیں پیدا کی ہیں ان کے اندر مخصوص اثرات، کیفیات، خاصیات اور فوائد و نقصانات ہیں۔ اب انسان کا کام ہے کہ وہ مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے ان چیزوں کا تحقیقی اور طبی تجزیہ اور مطالعہ کرے اور اس بات کا پتہ لگائے کہ ان چیزوں کے اندر ہمارے جسم کی نشو و نما، حفاظت اور بقاء کے لئے مفید اثرات کیا کیا ہیں اور نقصان دینے والے اثرات اور خاصیات کیا کیا ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کی چیزوں میں غلہ و اناج، سبزیات، میوہ جات اور لحمیات وغیرہ شامل رہتے ہیں۔ ہر آدمی کے لئے ضروری ہے کہ بقدر ضرورت ان طبی فائدے اور نقصانات کیا ہیں معلوم کرلے۔ تاکہ ہم ان چیزوں کی افادیت کو سامنے رکھ کر اطمینان کے ساتھ استعمال کرسکیں۔

یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہر بیماری کے ساتھ اس کی دوا بھی رکھی ہے۔ اب ان دواؤں کی تلاش و تحقیق کرنا اور اُن کو تیار کرنا اور اُن سے مفید نتائج نکالنا یہ انسان کا کام ہے۔ اللہ نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا ہے، جس کی دوا اس نے نہ رکھی ہو۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم زمانے میں بے شمار بیماریاں ایسی تھیں، جن کو لاعلاج سمجھا گیا تھا۔ اس زمانہ میں انسان کے پاس وسائل اور ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے لاعلاجی کا تصور پیدا ہوا تھا۔ لیکن آج بے شمار لاعلاج امراض کی دوائیں بھی معلوم کرلی گئی ہیں اور ان کا علاج بھی ہورہا ہے اور لوگ ان امراض سے صحت یاب ہورہے ہیں۔ جو کسی زمانہ میں ان ہی امراض کی وجہ سے موت کی آغوش میں چلے جارہے تھے۔

آج انسان نے امراض کی تحقیق شروع کردی ہے اور اُن کے پیدا ہونے کے اسباب اور علتیں جان لی ہے اور اُن کے تدارک کی صورتیں نکالی ہیں اور دوا سازی کے نئے نئے طریقے اور مرض کی تشخیص و

تحقیق کے لئے نئے نئے مفید آلات ایجاد کرلئے ہیں۔ جو پورے جسم میں موجود غیر مرئی چیزوں کا مشاہدہ کیا جارہا ہے۔ جس کا تصور بھی ماضی میں نہیں تھا۔ اسلام نے مسلمانوں کو ہر علم وفن میں تحقیق اور اس میں کمال پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور انھیں دین کا علم سیکھنے کے ساتھ ساتھ بدن کا علم سیکھنے کو بھی فرض کے درجے میں رکھا۔ کیوں کہ صحیح بدن کے بغیر صحیح طریقہ سے دین کے احکام پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا دین کے اکثر اعمال صحت مند بدن کے ساتھ ہی جڑے ہوتے ہیں۔ جیسے روزہ، نماز، حج وغیرہ۔ انھیں بیمار اور معذور آدمی صحیح طریقہ سے ادا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے اپنی امت کو علم سیکھنے کی طرف مختلف طریقوں سے ترغیب دلائی۔ خواہ وہ علم دین و آخرت سے متعلق ہو یا دنیا کی زندگی گزارنے سے متعلق ہو۔

انسان کے کھانے پینے کی بے شمار چیزوں میں سے ایک چیز میوہ جات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اتنی کثرت رکھی ہے، جتنی غلہ و اناج کی کثرت رکھی ہے۔ ہر ملک اور ہر علاقہ میں ہزاروں اقسام کے میوہ پائے جاتے ہیں اور ہر میوہ میں انسان کے لئے بھرپور غذائیت رکھی گئی ہے اور اس کے ساتھ دوائیت بھی رکھی ہے۔ اگر ہم کسی پھل کے کھانے سے پہلے اس کے بارے میں یہ معلومات حاصل کرلیں کہ یہ پھل طبی نقطۂ نظر سے کیا کیا فائدے پہنچاتا ہے اور اس کے استعمال کی کیا کیا صورتیں ہیں۔ اور اس کے اندر نقصان دینے والے پہلو کیا کیا ہیں؟ صرف اتنا ہم جان لیں تو اس پھل کی غذائیت اور دوائیت دونوں فائدے اٹھا سکتے ہیں اور اس کے نقصان سے حفاظت کرسکتے ہیں۔

پھلوں میں سے ایک پھل خربوزہ بھی ہے۔ جو بہت ہی مشہور اور معروف پھل ہے اور لوگ اسے کثرت سے استعمال بھی کرتے ہیں۔ آئیے اس وقت خربوزہ کا ایک طبی جائزہ لے لیں۔

خربوزہ کو عربی میں بطیخ کہتے ہیں اور انگریزی میں "MELAN" کہتے ہیں اور یہ بہت شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ بعض خربوزے پھیکے اور کسی قدر کسیلے بھی ہوتے ہیں ان کی شیرینی اور عدم شیرینی کا دار و مدار بڑی حد تک زمین کی خاصیت پر ہے جس میں اس کی بیل پرورش پاتی ہے۔

خربوزہ اگر شیریں ہو تو اس کا مزاج گرم تر ہے اور اگر پھیکا اور خام ہو تو ہو تو سرد تر ہے۔ خربوزہ جسم میں نرمی پیدا کرتا ہے اور اسے غذائیت دیتا ہے اور دل و دماغ کو فرحت اور تقویت بخشتا ہے۔

خربوزہ مسلسل اور متواتر استعمال کرنے سے جسم کا ڈھیلا پن اور لاغری دور ہوتی ہے۔ خربوزہ خالی پیٹ استعمال نہیں کرنا چاہیے اور کھانا کھانے کے بعد شکم سیری کی حالت میں بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دونوں حالتیں نقصان دہ ہیں۔ کھانے کا بہترین اور مفید وقت دو غذاؤں اور دو کھانوں کا درمیانی وقت۔ جب کہ ایک غذا ہضم ہو کر آنتوں کی طرف جا چکی ہوتی ہے۔ اس کے استعمال سے قبض دور ہوتا ہے اور پاخانہ صاف ہوتا ہے اس کا استعمال دانتوں کے لئے بھی فائدہ مند ہے۔ اسے اعتدال کے ساتھ کھانا چاہیے۔ زیادہ کھا لینے سے دست آنے لگتے ہیں۔ عورتوں کو دودھ کی کمی ہو تو اس کے استعمال سے دودھ بڑھ جاتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں خربوزہ کے اندر موجود اجزا کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس میں کیلشیم، فاسفورس، کیربوہائیڈریٹ، فولاد، تانبہ، گلوکوز، وٹامن اے، بی، سی پائے جاتے ہیں۔ جو جسم کو قوت دینے اور خون پیدا کرنے میں مفید ہیں۔

خربوزہ میں ایک ترشی بھی ہوتا ہے۔ اس کا استعمال ان لوگوں کے لئے مفید ہے جن کا مزاج گرم ہو۔ خربوزہ ہضم کا انحصار کھانے والے شخص کے معدہ پر ہے۔ اگر اس کا معدہ قوی اور مضبوط ہو تو ڈیڑھ سے دو گھنٹے میں اسے ہضم کر سکتا ہے۔

حکیم احتشام الحق قریشی نے لکھا ہے: ویدوں کے مطابق پختہ خربوزہ چکنا، میٹھا، سرد، ہضم ہونے میں بھاری، مدر بول، منی بڑھانے والا، قوت دینے والا، پیٹ کے کیڑے مارنے والا ہے خربوزہ کھلانے سے بچوں کے پھوڑے، پھنسیاں دور ہوتی ہیں۔ مقعد کی کھجلی اور خون کا نکلنا بند ہوتا ہے۔ نفاس میں دردِ رحم ہو تو اس کے چھلکوں کو عرقِ بادیان میں پیس کر پلانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ پیشاب کے امراض کو دفع کرتا ہے استحاضہ کو بند کرتا ہے۔

خربوزہ کے طبی فوائد

بول مدر ہونے کی وجہ سے استسقاء، جریان، قرحہ مجاری بول اور گردہ و مثانہ کی پتھری میں مفید ہے اور ان تمام امراض اور علتوں کو دور کرتا ہے اور اس کا کثرتِ استعمال گردوں کو پاک و صاف کرنے کے علاوہ زہریلی کثافتوں اور مادوں کو خارج کرتا ہے۔

خربوزہ کھانے کا ایک خاص نفع یہ حاصل ہوتا ہے کہ پیشاب کی بندش ختم ہو جاتی ہے اور پیشاب

جاری ہوتا ہے اور صاف آتا ہے اور یرقان میں بہت مفید ہے ۔ خربوزہ جالی اور مرطّب ہے ۔ اس کے کھانے سے گردوں کی اصلاح ہوتی ہے ۔ پتھری ریزہ ریزہ ہوتی ہے ۔ پیشاب کے راستے سے خارج ہو جاتی ہے ۔ اگر کسی کے معدے میں گرمی ہو اور وہ شیریں خربوزہ استعمال کرے تو صفراء کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے اور اگر شیریں نہیں ہے تو بلغم پیدا ہوتا ہے ۔

خربوزہ کا ایک طبّی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ دماغ کے ورم اور نزلات کو دُور کرتا ہے ۔ بسا اوقات خربوزہ کا کثرت سے استعمال معدہ کو نقصان پہنچا سکتا ہے ۔ کمر درد، قبض، پیشاب کی رکاوٹ اور جلن، عورتوں کی ماہواری میں خلل اور اس سے متعلق دیگر عوارض میں خربوزہ کا استعمال بے حد مفید ہے ۔ اس کی دوائیت اور غذائیت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ خربوزہ کھانے کے بعد فوراً پانی کا استعمال نہیں کرنا چاہئے کچھ وقفہ کے بعد استعمال کرنا چاہئے تاکہ وہ معدہ اور آنتوں میں موجود فضلات کو خارج کر سکے ۔

- مدر ـ جاری کرنے والی، بہانے والی ۔
- جریان ـ رواں ہونا، بہنا، بہ نکلنا لیکن موخر الذکر عربی لفظ ہند میں جریانِ منی پر بولا جاتا ہے اور خاص عربی اصطلاح میں جریانِ منی کے لئے سیلان لبلبنی کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔
- قرحہ مجری بول ـ پیشاب کی نالی کا زخم جس سے پیپ آتی ہے ۔
- جالی ـ لغوی معنی جِلا کرنے والا، پاک وصاف کرنے والا ۔
- مرطب ـ رطوبت یا تری پیدا کرنے والی دوا ۔

سیاق میں جو طبّی اصطلاحات اور الفاظ آئے ہیں ان کی مختصر تشریح پر میں اپنا مضمون ختم کئے دیتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی غذائیت اور دوائیت کا علم عطا فرمائے اور ان چیزوں کو بیماری اور بیماریوں کے لئے ازالہ کا سبب بنائے ۔

آمین بجاہ سید المرسلین ؐ

تنجاور قلعے کی مختصر تاریخ

ڈاکٹر ایم۔بی۔ امان اللہ۔ گیسٹ لکچرار شعبۂ اردو۔ مدراس یونیورسٹی

تنجاؤر جسے ٹینجور کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ شاہی شہر ہے چولا اور نایک بادشاہوں کا شہر ہے۔ تنجاؤر ترچناپلی سے پچاس ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ تنجاؤر کی وجہ تسمیہ ٹینجن۔ ان اسورا (دیو ہیکر) TANJAN-AN ASURA (GIANT) سے ماخوذ ہے۔ ٹینجن اسوراجو مقامی روایات کے مطابق اپنے ہمسایہ کو تباہ کر رہا تھا جسے آنندولی امّن اور وشنو نے قتل کر دیا۔ شری نیلا میگ پیرومال ٹینجن کی آخری التماس تھی کہ اس شہر کا نام اسی کے نام کی مناسبت سے رکھا جائے تو اس التماس کو منظور کیا گیا۔ تنجاؤر اس لئے بھی معروف ہے کہ یہ جنوبی ہند کے ڈیلٹا علاقہ میں کاویری ندی کے قریب واقع ہے اور یہ ٹمل ناڈو کا "بادیۃ الارض" کہا جاتا ہے۔

ٹمل ناڈو میں چولا، چیرا اور پانڈیا بادشاہوں کی حکومت دورِ مہا بھارت سے بھی قبل موجود تھی۔ چولا دورِ حکومت میں بمقابل گزشتہ دونوں حکمراں خاندانوں کے علم و ادب، سائنس اور مذہب کو سرپرستی حاصل تھی چولا بادشاہوں کا دارالحکومت ہمیشہ بدلتا رہا۔ منو نیدی چولن کی حکومت کے دوران تروار ور دارالسلطنت رہا۔ اُرئیور، پٹری یارائی، تنجاؤر اور گنگئی کونڈا چولا پورم چولا بادشاہوں کے دارالسلطنت رہے۔ اس زمانہ کے رزمیہ ادب کے بموجب کریکالا چولن کی سلطنت سے قبل بھی بہت سے چولا بادشاہوں نے تنجاؤر میں حکومت کی تھی۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ تنجاؤر کو وجیالیہ چولن (۸۴۶ء تا ۸۸۰ء) نے پیروم پڈو گومتارئین سے جنگ کے بعد حاصل کیا تھا۔ اس زمانہ سے لے کر راج راجہ چولا کے دورِ حکومت تک تنجاؤر میں خوب ترقی ہوئی۔ انہوں نے کیرلا، شری لنکا اور مالدیپ تک اپنی حکومت کو وسعت دی تھی۔ چولا بادشاہوں نے اڑیسہ تک کے علاقہ کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ اور چین، روس اور سعودی عرب سے کاروباری روابط قائم کر رکھے

تھے۔ چولا دورِ حکومت میں ہندوستان سے غذائی اشیاء، کپڑا، ہاتھی دانت، صندل، کافور وغیرہ کی کثرت سے برآمد ہوتی تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی تک تنجاوُر کو چولا بادشاہوں نے اپنا دارالحکومت بنائے رکھا تھا۔ راج راجہ چولا کا بیٹا راجیندر چولا نے اپنا پایہ تخت گنگئی کونڈا چولاپورم کو منتقل کیا۔ اس کے بعد چولا حکومت دھیرے دھیرے زوال پذیر ہونے لگی تو پانڈیا حکمران نے تنجاوُر کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

وجیانگر کے ایک صوبہ دار نے آزادی کا اعلان کیا اور تنجاوُر میں نائکوں کی حکومت کی بنیاد رکھی۔ تنجاوُر ایک سو پچیس ۱۲۵ سال نائکوں کی حکومت کا پایہ تخت رہا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری تاج دار وجیا راگھوا ایک المناک انجام کا شکار ہوا۔ اس کے سپہ سالار الگری نے مزید چودہ سالوں تک حکومت کی۔ اس کے بعد بیجاپور کے حکمران اور اس کے سپہ سالار نے وجیا راگھوا کے کم سن بچے سنگا مال داس کے لئے تخت کی جانشینی کا حق طلب کیا۔

نائکوں کی باہمی چپقلش اور تنازعوں کی وجہ سے ونکاجی عرف یکوجی جو شیواجی کا سوتیلا بھائی تھا، بیجاپور الگری کو شکست دے کر ۱۶۷۶ء میں تخت پر قبضہ کرلیا۔ مراٹھوں نے تنجاوُر کو ایک سو انا سی ۱۷۹ سال تک اپنا دارالسلطنت بنائے رکھا۔ ۱۷۴۹ء میں معزول شدہ حکمران سیاجی کو بحال کرنے کے بہانے انگریزوں نے مداخلت کی۔

تاریخ اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ تنجاوُر میں مسلم حکومت بھی تھی۔ تنجاوُر کی تاریخ میں کسی بھی مورخ نے مسلم حکم رانوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے حالانکہ نواب محمد علی والاجاہ کے فرزندوں نواب عمدۃ الامراء اور امیر الامراء نے تنجاوُر پر حملہ کیا تھا اور فتح سے ہمکنار ہوئے تھے۔ حضرت ذوقی ویلوری نے ''دُرِّ بے بہا'' نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ یہ مثنوی نواب محمد علی والاجاہ اور اُن کے دو صاحب زادوں نواب عمدۃ الامراء اور امیر الامراء کی جنگ تنجاوُر میں بہادری و کامرانی اور فیروزمندی اور فتح مندی کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی چار سو اشعار پر مشتمل ہے اور صرف دو ۲ دن کی مدت میں لکھی گئی تھی۔ اس مثنوی کا نام ''دُرِّ بے بہا'' خود حضرت ذوقی ویلوری کا تجویز کردہ ہے۔ مثنوی ''دُرِّ بے بہا'' میں تمل ناڈو کے سیاسی حالات ملتے ہیں۔ بقول پروفیسر محمد یوسف کوکن عمری: ''بخیب نامہ'' اور ''دُرِّ بے بہا'' جنوبی ہند کے سیاسی حالات اور یہاں کی تہذیبی و ثقافتی اقدار کا گنج ہائے گراں مایہ ہے۔''

نواب محمد علی والاجاہ کے صاحب زادوں نواب عمدۃ الامراء غلام حسین خاں اور امیر الامراء حافظ محمد منور خاں گوہر کو حضرت ذوقی سے بڑی محبت والفت اور عقیدت تھی۔ آپ ہی کے حکم سے نواب عمدۃ الامراء اور امیر الامراء نے تنجاوُر کے راجہ پر حملہ کیا اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔ حضرت ذوقی نے اس حملہ کی اجازت اس لئے دی تھی کہ خواب میں آپ نے دیکھا تھا کہ قلعۂ تنجاوُر کی کنجیاں حوالے کی گئی تھیں۔ جب حضرت کی یہ بشارت سچ ثابت ہوئی تو اس خوشی میں نواب محمد علی والاجاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جاگیر کا پروانہ پیش کیا تو آپ نے اس کو چراغ پر رکھ دیا۔ نواب صاحب نے انتہائی حیرت کا اظہار کیا تو حضرت ذوقی نے فرمایا: اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہے۔ پروانہ تھا شمع کی نذر ہو گیا۔

اس واقعہ کی تفصیل مولانا شاہ عبدالحی احقرؔ بنگلوری نے بھی اپنی مثنوی "مطلع النور" میں اس طرح بیان کی ہے:

اور نواب جو تھا والاجاہ — صاحب تخت و ملک و فوج سپاہ
لاکیا نذر اس کے اے داتا — ایک جاگیر کا ہے پروانہ
اس کو وہ شمع پر جلایا ہے — اور سخن یہ زبان پر لایا ہے
ہوئے پروانہ شمع پر سوزاں — ہوا نواب دیکھ کر حیراں[1]

نواب عمدۃ الامراء ممتاز زمانہ ۱۷۹۵ء تا ۱۸۰۱ء کا دور ہے یہی دور حضرت ٹیپو سلطان شہید کی ہزیمت اور شہادت کا دور ہے۔ اس دور میں انگریزوں کا اثر ورسوخ کافی بڑھ گیا تھا۔ نواب عمدۃ الامراء کا دورِ حکومت شعراء کی سرپرستی کا دور تھا۔ ان کے دور میں حکیم عظیم الدین تجملؔ، شاہ غوث جامی قادری غوثیؔ، غلام محی الدین معجزؔ آرکاٹی، نواب مستقیم جنگ نامیؔ، حسین علی خان افصحؔ، مغل شہزادہ مرزا علی بخت اظہریؔ گورگانوی، حافظ فضل علی ممتازؔ علی دہلوی وغیرہ نواب عمدۃ الامراء کے دربار کے نامی گرامی شعراء تھے ان کے دور میں سرشارؔ اور فرح بخش آرکاٹی کا بھی پتہ چلتا ہے جو بڑے باکمال تھے۔

ان کے بعد ان کے فرزند نواب محمد علی حسین خان تاج الامراء ماجد ۱۸۰۱ میں تخت نشین ہوئے یہ ہنگامی

---

[1] مثنوی "مطلع النور"، ص: ۱۳ : مولانا شاہ عبدالحیؔ بنگلوری

دَور تھا۔ اس دَور میں انگریزی اقتدار کو مضبوطی اور ہندوستانی سلاطین کو جابجا شکست و ریخت کا سامنا ہو رہا تھا۔ حسنِ اتفاق سے یہ دَور اردو زبان و ادب کی ترقی کا سب سے زرین دَور کہلاتا ہے۔ خود نواب شاعر تھے اور ماجد تخلص کرتے تھے۔ نواب محمد علی والاجاہ کے فرزند نواب حافظ منور خان کے دوسرے فرزند نواب عبد العلی خان عظیم الدولہ بہادر کا عہد انگریزوں کے خلاف بغاوت کا دَور تھا۔ اس دَور میں مذکورہ بالا شعراء و اہلِ علم کے علاوہ مولانا باقر آگاہ ویلوری، حضرت ذوقی ویلوری کے علمی و ادبی کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس کے بعد ان کے فرزند نواب اعظم جاہ ۱۸۲۰ء تا ۱۸۲۵ء کا دَور آتا ہے۔ اس دَور میں محمد غوث شرف الملک اور ملک الشعراء مستقیم جنگ نامی نے شہرت پائی۔

جب انگریزوں کا پوری طرح تسلط ہوگیا تو علماء اور ادباء سرکاری سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ بہت سے علماء، ادباء اور شعراء نے حیدرآباد اور میسور کے علاقوں کا رُخ کیا۔ والاجاہی دَورِ حکومت میں عربی فارسی اور اردو میں تصنیف و تالیف کا کافی کام ہوا۔

۱۷۵۸ء میں فرانسیسیوں نے تنجاؤر پر حملہ کیا۔ لیکن دوبارہ ۱۷۷۳ء میں انگریزوں نے تنجاؤر پر اپنا تسلط برقرار کر لیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تنجاؤر کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کر لی اور سَر فوجی دوم کو تنجاؤر کا قلعہ اور اس کے اطراف کے علاقوں کی حکومت عطا کی۔ ۱۸۵۵ء میں جب سَر فوجی کے جانشین شیواجی کے مرنے کے بعد جب اس کا کوئی وارث باقی نہ رہا تو تنجاؤر براہِ راست بغیر کسی خون خرابے کے برطانوی حکومت کے قبضہ میں آگیا۔

چولا راجاؤں نے اپنے دَورِ حکومت میں ایک بڑا مندر تعمیر کیا تھا جو آج بھی تنجاؤر کے چھوٹے قلعہ میں موجود ہے اور باہر سے صاف نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی تقریباً ستر مندر یہاں موجود ہیں تنجاؤر میں ۳۰ سے زیادہ عربی مدارس بھی موجود ہیں۔ تنجاؤر میں دو چھوٹے قلعے بھی ہیں جنہیں عوام میں شیواگنگا قلعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

شیواگنگا قلعہ:

یہ قلعہ شہر کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہ قلعہ سیوپّا نائک نے سولھویں صدی کے وسط میں تعمیر کیا تھا۔ اس قلعہ کے دندانے دار دیواریں ۳۵ ایکڑ رقبۂ زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس قلعہ کے اطراف گہری خندق بھی ہے۔ قلعہ کے سامنے ایک مربع شکل کا تالاب کھدوایا گیا ہے۔ جس سے شہر کے لئے

پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ قلعہ دراوڑی ثقافت اور فن سنگ تراشی کا نمونہ ہے۔

شاہی محل ROYAL PALACE

شاہی محل یا رائل پیلس کی تعمیر نایکوں نے شروع کی تھی اور اس کی تکمیل مرہٹوں کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ صدر دروازے سے ملحقہ ایک چوکور وسیع صحن ہے اس صحن کے شمال اور مشرقی جانب بڑے بڑے دروازے ہیں۔ صحن ایک اور بڑے صحن میں کھلتا ہے، جہاں بڑے بڑے ستون ہیں۔ اس کی جنوبی جانب تیسرے کونے پر ۱۹۰ قدم اونچی ۸ منزلہ گنبد نما عمارت ہے۔ اسے 'گوڈاگوپورم' کہا جاتا ہے۔ اس پر سے نگہبان پورے محل کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اور شاہی اسلحہ اور جنگی ساز و سامان پر بھی نظر رکھی جاتی تھی۔ گوڈاگوپورم سے آگے محل میں ایک مینار رہے۔ جو "ماڈاما گئی" کہلاتا ہے جس میں چھ منزلیں ہیں۔ جسے نایکوں نے تعمیر کیا تھا۔ یہ مینار بجلی گرنے سے ٹوٹ گیا تھا۔ جسے آثارِ قدیمہ والوں نے دوبارہ تعمیر کیا۔ رائل پیالس میں ۲ دو درباری ہال ہیں جو نایک اور مرہٹے استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ راجا سرفوجی سرسوتی محل کتب خانہ بھی ہے۔

سرسوتی محل کتب خانہ

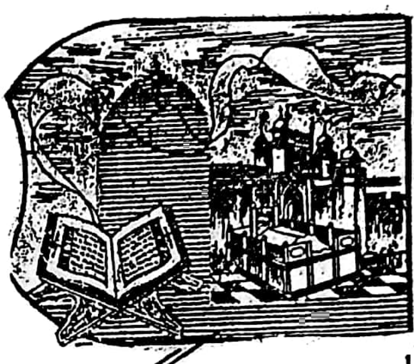
اس کتب خانہ میں ۳۰۴۳۳ سنسکرت، فارسی و اردو کے نایاب مخطوطے تاڑ کے پتوں پر لکھے ہوئے محفوظ ہیں۔ اس لائبریری میں ۶۴۲۶ مطبوعہ کتب و رسائل کی جلدیں بھی موجود ہیں۔ یہ کتب خانہ تین سو سالہ نایکوں اور مرہٹوں کی علمی جستجو کا نتیجہ ہے۔

رائل میوزیم

رائل میوزیم میں قابلِ قدر تصاویر، پینٹنگ اور سنگ تراشی کے نمونے رکھے گئے ہیں۔ جس پلوا، چولا، پانڈیا اور نایک کے زمانہ کی مورتیاں مجسمے اور سنگ تراشی کے نمونے موجود ہیں۔ اس میوزیم کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہاں تانبے کی مجسمہ سازی بھی ملتی ہے۔



وسیلہ قرآن و حدیث کی روشنی میں



ٹی شیخ محبوب صاحب
کلکتہ

معنی: لغت میں توسل کے معنی مقصد کے حصول کے لئے کسی شئے کو وسیلہ اور سبب بنانے کے ہیں۔ شرع کی اصطلاح میں اللہ تعالے کے نزدیک قدر و مرتبت والی شئے کو دُعا کے قبول ہونے کے لئے وسیلہ بنانے کے ہیں۔ لہذا جس کی اللہ تعالے کے نزدیک قدر و منزلت ہے اس سے توسل جائز اور حسن ہے۔ خواہ وہ ذات ہو یا عملِ صالح ہو۔

قرآن:- ۱۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالے کا فرمان ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۝ [آیت: ۳۴]

ترجمہ: اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو

وسیلہ ذاتوں کو بھی شامل ہے۔ اعمال کو بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ وسیلہ ہر اس کو کہا جاتا ہے جس سے توسل کیا جاتا ہے۔ یعنی جس سے باری تعالے کے طرف قربت ڈھونڈی جاتی ہے۔ خواہ وہ قربت عملِ حسن ہو یا اور کچھ ہو۔

۲۔ سورۂ نساء میں ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ [آیت: ۶۴]

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اگر اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں

پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیت میں فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ (پھر اللہ سے معافی چاہیں) اعمال کے بیان کے لئے اور وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ (اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں) ذوات کے بیان کے لئے ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وسیلہ ذوات اور اعمال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۳ سورۂ انفعال میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ [آیت: ۳۳]

ترجمہ: اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم اُن میں تشریف فرما ہو۔ اور آگے فرمانِ الٰہی ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ؕ [آیت: ۳۳]

اور اللہ انھیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ آیت کے پہلے حصّہ میں وارد ہے وَاَنْتَ فِيْهِمْ (جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو) ذاتوں کے بیان کے لئے اور دوسرے حصّے میں وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (جب تک بخشش مانگ رہے ہیں) اعمال کے بیان کے لئے ہے۔ ان قرآنی دلائل سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ ذاتوں اور اعمال دونوں میں بھی شامل ہے۔

احادیث:- (۱) اعمال سے وسیلہ

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی جارہے تھے کہ انھیں بارش نے آلیا۔ چناں چہ وہ ایک پہاڑ کے غار میں چھپ گئے۔ غار کے منہ پر پہاڑ کے اوپر سے ایک بہت بڑا پتھر آگرا اور وہ بند ہوکر رہ گئے۔ چناں چہ وہ آپس میں کہنے لگے کہ کوئی ایسا نیک عمل دیکھو جو تم نے محض رضائے الٰہی کے لئے کیا ہو۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ سے دعا کرو۔ شائد یہ مشکل آسان ہوجائے۔ چناں چہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ میرے والدین زندہ تھے اور انتہائی بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہوئے تھے۔ نیز میرے چھوٹے چھوٹے بچّے بھی تھے میں اُن کے لئے بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب میں شام کو واپس لوٹتا تو بکریاں دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے والدین کو دودھ پلایا کرتا تھا۔ ایک روز جنگل میں دُور جا نکلا اور شام کو دیر سے واپس لوٹا۔ میرے والدین اس وقت سو چکے

تھے۔ میں حسبِ معمول دودھ لے کر ان دونوں کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔ میں انھیں نیند سے بیدار کرنا ناپسند کیا اور بچوں کو اُن سے پہلے دودھ پلا دینا بھی مجھے اچھا نہیں لگا۔ حالاں کہ بچے میرے قدموں کے پاس روپیٹ رہے تھے۔ حتیٰ کہ صبح ہونے تک میری اور اُن کی یہی حالت رہی۔ اے اللہ! تو جانتا ہے، اگر میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لئے کیا تو اس پتھر کو ہٹا دے۔ تاکہ ہم باہر نکل سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے تھوڑا سا ہٹا دیا۔ کہ اس میں آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا۔ جتنی کوئی آدمی کسی عورت سے کرتا ہوگا۔ میں نے اس سے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا تو اُس نے اس وقت تک کے لئے انکار کیا۔ جب تک کہ اُسے سو (١٠٠) دینار نہ دوں۔ میں نے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ سو دینار جمع کر لیئے۔ میں انھیں لے کر اس کے پاس گیا۔ جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور لگی ہوئی مہر کو نہ کھول۔ پس میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ اے اللہ! اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا تو ہماری اس مشکل کو آسان کر دے۔ پس چٹان اور تھوڑی سی ہٹ گئی۔ تیسرے نے کہا: اے اللہ! بے شک میں نے ایک مزدور کو اپنے کام پر لگایا تھا کہ ایک فرق چاول دوں گا۔ جب وہ کام ختم کر چکا تو اس نے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا۔ میں نے مزدوری سامنے رکھ دی۔ لیکن وہ مزدوری چھوڑ کر میرے پاس سے چلا گیا۔ پس میں ان کے ساتھ برابر کاشتکاری کرتا رہا۔ یہاں کہ غلّہ سے کئی گائیں خرید لیں اور چرواہا رکھ دیا۔ مدّتوں بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کرو اور میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے کہا: ان گائیوں اور چرواہے کی طرف جاؤ یہ سب تمہارا مال ہے۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو۔ میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ اپنے گائیں اور چرواہے لے جاؤ۔ پس وہ انھیں لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! پس تو جانتا ہے۔ اگر میں نے یہ محض تیری رضا کے لیے کیا ہے، تو جتنا راستہ بند ہو گیا ہے۔ اسے کھول دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے سے یہ پتھر ہٹا دیا۔

٢۔ ذات سے وسیلہ

بخاری شریف میں باب الاستسقاء میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب لوگ خشک سالی میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وسیلہ سے بارش کے لیے دُعا فرمایا۔ آپؓ نے عرض کیا: اے اللہ! ہم تیری جانب اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے توسل کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب فرماتا تھا۔ اب ہم تیری جانب اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکرم چچا سے توسل کرتے ہیں۔ تو ہمیں سیراب فرما۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: وہ سیراب ہوتے تھے۔

صالحین

امام ترمذی نے جامع میں روایت کیا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ دو قسموں کے ہیں۔ ایک وہ ہے جو نیک ہے، پرہیزگار ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک عزیز ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جو بدبخت ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ذلیل ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے پاس صالحین اور حضرات مرسلین علیہم السلام کا بڑا مرتبہ ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالےٰ کے یہاں سب سے بڑا مرتبہ ہے۔ اس لئے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم رسولِ اعظم ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، خاتم النبیین ہیں اور شفیع المذنبین ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ علیہ السلام کی شان میں فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا (سورۃ العمران: آیت: ۱۶۴) بے شک اللہ کا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول بھیجا) یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ حیاتِ ظاہرہ میں ہی نہیں بلکہ اس سے قبل اور بعد میں بھی لیا جاتا رہا ہے۔

حضور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت سے قبل توسل

اللہ تعالےٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا: وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۝ (سورۃ بقرہ: آیت: ۸۹) ترجمہ: اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ ابن عباس، ابنِ جریر، حضرت مجاہد، امام فخر الدین رازی، ابنِ کثیر رحمہم اللہ علیہم نے فرمایا: یہود اس طرح سے دعا کرتے تھے: "اے اللہ! حضور نبئ اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔"

حاکم نے مستدرک کی کتاب التاریخ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے،

کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا صادر ہوئی: آپؑ نے عرض کیا "اے رب میں تجھ سے اپنی بخشش حقِ محمدی کے وسیلہ سے مانگتا ہوں"۔ تب اللہ تعالےٰ نے فرمایا: "اے آدم! تم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا، جب کہ میں نے پیدا ہی نہیں کیا؟" عرض فرمایا: "اے رب! یہ اس لئے کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی جانب سے شریف روح کو مجھ میں ڈالا، میں نے اپنے سر کو اٹھایا اور عرش پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔ تب میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام پاک کے ساتھ کسی کے نام کا اضافہ نہیں فرمایا ہے۔ مگر اس ذات گرامی کے نام نامی کا اضافہ فرمایا ہے جو مخلوقات میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تب اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اے آدمؑ تو نے سچ کہا۔ بے شک وہ مخلوقات میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ جس نے مجھ سے حق محمدی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے دعا کی، بے شک میں نے اسے بخش دیا۔ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں خلق ہی نہیں کرتا۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اس حدیث کو طبرانی، ابن عساکر، ذہبی قسطلانی اور زرقانی رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے بھی روایت کیا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے حیاتِ ظاہری میں توسل

ترمذی، ابنِ ماجہ، بخاری، حاکم اور امام احمد نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ایک نابینا آدمی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا: اللہ تعالےٰ سے دُعا فرمائیں کہ مجھے صحت بخشے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو دُعا کروں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس نے کہا: آپ اللہ تعالےٰ سے دُعا فرمائیں۔ تب آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم فرمایا کہ اچھی طرح وضو کرو اور یہ دعا مانگے: **اللّٰھم انی اسالك واتوجه اليك بنبيك نبي الرحمة يا محمد انی توجهت بك الى ربّی فی حاجتی هذه لتقضٰی ہ** ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور محمد طرف سے تیرے نبیٔ رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے توجہ کرتا ہوں۔ اے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں اپنی حاجت کے پورا ہونے کے لئے آپؐ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف توجہ کی۔

ابن ماجہ نے اس کے آخیر میں کہا: اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اور طبرانی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: "قسم اللہ کی نہ ہم لوگ جدا ہوئے تھے نہ ہی

ہماری گفتگو طویل ہوئی تھی کہ وہ آدمی اس حالت میں داخل ہوا کہ وہ بینا تھا گویا وہ کبھی نابینا تھا ہی نہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد توسل

ابن شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں لوگ خشک سالی میں مبتلا ہوگئے۔ تب حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس آئے۔ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کے لئے استسقاء فرمائیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ ہلاک ہوگئے۔ ان کو خواب میں کہا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی خدمت میں جاؤ اور ان سے کہو بے شک تم لوگ سیراب کئے جانے والے ہو سمجھ بوجھ لازم رکھو۔ اس کے بعد بارش ہوئی۔

خاتمہ

ان قرآنی دلائل اور صحیح احادیث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوچکی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی ذوات سے توسل کرنا ثابت ہوگیا۔ بالخصوص حضور نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ شریفہ سے۔ جس نے اس کے خلاف کہا اس کا قول اسی پہ مردود ہوا۔ حضرات کے اجماع کے خلاف ہے۔ اور جو قول اجماع کے خلاف ہے مردود ہے۔

دُعا۔

اللہ تعالے حقائق کو سمجھنے اور صالح علماء اور اکابرین کے عقائد پر ثابت قدم رکھے۔ آمین

وصلے اللہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہ اجمعین ؞

نعت شریف

جناب شاہد مدراسی

خار سے گل اور کنکر سے گہر کردیجئے
شے میں ناکارہ ہوں مجھ کو معتبر کردیجئے

اُڑ کے آجاؤں میں طیبہ ہو عطا جو بال و پر
جب پہنچ جاؤں وہاں بے بال و پر کردیجئے

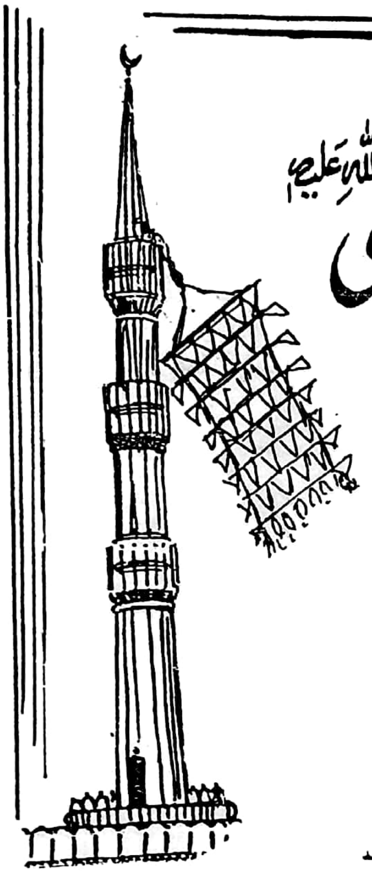
مال و دولت سے بڑی نزدیک میرے ہے یہی
یا نبیؐ مجھ پر کرم کی اک نظر کردیجئے

بادۂ عرفاں کا طالب ہوں پلاکر ایک جام
مجھ کو دنیا کی طلب سے بے خبر کردیجئے

آپ کے دامن کو شاہدؔ تھام کر کہتا ہے یہ
بے اثر ہر اس دعا کو با اثر کر دیجئے

مختصر سوانح حیات

حضرت قادر ولی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ



سعادت اللہ خان یم اے، بی ایڈ،
گورنمنٹ بی۔یو۔سی۔گرلس آرٹس کالج۔
بنگار پیٹ۔

مختصر سوانح حیات

ولادت

حضرت قادر ولیؒ کی ولادت ترکی سلطان سلیم بن محمد بن ابی یزید کی خلافت کے بارہ[۱۲] سال پہلے مصری سلطان قانصوہ الفوری کے زمانہ میں دہلی کے مشہور قریہ مانکپور میں ہوئی مانکپور اس زمانہ میں بہت ہی آباد تھا اور یہاں بے شمار علماء و صلحاء و عباد و زہاد پیدا ہوئے۔ ۱۰ جمادی الاول ۹۱۰ھ بروز جمعہ آپؒ کی ولادت ہوئی۔ آپؒ کے والد کا نام سید حسن قدسیؒ تھا۔ آپؒ کا اصلی نام عبد القادر تھا۔ مگر آپؒ شاہ الحمیدؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔

ولادت کی بشارت

حضرت قادر ولیؒ کے والد معظم سید حسن قدسیؒ کی ولادت سے قبل ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام یوسف تھا۔ لیکن بچپن ہی میں اس کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے والدین کو بے حد رنج ہوا۔ کیوں کہ کئی سال کی تمناؤں کے بعد لڑکا تولد ہوا تھا۔ والدین اس کے غم میں مبتلا ہی تھے کہ ایک دن انہوں نے ایک ہاتف غیبی کی آواز سنی۔ اس نے کہا، لے میرے بندے تم میاں بیوی کو یوسف کی وفات پر کوئی افسوس نہ ہونا چاہیے۔ ہم نے تمہیں اپنی مہربانی سے ایک لڑکا بخشا

تھا۔ جس کو انصاف کے ساتھ ہم نے واپس لے لیا۔ اب تمہیں صبر کرنا چاہیئے۔ ہم تمہیں اس سے بہتر دوسری اولاد دیں گے جو صلاح و سداد بہتری اور راستی کے لحاظ سے اس پہلے لڑکے سے بہتر ہوگا۔

انبیاء کرام کی بشارتیں

روایات میں ہے کہ جب شیخ کی والدہ حاملہ ہوئیں تو اس رات حضرت خضر علیہ السلام سوتے وقت تشریف لائے اور کہا کہ خدا تمہیں سلام کہتا ہے اور مجھ کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم کو بشارت دوں کہ تمہارے پیٹ میں ایک ایسا ولی ہے جو کونین کا قطب اور ثقلین کا غوث ہوگا۔ شیخ کی والدہ یہ سن کر جاگ اٹھیں اور اپنے شوہر کو اس بشارت کی اطلاع دی۔ دونوں نے اس مبارک بشارت پر خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔

"ہدایت نامہ" کے مصنّف نے لکھا ہے کہ جب شیخ کی والدہ حاملہ ہوئیں تو پہلے مہینے میں حضرت آدمؑ، دوسرے مہینے میں حضرت نوحؑ، تیسرے مہینے میں حضرت ابراہیمؑ، چوتھے مہینے میں حضرت اسمٰعیلؑ، پانچویں مہینے میں حضرت موسیٰؑ، چھٹویں مہینے میں حضرت داؤدؑ، ساتویں مہینے میں حضرت عیسیٰؑ اور آٹھویں مہینے میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور نوویں مہینے میں حضرت علیؓ خواب میں تشریف لائے اور ہونے والے ولی کی مخصوص صفات بیان کیں۔ جب ولادت کا زمانہ قریب آیا تو ان کے خواب میں حضرت بی بی فاطمہؓ زہرا خوب صورت عورتوں کے ساتھ تشریف لائیں اور ایک ولی کامل کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔

تعلیم و تربیت

جب حضرت قادر ولیؒ آٹھ سال کے ہوئے تو آپؒ نے سب سے پہلے قرآن حفظ کیا اور اس کے بعد علماء کرام کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور ان سے صرف و نحو، فقہ و تفسیر، حدیث، عقائد اور فتاویٰ کی تعلیم حاصل کی اور چند ہی سال میں سارے علوم پر مہارت حاصل کرلی۔

سیر و سیاحت

حضرت قادر ولی جب اٹھارہ ۱۸ سال کے ہوئے تو ایک دن کسی ضرورت کے تحت ایک خالی مکان میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ آپؒ نے ایک آواز سُنی کہ اے عبدالقادر شیخ کی تلاش کرو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اُن سے تزکیہ اور خرقہ حاصل کرو۔ اس آواز پر آپؒ نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ سمجھے کہ یہ آواز کسی ہاتفِ غیبی کی ہے اور انھیں خدا سے یہ حکم ملا ہے۔ یہ واقعہ ۹۲۸ھ کا ہے۔ آپؒ گھر لوٹ آئے اور اپنے والدین سے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ بلاشبہ یہ خدا ہی کا حکم ہے۔ اب مجھے کسی شیخ کی تلاش کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیئے۔ آپؒ والدین کی اجازت لے کر گوالیار شہر پہنچے۔ وہاں پر قطب عالم شیخ محمد غوث گوالیاریؒ سے ملاقات کیا۔ وہی آپ کے پیر و مرشد تھے۔

شادی کی پیش کش اور انکار

جب حضرت قادر ولیؒ کے پیر و مرشد شیخ محمد غوثؒ گوالیاری نے آپ کے ظاہری اور باطنی کمالات کو دیکھا تو اپنے علوم و فنون کے سارے خزانے ان پر کھول دیے۔ جب حضرت شیخ محمد غوثؒ کی بیوی نے ان کے کمالات کا مشاہدہ کیا تو اپنی لڑکی ان سے بیاہنی چاہی اور انہوں نے حضرت قادرؒ ولی کی خدمت میں دو بوڑھی عورتوں کو روانہ کیا۔ انہوں نے اپنی مالکن کی خواہش بیان کی۔ حضرت قادرؒ ولی نے کہا: میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے اس فانی دنیا کی دولت نہیں چاہیے۔ پھر حضرت قادرؒ ولی نے اپنی بائیں آستین بلند کی اور ان دونوں بوڑھی عورتوں سے کہا کہ اس آستین میں جھانکو۔ ان دونوں کی حیرت کی کچھ انتہا نہیں رہی جب کہ انھوں نے سایہ دار درختوں سے بھرا ہوا ایک کشادہ باغ دیکھا۔ جس میں موتی کا ایک قبہ تھا جس میں لعل یا قوت کا ایک بیش بہا جھولا لٹکا ہوا تھا اس میں دو حسین و جمیل حوریں جھول رہی تھیں۔ وہ اتنی خوب صورت تھیں کہ کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جب دونوں بوڑھی عورتوں نے یہ منظر دیکھا تو بے ہوش ہو گئیں۔ حضرت قادرؒ ولی انہیں ہوش میں لے آئے اور کہا: اللہ تعالےٰ نے ہر لڑکی کے لیے اس کا شوہر اور ہر دانہ پر اس کے کھانے والے کا نام لکھ دیا ہے۔ پھر ان سے کہا کہ جا کر اپنی مالکن کو سناؤ۔ جب انہوں نے اپنی مالکن سے یہ قصہ سنایا تو بہت تعجب کرنے لگیں اور چپ ہو گئیں۔ پھر اپنے شوہر سے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور کہا: تم کیوں کر ان کو شادی کا پیام بھیجا؟ جب کہ تمہیں یہ معلوم تھا کہ انھیں اس دنیا کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، انھیں اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید ہے اور ان سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی۔ پھر بیوی کو حکم دیا کہ قاصد بھیج کر حضرت قادرؒ ولی سے معذرت چاہیں۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے اُن کے حق میں دعا کی۔

حج کا ارادہ کرنا، استاد سے رخصت

جب ستائیس سال کے ہوئے تو حضرت قادرؒ ولی حج کا ارادہ کیا۔ اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری سے اجازت چاہی۔ پیر نے بخوشی حج کی اجازت مرحمت فرمائی اور کہا: بیٹا! خدا کا نام لے کر حج کے لیے نکلو اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دادا کی قبر مبارک پر بھی جاؤ۔

جب سفر حج کا وقت آیا تو حضرت قادرؒ ولی نے استاد سے رخصت چاہی۔ اس وقت ان کے سامنے بہت سے لوگ موجود تھے۔ استاد نے اُن کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: تم اِن لوگوں کو جانتے ہو؟ حضرت قادرؒ ولی نے جواب دیا: نہیں۔ استاد نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو کسی زمانہ میں گوالیار اور مانکپور کے درمیان راستہ پر لوٹ مار کا پیشہ کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں ہدایت دی اور یہ میرے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور نیک راستہ اختیار کیا۔ اب تجارت کے سوا انہیں کوئی راہ راست پر لگا نہیں

سکتا۔ تمہیں چاہیے انہیں شریعت کے احکام سکھائیں اور سلوک کے آداب و طریقے بتائیں اور ذکر و اذکار کی تلقین کر کے انہیں خرقہ پہنائیں۔ پھر ان میں سے چار آدمیوں کو منتخب کر کے جو سفر و حضر میں ہر جگہ تمہارے ساتھ رہ سکیں اور ہر بات میں تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں۔ حضرت قادرؒ ولی نے اپنے استاد کے ارشادات کے سامنے اپنی گردنِ اطاعت جھکا دی اور کہا مجھے ہر ایک بات قبول اور منظور ہے۔ چناں چہ اُنھیں ساتھ لے گئے اور ہر چیز سکھا کر انہیں اپنا خرقۂ خلافت پہنا دیا۔

جب آخری رخصت لینے کا موقع آیا تو انہوں نے شیخ کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ ہر ایک پر اُن کی جدائی شاق تھی سب کے دل جدائی سے سوگوار تھے۔

حضرت قادرؒ ولی کی کرامات

حضرت قادرؒ ولی جب شکمِ مادر ہی میں تھے کہ اسی وقت سے آپ کی کرامات کا ظہور ہو گیا تھا۔

حضرت قادرؒ ولی کی والدہ پر حمل کے پانچ مہینے گزرے تو اُن کے والد سخت بیمار ہو گئے۔ جتنی دوا کی جاتی تھی اتنا ہی اُن کا مرض بڑھتا جاتا تھا۔ بیماری کی تکلیف سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ ان کے آخری دن قریب آ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر کسی جھوٹے اور افترا پرداز آدمی نے کہا کہ یہ سب کچھ اس ہونے والے بدبخت بچے کا ہے۔ یہ سُن کر والدین کو اور بھی زیادہ رنج ہوا۔

اتنے میں بطنِ مادر سے آواز آئی: اے میری ماں! تو کچھ غم نہ کر، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ ضرور تمہارے شوہر کو شفا دے گا۔ ایک جھوٹے کی بات کا تم ہرگز لحاظ نہ کرو۔ ماں نے یہ بشارت اپنے شوہر کو سنائی۔ ان کے والدین سُن کر بہت ہی خوش ہوئے چند ہی دنوں میں اُن کو نہ صرف کُلّی شفا ملی بلکہ ان کی صحت پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی

کرامات بعد از ولادت

حضرت قادرؒ ولی کی ولادت پر ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک فقیر دروازہ پر آیا۔ جس کے شادی کے لائق سات لڑکیاں تھیں۔ اُس نے یوں سوال کیا: اے کھاتے پیتے لوگو! بے شک میں ایک تنگدست بھوکا فقیر ہوں۔ اور میری بیٹیاں بھی تنگدست اور بھوکی ہیں۔ پس مجھ پر رحم کرو۔ تمہارے سوا مجھے کسی سے امید نہیں ہے۔ تمہارے گھر میں تو ایک ولی پیدا ہوا ہے، جو سب کا کفیل ہے۔ ماں نے جب فقیر کی درد بھری آواز سُنی تو گھر میں تلاش کیا۔ کوئی چیز ایسی نہیں ملی جو فقیر کے کچھ کام آ سکے۔ فقیر کو نامراد واپس بھیجنے پر انہیں بہت زیادہ رنج ہوا۔ اور جب بچے کو دودھ پلانا چاہا تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب کہ (بچہ) حضرت قادرؒ ولی کے منہ میں ایک قیمتی یاقوت دیکھا۔ ماں بہت خوش ہوئی اور فوراً ہی یہ یاقوت دے کر خادمہ کو فقیر کے پیچھے دوڑایا اور کہلا بھیجا کہ "لو اس کو بیچ کر اپنی لڑکیوں کی شادی اور اپنی حالت کو

سُدھار نے میں خرچ کرو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ یاقوت بہت قیمتی تھا۔ اس سے اتنا روپیہ ملا جس سے اس فقیر کی لڑکیوں کی شادیاں نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتی تھیں۔

ہوا میں اڑتے ہوئے شخص کا نیچے گر پڑنا اور اچھا ہونا

حضرت فریدالدین تزوالوری اپنی کتاب میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت قادر ولی کی عمر ابھی پانچ مہینے کی تھی کہ ایک شخص ہوا میں سے آپؒ گھر کے چبوترے پر آ گرا۔ وہ ایک پہاڑی آدمی تھا۔ اس کے چہرے اور بدن کی حالت متغیّر ہوگئی تھی۔ حضرت قادرؒ ولی کے والد نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں روزانہ ہوا میں اُڑتا تھا۔ آج اپنی عادت کے مطابق ہوا میں اُڑتا جا رہا تھا کہ ایک چھوٹا بچّہ ہوا میں اُڑتا ہوا آیا اور مجھے اپنے پیروں سے ایسا روندا کہ میں نیچے گر پڑا۔ اب مجھ میں اٹھنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔ یہ سُن کر اُن کے والد اندر گئے اور بچّہ کو اٹھا لائے۔ اُس نے کہا: یہی وہ بچّہ ہے جس نے مجھے روندا۔ بچّے نے اُس آدمی کو دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ اُن کے والد نے کہا بہتر ہے کہ تم کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام لے آؤ۔ خدا تمہیں جلد اچھا کر دے گا۔

اس شخص نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ تو وہ اچھا ہو گیا اور اسی وقت کھڑا ہو گیا۔ بچّہ کے پیروں کو بوسہ دیا اور انھیں کی خدمت اختیار کی اور آخر تک انہیں کا ہو رہا۔ اور بہت ہی نیک اور صالح لوگوں میں شمار ہونے لگا۔

پہلی رمضان کو دودھ پینے سے انکار کر دینا

جب حضرت قادر ولی سات مہینے کے ہوئے تو رمضان کا مہینہ آگیا۔ چاند رات کو ابر آجانے کی وجہ سے چاند کہیں دکھائی نہیں دیا۔ مانکپور والے روزہ نہیں رکھ سکے۔ سویرے جب ماں نے دودھ پلانا چاہا تو بچہ یعنی حضرت قادرؒ ولی نے دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ ماں سمجھ گئیں کہ چاند ہو چکا ہے۔ اور آج رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کی تاکید کی۔ بعد میں ادھر اُدھر سے خبریں آئیں کہ چاند نظر آگیا ہے۔ مانکپور والوں نے قضا ادا کی اور جب لوگوں کو حضرت قادرؒ ولی کی کیفیت معلوم ہوئی تو سب کو تعجب ہوا۔ اس قسم کا واقعہ حضرت غوث پاکؓ کے متعلق بھی نقل کیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! جس طرح حضرت غوث پاکؓ کے ولایت اس واقعہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے اسی طرح اُن کی نسل سے حضرت قادرؒ ولی کی ولایت کا یہ واقعہ پیش آیا۔

آگ میں جلے ہوئے دودھ کا واپس آنا

حضرت قادر ولیؒ تین سال کے تھے کہ ایک دن آپؒ کی والدہ چولھے پر دودھ گرم کررہی تھیں۔ آپؒ نے دودھ مانگا۔ والدہ نے انڈیل کر انھیں دینا چاہا، مگر برتن الٹ کر سارا دودھ چولھے میں گر گیا اور کوئلوں میں جذب ہوگیا۔ یہ دیکھ کر ماں کو بہت رنج ہوا۔ حضرت قادر ولیؒ نے کہا: اے میری ماں! تم غمگین نہ ہو۔ آگ میں اپنا ہاتھ ڈالو اور دودھ نکال لو۔ اللہ تعالٰی اہلِ بیت پر آگ حرام کردیا ہے۔ ماں نے ایسا ہی کیا، پہلے سے زیادہ صاف وشفاف دودھ نکل آیا۔ جس کو حضرت قادر ولیؒ نے پیا۔ ماں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت خضرؑ کی طرف سے علم لدنی حاصل کرنا

حضرت قادرؒ ولی چار سال کے ہوئے اور پانچویں سال میں قدم رکھا تو ایک دن آپؒ نے اپنے گاؤں کے جنگل کی طرف تشریف لے گئے اور ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ ایک فقیر کی صورت میں آپؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: اے اللہ کے ولی اور صفی اپنا منہ کھولو۔ اس نے تین دفعہ آپ کے منہ میں تھوکا اور یہ دعا کی: اللہ تم کو علم لدنی اور کرامات عطا کرے۔ جب حضرت قادرؒ ولی نے ان کا نام پوچھا تو بتایا کہ میں خضرؑ ہوں۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ ان کو سلام کیا اور اپنے گھر کو چلے آئے۔

اپنی وفات کی خبر دینا

حضرت قادرؒ ولی نے ایک دن لوگوں سے کہا میں کل خدا کے حکم سے تمہارے درمیان وفات پاجاؤں گا۔ پس کوئی بھی مجھ پر روئے نہ چلائے۔ جب میری وفات کی خبر سنو تو انّا للہ وانّا الیہ راجعون پڑھو۔ اُن دن بھوکوں اور پیاسوں پر رحم کرو۔ مجھ کو نہلا دھلا کر فلاں مقام پہ نماز پڑھ کر دفن کردو میری ساری تجہیز وتکفین شریعتِ محمدیؐ کے مطابق ہونی چاہیے۔ جس کی میں نے تم کو تعلیم دی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ جب لوگوں نے حضرت قادر ولی سے یہ بات سُنی تو ان پر دو مختلف قسم کی کیفیتیں طاری ہوگئیں ان کے فراق اور جدائی پر ان بے حد رنج ہوا اور دوسری طرف اس بات کی خوشی تھی کہ ان کا مزار ہمیشہ کے لیے اُن کے پاس ہوگا۔ جس کی وہ زیارت کرکے برکت حاصل کرتے رہیں گے۔ لوگ اِدھر اُدھر ان کے گرد جمع ہوگئے اور اُن کی اچھی اچھی باتوں کو شوق سے سُننے لگے۔ ایک دن ایک رات ان کو اچھے کاموں کی وصیت کرتے جاتے تھے اور تقویٰ وپرہیزگاری کی تاکید کررہے تھے۔ ان سے حضرت قادرؒ ولی فرمارہے تھے کہ اپنے غلاموں

اور لونڈیوں کا ضرور خیال رکھو اپنی نمازوں کو ہرگز ہرگز ترک مت کرو۔ جب صبح ہوئی اور لوگ آپ کے پاس آئے تو دیکھا کہ حضرت قادرؒ ولی وفات پا چکے ہیں۔ آپؒ کی جدائی پر لوگوں کو بڑا رنج پہنچا۔ آپؒ کی وصیت کے مطابق کوئی بھی چلّا کر رو نہ سکا۔ شریعتِ محمدیﷺ کے مطابق آپؒ کی تجہیز و تکفین کی گئی اور نماز جنازہ کے بعد آپؒ کو مخصوص مقام پر لے جا کر دفن کر دیا۔

جمادی الآخر ۱۰ ؍ ۹۷۸ھ ہجری کو حضرت قادرؒ ولی کا وصال ہوا۔

حضرت قادر ولیؒ کی چند نصائح

- یہ دنیا ایک خوابِ خرگوش کی طرح ہے اور ہمارا جسم پانی کے حباب کی طرح ہے اس جسم سے یہ امید کرنا کہ یہ ہمیشہ قائم رہے گا' فضول ہے۔
- اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنا ہی زندگی کا سب سے اہم کام ہے۔
- یہ دُنیا ہر ایک کو چاہے وہ بڑے سے بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو مکر و فریب دیتی ہے اور اس کو اپنے مکر و فریب میں مبتلا کر دیتی ہے۔
- ہر ایک آدمؑ کے بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ربّ کو سمجھے۔ دنیا کی بُرائیوں کو چھوڑ کر نیک عمل کرے۔
- جو بھی خدائے پاک کی ان نعمتوں کو قبول کر کے اس کی رُشد و ہدایت کی پیروی کرے گا، اس کو فلاح و نجات اور خوشی حاصل ہو گی۔



حالاتِ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ

حافظ محمد نظام الدین۔ رحمت پالہ ویلور
متعلم زمرۂ سابعہ: دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم! امابعد

تمام تعریفیں اس ذاتِ پاک کے لئے جس نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا اور صلوٰۃ وسلام ہو احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

دینِ اسلام میں سب سے پہلا مقام قرآن شریف کا ہے۔ دوسرا مقام حدیث شریف کا ہے۔ اور حدیث میں سب سے پہلا مقام بخاری شریف کا ہے۔

صفحۂ ہستی پر بہت سے نقوش ابھرے اور مٹ گئے لیکن ان میں بعض ایسے بھی ابھرے اور ابھرتے چلے گئے جن کو زمانہ کی دبیز تیرگیاں بھی فنا نہ کرسکیں۔ ان نہ مٹنے والوں میں ایک حضرت امام بخاریؒ کی شخصیت بھی ہے۔ آپؒ کی جانفشانی ہی کا نتیجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا بیش بہا خزانہ مستحکم طریقہ سے محفوظ ہے قرآن شریف کے بعد کوئی صحیح کتاب روئے زمین پر موجود ہے تو وہ صرف بخاری شریف ہی ہے۔ جس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب فرمایا۔

نام اور سلسلۂ نسب :

امام بخاری کا نام محمد ہے اور کنیت ابوعبداللہ ہے اور سلسلۂ نسب آپؒ کا اس طرح ہے۔ محمد ابن اسماعیل ابن ابراھیم ابن مغیرہ ابن بروزبہ۔

پیدائش وحلیۂ مبارک

آپؒ دس شوال ۱۹۴ھ جمعہ کے دن بعد نمازِ جمعہ پیدا ہوئے۔ قد نہ بہت دراز تھا اور نہ ہی پست بلکہ میانہ قد تھا اور لڑکپن میں نابینا ہوگئے تھے۔ جس کی وجہ سے آپؒ کی والدہ ماجدہ کو بہت رنج رہتا تھا اور نہایت گریہ وزاری سے بارگاہِ الٰہی میں آپؒ کی بینائی کے لئے دعا کیا کرتی تھیں

ایک شب آپؒ کی والدۂ محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراھیمؑ تشریف لائے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تیری گریہ وزاری کے سبب سے تیرے فرزند کی بصارت لوٹا دی۔ جب آپ صبح کو بیدار ہوئیں اور اپنے لختِ جگر کی دونوں آنکھوں کو صحیح وسلامت پایا تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حصولِ علم: آپؒ کو بچپن ہی سے حدیث کا بہت زیادہ شوق تھا۔ جب کبھی کہیں حدیث کا ذکر سن لیتے فوراً سمعت کے لئے چلے جاتے اور اس کو ازبر یاد کر لیتے۔ جب آپؒ نے مکتب سے فراغت پائی اور معلوم ہوا کہ بخارہ میں کوئی شخص حدیث کا جاننے والا ہے۔ جس کا نام داخلی ہے آپؒ نے اُن کی خدمت میں آمدورفت شروع کی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ داخلی نے اپنی کتاب سے سامعین کو روایت حفظ کرا رہے تھے۔ اثنائے روایت میں کچھ راوی آگے پیچھے ہوگئے۔ امام بخاریؒ نے فوراً سبقت کرتے ہوئے کہا: حضرت اس طرح غلط ہے۔ سفیان عن ابی زبیر عن ابراہیم سے روایت نہیں کئے۔ داخلی نے نہ مانا تو آپؒ نے کہا: اس کو اصلی نسخہ میں دیکھنا چاہیے۔ چناں چہ داخلی اپنے مکان تشریف لے گئے اور اصل نسخہ دیکھا اور فوراً باہر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ۔ جب آپؒ تشریف لائے تو آپؒ سے دریافت کیا اصلی نسخہ میں کیا ہے تو آپؒ نے فرمایا اصلی نسخہ میں اس طرح سے ہے۔ سفیان عن ابی زبیر عن ابی ابراھیم۔ داخلی کو بہت تعجب ہوا۔ فی الحقیقت ایسا ہی تھا۔ پھر داخلی نے اس کی تصحیح کی اس وقت آپؒ کی عمر گیارہ سال تھی۔

قوت حافظہ اور جلالت علمی: سولہ ۱۶ سال کی عمر میں ابن المبارک کی تمام کتابیں حفظ کرلیں اور حضرت وکیعؒ کا نسخہ ازبر کرلیا۔ آپؒ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالےٰ قیامت کے دن کسی غیبت کے بارے میں سوال کیا تو میں یقین کے ساتھ کہوں گا کہ میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ جب آپؒ کی عمر اٹھارہ ۱۸ سال کی ہوئی سلسلۂ تصنیف کے ساتھ ساتھ فضائل صحابہؓ و تابعینؒ کی تصنیف بھی شروع کی صحیح معنوں میں حدیث کا علم آپؒ ہی کو تھا۔ جیسا کہ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نے کہا ہے: ما رائت تحت ادیم السمآء اعلم بحدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من محمد بن اسمٰعیل البخاری۔ اسی طرح حضرت قتیبہ بن سعد فرماتے ہیں: جب میں نے ہوش سنبھالا ہے محمد بن اسمٰعیل بخاری جیسا شخص نہیں دیکھا۔ وہ اس زمانہ میں ایسے ہیں جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہؓ کے درمیان تھے۔ اگر محمد بن اسمٰعیل صحابہؓ میں سے ہوتے یقیناً خدا کی نشانیوں میں سے

ایک نشان ہوتے۔

وجہ تصنیف: ایک دن امام بخاریؒ اسحاق بن راھویہ کی مجلس میں موجود تھے۔ اس مجلس میں احباب نے کہا: اللہ تعالیٰ کسی کو اس امر کی توفیق دے کہ سنن میں ایک ایسی مختصر کتاب جمع کرے جو رہتی دنیا تک لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل ہو اور دوسرے کی حاجت نہ پڑے۔ یہ بات حضرت امام بخاریؒ کے دل پر اثر کر گئی۔ اس وقت اس کا خیال پیدا ہوا اور ان چھ لاکھ حدیثوں میں سے جو حضرت امام کو یاد تھیں، انتخاب کرنا شروع کیا۔ ان میں جو مع اسناد صحیح ترین احادیث تھیں انھیں پر اکتفا کیا۔ جب آپؒ کسی حدیث کو لکھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے غسل کرتے، دو رکعت نفل نماز ادا کرتے اور اس کے بعد اس کو لکھتے تھے۔ اس طرح اس جامع کو سولہ سال کی مدت میں ختم کیا۔ آپؒ کی زندگی ہی اس جامع کو اتنی مقبولیت ہوئی جو دوسروں کو بہت کم ہوئی۔ جس طرح صالحین کو زمانہ کے دنیادار حکمران نے مصائب وابتلاء میں ڈالا اسی طرح امام بخاریؒ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ یعنی اس دور کے امیر بخارا خالد ابن احمد ذہلی نے امام بخاریؒ کو یہ حکم دیا کہ میرے بچوں کو جامع اور تاریخ کی دوسری کتابوں کا درس میرے مکان پر آ کر دیا کریں۔ امامؒ نے جواب دیا کہ یہ حدیث کا علم ہے میں اس کو ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ تم اپنے لڑکوں کو میرے مکان پر روانہ کرو۔ وہ دوسرے طلباء کی طرح حاصل کریں گے۔ امیر نے کہا: اچھا جس وقت میرے بچے آپؒ کے مکان پر آئیں گے اس وقت میرے لڑکوں کے علاوہ کوئی دوسرا لڑکا نہ ہوگا۔ اور میرے دربان حفاظت کے لئے دروازہ پر موجود رہیں گے۔ میری نخوت یہ گوارہ نہیں کرتی کہ میرے لڑکوں کے ساتھ جولاہے اور دھنئے کے لڑکے ہوں۔ آپؒ نے یہ سن کر فرمایا: یہ علم نبی علیہ السلام کی میراث ہے، تمام امت اس میں برابر کی شریک ہے۔ یہ کسی کے لئے خاص نہیں۔ امیر یہ جواب سن کر رنجیدہ ہوگیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیر نے ابن ابی وقاص اور دوسرے ظاہر پرست علماء کو اپنا رفیق بنا لیا۔ بخاری کے مذہب پر طعن و تشنیع کرنا شروع کردیا اور آپؒ کے اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک محضر تیار کرایا۔ اسی حیلہ و بہانے سے آپؒ کو بخارا سے نکال دیا۔ جب بخاری وہاں سے روانہ ہوئے تو انھوں نے جناب الٰہی میں یوں دعا کی: اے اللہ! ان لوگوں کو اسی بلا میں مبتلا کر جس میں وہ مجھے مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ماہ کے اندر ہی اندر خالد ابن احمد کو معزول کردیا گیا۔ خلیفہ کے حکم کے مطابق خالد بن احمد کو گدھے پر سوار کرکے اس کی تشہیر کی گئی اس کے رفقاء کا بھی یہی حال ہوا۔ سب وقار و ناموس خاک میں مل گیا اور بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئے۔

امام اسی بے کسی کی حالت میں اوّلاً نیشاپور گئے ۔ وہاں کے امیر سے موافقت نہ ہوئی تو تنگ آکر خرتنگ چلے گئے۔ یہ گاؤں سمرقند سے دو منزل پر واقع ہے ۔

وفات : ۲۵۶ھ میں شب دوشنبہ، لیلۃ الفطر تھی ،عشاء کی نماز کے وقت اسی جگہ ہوئی جہاں آپ نے نماز ادا کی تھی ۔ عید کے دن بعد نمازِ ظہر آپؒ کی تدفین ہوئی ۔ اس وقت امام بخاریؒ کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال کی تھی ۔

عبدالواحد طوسی اس زمانہ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں ۔ انھوں نے یہ خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ برسرِ راہ منتظر کھڑے ہوئے ہیں ۔ عبدالواحد طوسی نے سلام عرض کرنے کے بعد دریافت کیا : یا رسول اللہ ! کس کا انتظار ہے ؟ آپؐ نے فرمایا : محمد ابن اسمٰعیل بخاری کا ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے چند ہی دن بعد میں نے بخاری کی وفات کی خبر سُنی ۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہی وقت تھا جس میں میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا ۔

دعا ہے کہ مولا تعالےٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کے وسیلے سے ہم مسلمانوں کو صحیح بخاری سے پورے طور پر استفادہ کی توفیق دے ۔ آمین ۔ امام بخاریؒ کی قوتِ ایمانی سے فسراز فرمائے ۔ آمین ثم آمین ! بجاہِ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم ۔

نعتِ شریف

سید شاہ تحسین یمنی

نظر آئے ہمیں چہرہ تمہارا یا رسول اللہ
تڑپتا ہے دلِ مضطر ہمارا یا رسول اللہ

بھٹکتا پھر رہا ہوں مارا مارا یا رسول اللہ
چھپا لو اپنی کملی میں خدارا یا رسول اللہ

میں آؤں سر کے بل گر ہو اشارا یا رسول اللہ
یہاں پر ہو گیا مشکل گزارا یا رسول اللہ

بڑا افسوس ہوتا ہے جو سوچوں اپنی قسمت پر
نہیں دیکھا مدینہ میں تمہارا یا رسول اللہ

زمانہ رشک کرتا ہے ہمیشہ ان کی قسمت پر
جو کرتے ہیں مدینے میں گزارا یا رسول اللہ

زمانے کے مصائب سے ابھر پاؤں گا پل بھر میں
ملے گر دستِ اطہر کا سہارا یا رسول اللہ

نکالو بحرِ عصیاں سے کسی دن اپنے تحسین کو
دکھا دو اس کو نیکی کا کنارا یا رسول اللہ

خواجۂ خواجگان

سلطان الہند غریب النواز رحمۃ اللہ علیہ



نواز خان ۔ متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ۔ ویلور

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں یہ لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں ۔

ہندوستان میں متعدد روحانی سلاسل جاری ہوئے ۔ لیکن ان سلاسل میں سب سے زیادہ مقبولیت سلسلۂ چشتیہ کو حاصل ہوئی ۔ اس سلسلہ کو پروان چڑھانے اور پھیلانے کا کام حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری اور آپ کے خلفائے کرام نے انجام دیا ۔

ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کے محسنِ اعظم و مقدر روحانی پیشوا، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری قدس سرہٗ العزیز سجستان ۵۳۶ھ مطابق 1135ء دوشنبہ کے دن فجر کے عین سہانے وقت بمقام سنجر میں ولادت ہوئی ۔

آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ سید غیاث الدین حسن علوم ظاہری و باطنی میں ماہر اور عالم باعمل و باکمال بزرگ تھے ۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بی بی اُمّ الورع عرف بی بی ماہِ نور تھیں اس طرح آپ سادات نجیب الطرفین ہیں ۔

آپ کا بچپن مکمل طور پر عام بچوں سے بالکل ہی مختلف اور جداگانہ تھا ۔ آپ اپنے ہم عمر بچوں کو کھانا کھلا کر بہت مسرور ہوتے تھے اور آپ اپنے عمدہ لباس کو تن سے اُتار کر غریب اندھے کو پہنا کر خود پرانے پھٹے کپڑے پہن کر عید گاہ لے جاتے تھے ۔

سلسلہ نسب یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم بارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔

ترکہ میں ایک باغ ملا۔ اس کی نگرانی کرتے رہے۔ اتفاقاً ایک روز ابراہیم قندوزی مجذوب جو سنجر کے مشہور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ باغ میں آئے تو حضرت نے ان کی خدمت میں انگور پیش کیا۔ لیکن انہوں نے انگور نہیں کھایا۔ اپنی بغل کی جھولی سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر چبایا اور وہی ٹکڑا حضرت خواجہ کو کھلا دیا۔ کھلی کا کھانا ہی تھا کہ حضرت کا قلبِ مبارک انوارِ الٰہی سے روشن ہو گیا اور ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ نے باغ کو فروخت کر دیا فی سبیل اللہ خیرات کر دیا۔ اور پیرِ کامل کی تلاش میں نکل گئے۔ علائق دنیا کو چھوڑ کر طلبِ خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند پہنچے یہاں پر آپ نے کلامِ پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کے حصول میں مشغول ہو گئے۔

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ پا پیادہ طویل سفر طے کرتے ہوئے مقام چشت قصبہ ہارون میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ العزیز کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں رات دن اخلاص کے ساتھ لگے رہے۔ اور کسی بھی طرح کا حکم کا انتظار کرتے۔ سفر کے وقت حضرت عثمان ہارونی کا اسباب اپنے سر پر لے کر ہمراہ چلتے بیس۲۰ سال تک ہارونی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے۔ آپ کے مرشدِ کامل نے باطنی و ظاہری اوصاف پرکھنے کے بعد آپ کو اپنے مریدانِ خاص میں شامل کر لیا۔

بیعت کے وقت مرشدِ کامل نے مرید صادق کو وضو کروایا اور دو۲ رکعت نماز پڑھوائی۔ سورۂ بقرہ کی تلاوت کرنے کو کہا اور پھر اکیس۲۱ بار درود شریف پڑھوایا۔ اس کے بعد مرشدِ کامل نے اپنے مرید کا ہاتھ پکڑ کر اپنا چہرۂ مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: کہ میں نے تم کو خداوند قدوس تک پہنچایا اور اس کی بارگاہ میں مقبول بندہ بنا دیا۔

آپ کو حضرت عثمان ہارونی کے ہمراہ دمشق کے سفر کا اتفاق ہوا۔ وہاں آپ نے درویشوں کی ایک ایسی جماعت دیکھی جو عشقِ الٰہی میں مست تھی۔ اُن درویشوں کی حالت یہ تھی کہ زمانہ دراز سے بالکل مدہوش تھے۔ حضرت خواجہ نے اُن سے فیض حاصل کیا اور آپ اپنے مرشدِ کامل کے ساتھ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی بھی زیارت کی۔ اور جب آپ مکۂ معظمہ میں کعبہ کے طواف سے فارغ ہوئے تو آپ کے پیر مرشد عثمان ہارونی نے ہاتھ پکڑ کر آپ کے حق میں دعا فرمائی اور عالمِ غیب سے ندا آئی کہ معین الدین ہمارا دوست ہے اور ہم نے اس نظر کو قبول کیا اور برگزیدہ کر دیا۔ حضرت عثمان ہارونی کی آپ پر بے حد نظرِ کرم تھی۔ چنانچہ آپ کے مرشدِ کامل نے سلوک کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

حضرت عثمان ہارونی نے ایک روز آپؒ کو حکم دیا کہ روز صبح چاشت کے وقت ہمارے پاس آیا کرو تاکہ تم کو فقر کی تعلیم دی جائے۔ چناں چہ آپؒ ہر روز چاشت کے وقت حاضر ہوتے اور جو کچھ مرشد فرماتے اس کو قلمبند کر لیتے۔ تعلیم کا یہ سلسلہ اٹھائیس ۲۸ دن تک جاری رہا۔ اس کے بعد باون ۵۲ برس کی عمر شریف میں آپؒ کو خرقۂ خلافت، کلاہِ چہار ترکی زیب سرِ اقدس رکھ کر سرفراز فرمایا۔

آپؒ کے مرشدِ کامل نے فرمایا کہ بزرگوں کا حکم ہے کہ کلاہِ چہار ترکی وہ شخص سر پر رکھ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا دنیا کی ہر چیز کو ترک کر دے۔ لہٰذا تمہیں بھی ان چار باتوں پر عمل لازمی ہے۔ (۱) ترکِ دنیا ۲۔ ترکِ حرص۔ ۳۔ ترکِ خواہشاتِ نفسانی۔ ۴۔ ترکِ کثرتِ نوم۔

اس کے بعد عثمان ہارونی نے فرمایا: معین الدینؒ یہ سب تعلیم تمہاری تکمیل کے واسطے تھی۔ تم کو ان تعلیمات پر تازندگی عمل کرنا ہے۔ تاکہ قیامت کے دن مجھ کو شرمندگی نہ ہو۔ آپؒ عثمان ہارونی سے آپؒ رخصت ہونے لگے تو مرشدِ کامل کو عزیز مرید کی فرقت گوارہ نہ ہوئی۔ بغداد کے سفر تک ساتھ رہے اور آخر میں حضرت عثمان ہارونی نے فرمایا: معین الدین! خدا کا محبوب بندہ ہے اور مجھے ان پر فخر ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت سے فارغ ہو کر آپؒ اپنے وطن تشریف لے گئے۔ وطن میں تھوڑے عرصہ تک قیام کیا اور جب آپؒ کا قلبِ مبارک بیت اللہ اور روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے بیتاب ہوا تو آپؒ نے بیت اللہ کی جانب سفر شروع کر دیا۔ اس سفر میں آپؒ اولیاء اللہ و مشائخ سے شرفِ ملاقات اور صحبت حاصل ہوئی۔ چند ماہ کے مسلسل سفر کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ روضۂ اقدس کے سایہ میں کئی روز تک عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ روضۂ اقدس مبارک سے آواز آئی کہ "اے معین الدین حسن تو ہمارے دین کا معین اور مددگار ہے۔ ولایتِ ہندوستان ہم نے تجھے عطا کی ہے اور اجمیر جا کر اقامت کر تیرے وہاں قیام کرنے سے بے دینی دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔"

بارگاہِ رسالت سے اس حکم کو پا کر آپؒ بے حد مسرور ہوئے۔ مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ اجمیر کہاں ہے؟ اور ہندوستان میں کس جگہ واقع ہے۔ اس فکر سے بیتاب و پریشان تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ آپؒ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہیں۔ سرورِ دو عالمؐ نے آپؒ کو مشرق سے مغرب تک سیر کرائی اور کوہِ اجمیر کا بھی مشاہدہ کرایا۔

بارگاہِ رسالت سے یہ حکم ملتے ہی آپؒ ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؒ کا یہ سفرِ مبارک ہزاروں برکات وعجیب وغریب کرامات سے معمور تھا۔ جس شہر سے آپؒ گزرتے اولیاء اللہ سے ملاقات فرماتے اور جس جگہ آپؒ پہنچتے عقیدت مندوں کا ایک گروہ جمع ہوجاتا۔ لیکن آپؒ کسی جگہ قیام نہ فرماتے۔ بلکہ فوراً ہی ایک مقام سے دوسرے مقام کی جانب روانہ ہوجاتے۔

بغداد سے ہمدان آئے تو خواجہ ابو یوسف سے ملاقات ہوئی اور ہمدان سے تبریز پہنچے اور وہاں شیخ جلال الدین تبریزی کے پیرِ طریقت سے ملاقات ہوئی اور ان کی صحبت سے فیض حاصل ہوا۔ وہاں سے اصفہان آئے۔ اور اصفہان کے حاکم محمد یادگار کے باغ میں حوض کے کنارے فروکش ہوئے۔ محمد یادگار سیر کے لئے پہنچا اور ایک اجنبی مسافر کو دیکھ کر چیں بجبیں ہوا۔ حضرت خواجہؒ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہوکر بے ہوش ہوگیا۔ خواجہؒ نے حوض کا پانی لے کر اس کے منہ پر چند چھینٹے مارے۔ وہ ہوش میں آیا اور حضرت کا گرویدہ ہوگیا۔ وہ شخص مذہباً شیعہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اپنے اعیان وارکانِ سلطنت کے ساتھ آپؒ کا مرید ہوگیا۔ اپنی ساری دولت آپؒ کی خدمت میں نذر کردی۔ مگر آپؒ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا: جو مال ظلم سے وصول کیا گیا ہے وہ اصلی مالکوں کے حوالے کیا جائے۔ محمد یادگار نے حکم کی تعمیل کی۔ غلاموں اور لونڈیوں کو بھی آزاد کردیا۔ جب ظاہری اور باطنی مکمل کرلی تو آپؒ نے اس کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا۔

پھر آپؒ سفر کرتے ہوئے بلخ پہنچے اور ایک عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں مقیم رہے۔ پھر حضرت خواجہؒ بلخ سے غزنی تشریف لے گئے اور وہاں سے ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے۔ آپؒ جس شہر سے بھی گزرتے عوام کو اپنے روحانی فیض سے مستفید فرماتے۔ آپؒ لاہور سے دہلی آئے اور چند روز یہاں قیام فرمایا۔ آپؒ جتنے دن دہلی میں رہے آپؒ کی قیام گاہ ہر وقت خلق خدا سے بھرپور رہتی تھی۔ لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔

دہلی میں قیام فرمانے کے بعد دسویں محرم ۵۸۶ھ مطابق ۱۱۹۱ء کو آپؒ اپنے چالیس مریدوں کے ساتھ اجمیر میں فروکش ہوئے۔ اس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمران مشہور راجپوت راجہ پرتھوی راج چوہان تھا۔ اجمیر شریف پہنچنے کے بعد حضرت آبادی سے دور ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں پر راجہ کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ رات کے وقت راجہ کے اونٹ آئے۔ شاہی ملازمین نے حضرت غریب نواز

سے کہا کہ یہ جگہ راجہ کے اونٹوں کے لئے ہے۔ یہاں آپؒ کو قیام نہیں کرنا چاہئے۔

آپؒ نے فرمایا: اچھا ہم یہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔ تمہارے اونٹ یہاں شوق سے بیٹھیں۔ حضرت غریب نوازؒ وہاں سے انا ساگر کے کنارے قیام فرمایا۔ بہت سے مندر تھے۔ جب صبح کو ساربانوں نے اونٹوں کو ہانک کر، مار کر اٹھانا چاہا تو اونٹ اپنی جگہ سے نہیں اٹھے۔ سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اونٹوں کے جسم زمین سے چپک گئے ہیں۔ ساربان آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔ آپؒ نے فرمایا: جاؤ! تمہارے اونٹوں کے اٹھنے کا حکم ہو گیا ہے۔ ساربان وہاں پہنچ کر دیکھا کہ تمام اونٹ کھڑے ہوئے ہیں۔

انا ساگر کے کنارے آپؒ نے قیام فرمایا۔ آپؒ کے مریدین ساگر کے کنارے بیٹھ کر وضو کرتے۔ غیر مسلمانوں کو برا لگا۔ کٹر برہمنوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگانے سے حوض اگر کا پانی ناپاک ہو جائیگا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ خدام حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر برہمنوں کے سخت برتاؤ کی شکایت کی تو حضرتؒ کو ناگوار لگا۔ آپؒ نے اپنا کوزہ دے خادم کو بھیجا کہ ساگر سے کوزہ بھر لائے۔ خادم نے کوزہ ڈبویا انا ساگر کا پورا پانی کوزہ میں سما گیا اور ساگر خشک ہو گیا۔ اجمیر کے بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے لوگ سب حیران ہو گئے۔ لوگ آپ کی خدمت میں جمع ہو کر عاجزی کے ساتھ التماس کیا اور کہنے لگے: حضور بچے اور جانور پانی کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں۔ ہم سب پر رحم و کرم فرمائیے۔

یہ سنتے ہی سلطان الہند نے خادم سے کہا کہ کوزہ انا ساگر میں الٹ دے۔ خادم نے جیسے ہی کوزہ تالاب میں الٹا تالاب میں پہلے سے زیادہ پانی سے بھرپور ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

راجہ پرتھوی راج چوہان نے دیکھا کہ دربار کے بڑے بڑے لوگ سلطان الہند کے معتقد ہوتے جا رہے ہیں غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور اپنے دربار کے جوگی جے پال جادوگر کو حکم دیا کہ ان سب مسلمان فقیروں کو جادو کے زور سے بھگا دو۔ جے پال نے حضرت خواجہ سلطان الہند سے بہت سے معرکہ ہوئے۔ خواجہ جی ہی غالب رہے۔ جے پال آپؒ دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔ عبداللہ نام رکھا۔ خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ آپؒ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ تھوڑے ہی دنوں میں راجہ پرتھوی راج کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔

راجہ پرتھوی راج نے آپؒ کو اجمیر سے نکل جانے کی دھمکی دی۔ آپؒ اس دھمکی پر ارشاد فرمایا: ہم نے پرتھوی کو زندہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ سلطان محمد شہاب الدین غوری

خراساں میں تھے۔ انھوں نے ایک رات خواب میں حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین غریب نواز کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ" خدا تعالیٰ تم کو ہندوستان عنایت کرنے والا ہے۔ تم اجمیر کی طرف روانہ ہو جاؤ۔

اس خواب کے بعد ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں ہندوستان پر فوج کشی کی۔ دوسرے حملہ میں آخر کار غوری نے ایسا حملہ کیا کہ راجہ پرتھوی راج چوہان تڑپتے ہوئے کہنے لگا کہ محمد یہ تیرا مار نہیں بلکہ یہ کسی فقیر کی غیبی مار ہے۔ یہ کہتا ہوا پرتھوی راج چوہان نے دم توڑ دیا۔

حضرت سلطان الہندؒ بتاریخ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ یوم دوشنبہ فجر کے عین سہانے وقت تھا۔ جب آپؒ کا کمرہ کھولا گیا تو آپؒ معبودِ حقیقی سے جا ملے۔

نعتِ شریف

شہزاد آبرو، چنئی

خوشی بڑھتی گئی میری کہاں کس میں کمی آئی
مرے آگے شہِ لولاکؐ کی جب دم گلی آئی
تمیزِ خیر و شر آئی، روش جو اک نئی آئی
گئی وہ کج روی ساری جو مدت سے چلی آئی
سفر کے واسطے خالق کی جانب سے قرآں آیا
کسی کے واسطے ایسی سواری کیا کبھی آئی
سکھائے نطقِ احمدؐ نے ہمیں بھی نطق کے انداز
وہی تھے لفظ لیکن بات میں شائستگی آئی
ترقی کی ڈگر پر گامزن کیوں کر نہ ہو شہزاد
طفیلِ احمدؐ مختار اس کو شاعری آئی

سید فیض احمد قادری، کوئمبتور

نعتِ احمدؐ زباں پہ آئی ہے
عاشقی آج رنگ لائی ہے
بندگی میں عجب خدائی ہے
ذرے ذرے میں مصطفائی ہے
شکر ہے انؐ کی رہنمائی ہے
ورنہ ہر جا یہاں پہ کھائی ہے
میرے آقا سے مطلبی رشتہ
بے وفائی ہے بے وفائی ہے
فیض میرے نبیؐ کا صدقہ ہے
میری ہر بزم میں رسائی ہے

صبر اور عجلت

سید شاہ میر۔ کڈپہ

اللہ جل جلالہٗ اپنے کلام قدیم میں کئی مقامات پر اپنے بندوں کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی صبر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے صبر کا بدلہ جنت قرار دیا۔

قرآن اور حدیث کی روشنی سے صبر کی فضیلت و اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے تو بندوں پر ضروری ہے کہ وہ زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور پریشانیوں میں صبر کا دامن تھامے رہے۔ مگر صبر کے ساتھ ساتھ عجلت بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضور پر نور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا: اے جبرئیلؑ! کیا کبھی تمہیں دنیا میں کسی فوری کام کے لئے آنا ہوا تھا؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ! ایسا چار مرتبہ مجھے بڑی عجلت کے ساتھ دنیا میں آنا ہوا۔ پہلی مرتبہ جب حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آتش کدہ نمرود میں پھینکا جارہا تھا۔ اس وقت میں عرش الٰہی کے نیچے تھا۔ حکم ہوا کہ میں فوراً زمین پہ پہنچوں اور آتش کدہ نمرود کو گلزار بنا دوں اور اس طرح سے حضرت ابراھیم خلیل اللہ کی حفاظت کروں۔

دوسری مرتبہ جب حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی قربانی دینی چاہی تو اس وقت میں عرش الٰہی کے نیچے تھا۔ حکم الٰہی ہوا کہ میں فوراً زمین پہ پہنچوں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھر جانے سے پہلے انھیں بچالوں۔ تو میں فوری طور پر پہنچا اور چھری کو پلٹ دیا اور وہ اپنا کام نہ کرسکی۔

تیسری بار یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب عرش الٰہی کے نیچے تھا، حکم الٰہی ہوا کہ حضرت یوسف

علیہ السلام کے بھائی انھیں کنویں میں ڈالنے سے پیشتر میں وہاں پہنچ جاؤں اور کنوئیں سے پتھر نکال کر اس پہ انھیں بٹھا دوں۔ چناں چہ میں فوری طور پہ پہنچا اور یہ کام انجام دیا۔

چوتھی بار جب غزوۂ احد میں آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ اس وقت بھی میں عرشِ الٰہی کے نیچے تھا حکم الٰہی ہوا کہ آپؐ کے دندانِ مبارک کا خون زمین پہ گرنے سے قبل اپنے ہاتھوں میں لے لوں۔ چناں چہ اس موقع پر بھی میں فوراً زمین پہ پہنچا اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا خون نیچے گرنے سے قبل اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا اگر آپؐ کے دندانِ مبارک کا خون زمین پر گر جاتا تو زمین بنجر ہو جاتی اور اس کے اندر کوئی چیز نہ اُگتی۔

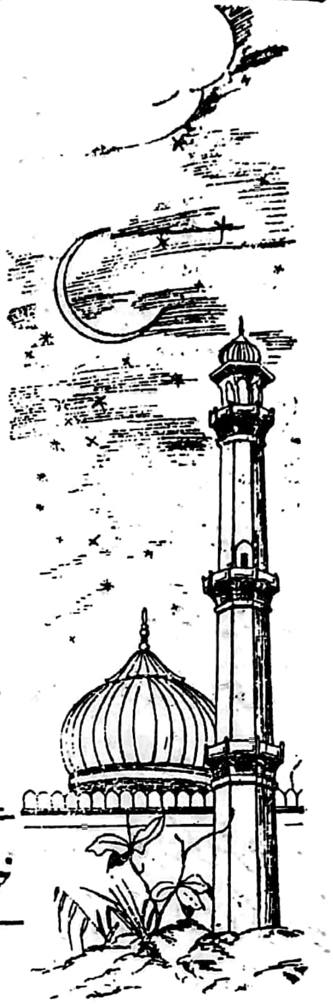
مذکورہ اس حدیث سے یہ بتانا مقصد ہے کہ صبر کے علاوہ چند ایسے معاملات بھی ہیں۔ جن میں صبر نہیں بلکہ عجلت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جیسا کہ فرمایا نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے:

جلدی کرو توبہ کرنے میں آگے موت کے۔ اور جلدی کرو صدقہ دینے میں آگے مال کے چلے جانے کے۔
اور جلدی کرو نکاح کر دینے میں لڑکیوں کے آگے رسوائی کے۔ اور جلدی کرو دفن میں مردے کے آگے ظاہر ہونے کسی برائی کے۔
اور جلدی کرو نمازمیں آگے فوت ہونے کے۔ اور جلدی کرو موت کی تیاری میں آگے اترنے ملک الموت کے۔
اور جلدی کرو نیک کاموں میں قبل گزرنے عمر کے۔ اور جلدی کرو راضی کرنے میں مدعیوں کے آگے شرمندہ ہونے سے

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ چند ایسے اعمال بھی ہیں، جن میں صبر سے زیادہ عجلت کی ضرورت ہے۔ اگر ان اعمال میں یعنی توبہ کرنے میں، صدقہ دینے میں، دفن کرنے میں، نماز کی ادائیگی میں اور موت کی تیاری میں نیک اعمال کرنے میں دیر کرتے رہیں گے تو یہ ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ بلکہ جتنی جلدی ان ادائیگی ہوگی اس میں ہماری لئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

تو حاصل کلام زندگی میں صبر کے ساتھ ساتھ چند موقعوں پر عجلت کی ضرورت ہے۔
لہٰذا جہاں صبر کرنا ہے وہاں صبر سے کام لیں اور جہاں عجلت کرنا ہے وہاں عجلت سے کام لیں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۵

اور اللہ کے لیے مشرق اور مغرب ہے پھر جدھر پھروگے اُدھر ذات اللہ کی ہے

(قرآنِ مجید)

علم و عرفان کی باتیں

خواجہ محمد بیابانی چشتی القادری نوری صدر مدرسہ فیض العلوم، خانقاہِ نور - اننت پور (آندھرا)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

یا صاحب الجمال و یا سید البشر ؐ　　من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

(علامہ اقبال علیہ الرحمہ)

حمد باریٔ تعالیٰ

ہر ذرّہ رونما ہے ترے آفتاب کا　　آئینہ طشت آب ہے جوں ماہتاب کا

اعیاں کہ ہے لباس سے ہستی تری عیاں | جوں صورتِ ظروف سے جلوہ تراب کا
مطلق ترا وجود ہے کونین کا وجود | جوں نور ماہتاب ہے نورِ آفتاب کا
تھا حق میں خلق عین حق از روئے اندراج | جوں اندراج آب میں کل عین آب کا
اب حق ہے شکل خلق سے ظاہر ہو عین خلق | جوں آب و شراب ہے موج و حباب کا
مغز علوم و فقہ و حدیث کتاب ہے | یہ علم مغز و فقہ و حدیث و کتاب کا

رب عبد، عبد رب ہے ولے یہ سخن کمال
موجب حقیقتیں کے نہیں انقلاب کا (از شہ کمال علیہ الرحمہ)

برادرانِ شریعت و طریقت! میں نے اس مضمون کو ضبط تحریر میں لانے کا ارادہ "دستگیر کے مہینے" میں یعنی ربیع الاول کے اوخر اور ربیع الآخر کی ابتدا میں کیا تو میرا قلم حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی قادری و چشتی نقشبندی و سہروردی قدس سرہ العزیز کے حمدِ باری کے اشعار سے آغاز کر دیا۔ تاکہ برادرانِ طریقت لطف اندوز ہو جائیں۔

حضور اکرم سرورِ کائنات امام الانبیاء و المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح سراپا معجزہ بن کر تشریف لائے ایسے ہی حضور غوث الثقلین شیخ الجن والانس والملائکہ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ مجسمہ کرامات بن کر جلوہ افروز ہوئے۔ جن کی شان میں کسی نے کہا ہے، ؎

غوثِ اعظم درمیانِ اولیاء | چوں محمدؐ درمیانِ انبیاء

حضرت فاضل بریلوی امامِ اہلِ سنّت احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی منقبت میں کیا خوب فرمایا ہے ملاحظہ فرمایئے: ؎

واہ کیا مرتبہ اے غوثؓ ہے بالا تیرا | اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا | اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

اور دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں: ؎

الوہیت نبوت کے سوا تو | تمام افضال کا قابل ہے یا غوث
نبیؐ کے قدموں پر ہے جزنبوت | کہ ختم اس راہ میں حائل ہے یا غوث
الوہیت ہی احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ پائی! | نبوت ہی سے تو عاطل ہے یا غوث

بڑے بڑے نامور مشائخ کرام، علمائے ربّانیین اور صوفیائے کرام نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور فرما دیا ہے کہ غوث اعظم دستگیر شہنشاہ بغداد کی کرامات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور یہاں تک فرما دیا ہے کہ جس طرح تسبیح کے دانے دھاگہ ٹوٹتے ہی لگاتار تیزی سے گر جاتے ہیں اسی طرح تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کرامات کا صدور ہوتا رہا ہے اور اُن کا فیض تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت شیخ احمد کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ نے ذاتِ باری تعالیٰ سے انسانی ربط و تعلق کو مضبوطی عطا کی۔ آپ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مرتبہ پر فائز تھے۔ کیوں نہ ہوتے اس قادر مطلق نے آپ کے نام نامی اسم گرامی سید عبد القادر کو خصوصی شرف و قبولیت عطا فرمائی۔ آپ محض نام کے عبد القادر نہیں تھے۔ حقیقتاً عبد القادر تھے۔ آپ نے اپنے نام کی لاج رکھی۔ باوجودیکہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ مگر مجاہدات و ریاضات سے آپ نے روحانیت کے کئی جہاں آباد کئے۔ جیسے آپ کی شان و شوکت عدیم المثال ہے ایسے ہی آپ کا زہد و ورع اور تقویٰ بے مثال ہے۔ عبادات آپ پر نازاں تھیں لیکن عاجزی وانکساری اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ غلافِ کعبہ تھامے ہوئے پکار اٹھتے ہیں۔ ما عبدناك حق عبادتك وما عرفناك حق معرفتك : الٰہی میں نے تیری عبادت کا جیسے حق ہے وہ ادا نہ کر سکا اور جیسے تیری معرفت کا حق ہے وہ عرفان بھی نہ پا سکا۔ یہی تصوّر لیے بارگاہِ رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوتے ہیں: ؎

يَا رَسُوْلَ اللهِ اُنْظُرْ حَالَنَا يا حبيبَ اللهِ اِسْمَعْ قَالَنَا
اِنَّنِيْ فِيْ بَحْرِ غَمٍّ مُغْرَقٌ خُذْ يَدِيْ سَهِّلْ لَنَا اَشْكَالَنَا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت ہی طویل صلوٰۃ و سلام کا نیا زمندانہ نذرانہ پیش فرمایا ہے۔ اس میں ایک شعر غوث پاک رضی اللہ عنہ کی شان میں کیا خوب فرمایا ہے : ؎

جن کی منبر بنی گردنِ اولیاء اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ بِالْعِلْمِ وَ يُحِبُّهُمْ اَهْلُ السَّمَآءِ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِيْتَانُ فِي الْبِحَارِ : علماء کرام دولتِ انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ آسمانی مخلوق فرشتے اور سمندر کی مچھلیاں ان کے لیے مغفرت وبخشش کی دعا کرتی رہتی ہیں۔ اور اللہ رب العزت کا ارشاد بھی ہے کہ

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۝ (سورۃ فاطر، آیت ۲۸)

حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طالبانِ معرفت میں سے کسی سعادت مند نے ہمیں گزارش کی ہے کہ اس کے لیے ایک ایسی کتاب تصنیف کی جائے جس کے ابرار بھی محتاج اور طلب گار ہوں۔ چناں چہ اس کی حسبِ منشاء میں نے ایک مختصر رسالہ تصنیف کیا ہے جو نہ صرف اس کے لیے مفید ہوگا بلکہ دیگر طالبانِ حقیقت کے لیے بھی کفایت کرے گا۔

اس مختصر رسالہ کا نام ہی "سر الاسرار" ہے۔ جس میں ایسے پوشیدہ راز بھی ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ جن کے حصول کے لیے ابرار بھی محتاج ہیں اور اس کتاب میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے مسائل واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس متبرک رسالہ کا اردو ترجمہ بھی "رازوں کے راز" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری مدفیوضنہٗ۔ مدرس و صدر شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے بہت ہی عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ترجمہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو دنیا اور آخرت میں اس کام کی جزائے خیر عطا فرمائے اور خصوصی فیضان سے مالامال فرمائے: بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۝ (یوسف: پ ۱۳: آیت ۱۰۸) میرے حبیب آپ فرما دیجئے یہی میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میرے متبعین بصیرتِ قلبی رکھتے ہیں۔ بصیرت روح کی آنکھ ہے جو اولیائے کرام علیہم الرحمہ والرضوان کے وسیلے سے کھلتی ہے۔ قلب و روح میں بصیرت کی آنکھ کھلتی ہے جو ظاہری علم سے نہیں علمِ لدنی (جو باطنی علم ہے۔) اس سے کھلتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

برادرانِ طریقت! غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو ہمیشہ مدِّنظر رکھیے: "اور ہم نے اسے اپنے خاص علم سے نوازا ہے" لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ اہلِ فراست و بصیرت کی متابعت اور علم لاہوت کی خبر رکھنے والے مرشدِ کامل کی تعلیم و ہدایت سے چشمِ بصیرت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔" (سر الاسرار)

چناں چہ حضرت سید شاہ کمال جامی دکن قدس سرہٗ نے بھی کیا خوب ارشاد فرمایا ہے: ملاحظہ فرمائیے:

توبہ کیا نہ زاہد باطاعتِ کثیرہ　　از شرکتِ وجودی جو ہے گناہ کبیرہ
اول خدا شناسی بعد حق پرستی　　دنیا میں جمع کرنا یہ دین کا ذخیرہ
ہو لحظہ ہوے واصل شاہد سے اپنے عارف　　ہر دم میں طے کرے تو ایک روز کی میرہ
با حق ز حق سوئے حق دعوت کیے پیمبر　　کہے ھذہٖ سبیلی ادعو علٰی بصیرہ

مقطع کے شعر میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

غیر از خلافتِ حق نہیں ہے کمال انساں　　گرچہ نبی علی کا ہے آل اور نبیرہ

مزید برآں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہٗ نے "سر الاسرار" میں جو ارشاد فرمایا ہے، من وعن برادرانِ طریقت کی خدمت میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس کو بغور مطالعہ کریں: "پس تم طریقت کا راستہ اپناؤ اور روحانی قافلوں کی معیت میں اپنے رب کی طرف رجوع کرو کیوں کہ بہت جلد اس جہاں کا راستہ بند ہو جائے گا، پھر کوئی رفیقِ سفر نہیں ملے گا۔ ہم اس فنا کی وادی میں گم ہو جانے والی دنیا میں دائمی قیام کے لیے نہیں آئے اور نہ کھانا پینا ہمارا مقصودِ اصلی ہے اور نہ ہی خواہشاتِ نفسانیہ اور نفسِ امارہ کی لذّتوں پر قناعت کرنے کے لیے۔ لوگو! تمہارے پیارے رسول نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہارے انتظار میں ہیں تمہاری خاطر وہ مغموم ہیں جیسے کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: غَمِّی لِاَجَلِ اُمَّتِیَ الَّذِي فِی آخِرِ الزَّمَانِ ۰ میں اپنے اُن اُمّتیوں کے بارے میں مغموم رہتا ہوں جو آخری زمانہ میں ہوں گے۔ (اسرار الاسرار)

سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ۰ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس علم سے مراد معرفت اور قربِ الٰہی ہے۔

حضور غوث پاکؓ فرماتے ہیں کہ سوا اس علم کے جو فرائض کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔ (مسائل فقہیہ) کے علاوہ باقی علوم ظاہریہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ لہٰذا پروردگار کی خوشنودی اور رضا اسی میں ہے۔ کہ بندہ مقام قرب کی طرف بڑھنے کی کوشش کرے اور مراتب و درجات کی طلب کا تصوّر نہ کرے۔ فرمانِ باری تعالےٰ ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۰ (الشوریٰ: ۲۳) میرے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے میں تم لوگوں سے (ہدایت و رہنمائی کے بدلے) اجرت طلب نہیں کرتا۔ ہاں قرابت

کی محبت اور مودت چاہتا ہوں۔ بقولے اس علم و قربت مراد ہے۔ (از سر الاسرار کا اردو ترجمہ)

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" میں حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہٗ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "معاملاتِ شریعت میں ان کا کلام بہت اونچے پایے کا ہے۔ اگر کوئی ان سے مسئلہ دریافت کرتا تو اگر وہ شریعت سے متعلق ہوتا تو اُسے خود جواب دیتے۔ اگر اس کا تعلق حقیقت و تصوف سے ہوتا تو بشیر حانی علیہ الرحمہ والرضوان کی طرف رجوع کرتے تھے، چنانچہ ایک روز ایک شخص آ کر حضرت سے پوچھا: اخلاص کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: اخلاص یہ ہے کہ تو اعمال کی آفتوں سے خلاصی پا جائے۔ یعنی تیرا عمل ریا، زیاں اور آفت سے خالی ہو۔ اس نے پوچھا کہ توکّل سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ پر بھروسہ کرنا۔ یعنی روزی کے معاملہ میں خدا پر یقین قائم کرنا اور پھر اسے استوار رکھنا اُس نے پوچھا: رضا کیا چیز ہے؟ فرمایا: تمام امور اللہ تعالےٰ کے حوالے کر دینا۔ یعنی اپنے تمام کاموں کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ اور اس کی رضا میں راضی ہو کر تمام نتائج کو صدقِ دل سے قبول کر لینا۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ "محبت کسے کہتے ہیں؟" تو اس کا جواب دینے کی بجائے حضرت امام حنبل رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ اس کا جواب بشیر حانی علیہ الرحمہ والرضوان سے معلوم کرو کیوں کہ ان کے ہوتے ہوئے میں اس کا جواب نہیں دے سکتا کہتے ہیں کہ سر پر معرفت تاج اہلِ طریقت حضرت بشیر بن حارث حانی رضی اللہ عنہٗ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہٗ کے پیر و مرشد ہیں۔

حانی کی وجہِ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مشاہدۂ حق کے غلبہ میں آپ پا برہنہ پھرتے تھے اس لیے آپ جب تک زندہ رہے چوپائے بیل گھوڑے وغیرہ سڑکوں پر جہاں آپ پھرتے تھے گوبر، لید وغیرہ نہیں ڈالتے تھے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو جانور حسبِ معمول گوبر لید وغیرہ ڈالنے لگے۔

حضرت خواجۂ خواجگاں سید خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی قدس اللہ سرہٗ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دینِ اسلام کی اشاعت کے لیے ہندوستان تشریف لائے تو حضور مخدوم سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری قدس اللہ سرہٗ العزیز کے روضۂ پاک پر حاضری دی اور اُن کے آستانہ پر ایک چلّہ گزار کر حضور والا کی روحانیت سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ اور حضرت کی شان میں یہ شعر بھی ارشاد فرمایا ہے: ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت سید نا داتا گنج بخش لاہوری رضی اللہ عنہ نے "کشف المحجوب" کے تیسرے باب کے شروع میں مندرجہ ذیل حدیث پاک نقل کی ہے :

"من سمع صوت اھل التصوف فلایومن علی دعائھم کتب عند اللہ من الغافلین" یعنی فرمایا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جس نے اہلِ تصوف کی آواز سنی اور اس پر ایمان نہ لایا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں غافلوں میں لکھا جاتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ تصوف حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہی مروج تھا۔ لفظ طریقت قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے : وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا : یعنی اگر وہ طریقت (تصوف پر) پر قائم رہیں تو ہم ان کو خاص پانی " روحانیت " سے سیراب کردیں گے۔ اور یہ حدیث پاک بھی صوفیاء کرام میں مشہور ہے جس میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تصوف کے چار ارکان کا ذکر فرمایا ہے : الشریعۃ اقوالی والطریقۃ افعالی، والحقیقت احوالی والمعرفۃ سری : یعنی شریعت میرے اقوال کا نام ہے۔ طریقت میرے اعمال کا نام ہے، حقیقت میرے باطنی احوال ہیں اور معرفت میرا راز ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جو تابعی ہیں : فرماتے ہیں : من تصوف ولا تفقہ تذندق من تفقہ ولا تصوف تفسق من جمع بینھما تحقق : یعنی جس نے تصوف سیکھا گمراہ ہوا۔ جس نے فقہ سیکھا لیکن تصوف نہ سیکھا فاسق ہوا۔ جس نے دونوں کو جمع کیا حقیقت کو پہنچا۔

حضور غوث پاک سید الاولیاء قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فصل : ۱۲ "فقر و تصوف" کے تحت " سر الاسرار" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عالم چار ہیں۔ (۱) عالمِ ملک۔ (۲) عالم ملکوت۔ (۳) عالم جبروت۔ (۴) عالمِ لاہوت جسے عالمِ حقیقت سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اور مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ یوں ہی علم بھی چار ہیں۔ (1) علمِ شریعت۔ (2) علمِ طریقت۔ (3) علمِ معرفت۔ (4) علمِ حقیقت۔

لہٰذا برادرانِ طریقت کی خدمت میں التماس ہے کہ بڑے بڑے بزرگانِ دین اور صوفیائے کاملین کے محققانہ ارشادات ہی ہمارے لیے کافی ہیں ؛ فالحمد للہ علے ذالک •

غوث پاک رضی اللہ عنہ کی ایک عارفانہ غزل بغرض استفادہ پیش کی جاتی ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں :

ے

اے ذکر ترا در دل ہردم اثرے دیگر — وے از تو بملکِ جاں دارم خبرے دیگر

اے کہ تیرا ذکر ہر لحظہ دل میں نیا اثر کرتا ہے اور جان کے ملک میں تیرے متعلق عجب خبر ملتی ہے: ۵

از تیر ملامتہا داریم دلِ مجروح ! — جز لطف تو مارا نیست واللہ سرے دیگر

تیرے ملامت کے تیر سے میرا دل زخمی رہتا ہے۔ تیرے لطف کے سوا ہمارے لیے کوئی نیا بھید نہیں ہے: ۵

زاں مئے کہ بما دادی در روزِ الست اے دوست — لطف و کن مارا دِہ جائے قدرے دیگر

اے دوست اس شراب میں سے جو تو نے ہمیں روزِ الست دی تھی مہربانی کر کے ہمیں قدرے اور جام عطا کر: ۵

درخدمت حق گر تو مردانہ کمر بندی — بخشد بتو ہر لحظہ تاج و کمرے دیگر

اگر تو حق کی اطاعت میں مردانہ وار کمر بستہ ہوگیا تو تجھے ہر لحظہ نیا تاج اور نئی کمر بند عطا ہوگی: ۵

درخانۂ بیروزن یعنی لحدِ تاریک — بر جانِ تو خواہد تافت شمس و قمرے دیگر

بغیر روزن کے گھر یعنی اندھیری قبر ہے۔ تیری جان پر کوئی اور ہی سورج اور چاند روشن ہوں گے: ۵

عیش و تن و جان و دل از رہگذرے عشقت — عشرت نتواں کردن از رہگذرے دیگر

تیرے عشق کی راہ میں جسم و جان و دل کی راحت ہے۔ دوسری راہ سے یہ راحت نہیں مل سکتی: ۵

بر دوخت و دل و دیدہ از دیدنِ غیرِ حق — بنود دلِ مجنوں را جز ایں ہنرے دیگر

غیرِ حق کو دیکھنے سے دل اور آنکھ بند کرلی ہیں۔ مجنوں کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی کمال نہیں ہے: ۵

ہر کس کہ درِ حق زد او ہمہ درہا تافت — زاں در نتواں رفتن ہرگز بہ درے دیگر

جس نے حق کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ اور دروازوں سے لوٹ گیا، وہ کسی اور دروازے پر نہیں جاسکتا: ۵

درآئینۂ دل دیدہ محی رخ یار و گفت — اے ذکر ترا در دل ہردم اثرے دیگر

مزید برآں حضور غوثِ اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ نے سالکینِ طریقت و معرفت کے لیے "رسالۂ غوثِ اعظم" بھی تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں اسرار و رموز، علم و عرفان کے بیش بہا موتی بکھیرے۔ خوش نصیب ہیں وہ طالبانِ حق جو اُن کو سمجھیں اور غور کر کے حقیقت کی راہ پر گامزن ہوجائیں اور قربِ حق اور وصلِ حق کی نعمت بھی پالیں۔ چوں کہ اس رسالہ میں اللہ تعالیٰ کے الہامات کا تذکرہ ہے۔ بعض عارفین نے اس کو "الہاماتِ غوثیہ" سے بھی موسوم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور غوثِ اعظم کو ہر الہام میں "یا غوثِ اعظم" کے خطاب سے مخاطب کیا ہے

جاری

اردو کے شعری ادب میں ایک نئی صنف کا موجد
مولانا ابوالحسن قربی ویلوریؒ

علیم صبا نویدی

اردو کے شعری ادب میں بے شمار نت نئے تجربے ہوئے۔ ان شعری تجربوں سے اردو شاعری کی کائنات میں بڑی وسعت اور کشادگی پیدا ہوئی۔ مضامین میں آفاقیت کا نور پھیلا۔ اردو شاعری میں اردو غزل کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں جنوبی ہند کے عظمت اللہ کا نام آج بھی تاریخِ ادبِ شعری میں نمایاں اور روشن ہے۔ ویسے غزل کی گردن زدنی کا الزام آشفتہ چنگیزی کے سر بھی جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں اردو غزل میں جنوب کے شعراء نے جو تصوف کے مسائل، صوفیانہ رموز و اسرار اور عارفانہ حقائق کو زینتِ شاعری بنایا ہے۔ اِدھر فنِ تصوف کے دقیق مسائل، وحدت الوجود، مسئلہ عینیت و غیریت پیش کرنے میں حضرت مولانا ابوالحسن قربی ویلوری کو قدرت حاصل تھی۔ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ فنِ تصوّف کی اصطلاحات کو سمجھے بغیر حضرت قربی ویلوری کے کلام کو سمجھنا ناممکن ہے۔ بعض محققین کا کہنا درست نہیں ہے کہ ولی اورنگ آبادی کی شاعری میں جو صوفیانہ مسائل تھے اس کا کہیں کہیں عکس حضرت قربی ویلوری کے کلام میں موجود ہے۔ حضرت قربی کا ایک نثری رسالہ "رسالۂ تصوّف شاہ قربی" (جس کا ایک مخطوطہ نمبر 392 اورینٹل مینوا سکرپٹ لائبریری میں راقم نے دیکھا تھا۔) اور مثنوی "نمک نامہ" میں بھی حضرت قربی نے مختلف صوفیانہ خیالات پیش کئے ہیں۔

حضرت مولانا قربی ویلوری کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ موصوف نے دکنی شعری ادب میں ایک نئی صنف کی بنیاد رکھی جسے "درسنی" نام دیا۔ جو آگے چل کر اصنافِ شاعری میں ایک ممتاز صنف بن کر ابھری۔ اس صنف کو دکنی زبان میں "برہنی" بھی کہتے ہیں۔ درسنی اور برہنی کی بحر دراصل مثنوی کی ایک مرغوب بحر ہے۔ جس میں پانچ مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، پھر مزید دو مصرعوں میں دوسرے قافیوں کا التزام ہوتا ہے۔ برہنی کی صنف میں شاعر اپنی محبوب کی جدائی کا رونا روتا ہے اور اس کے عشق میں جو تڑپ، درد اور کسک ہوتی ہے اس کا اظہار کرتا ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اُسے موت سے پہلے ہی موت آگئی ہے۔ یہاں دو "برہنیاں" نمونتاً پیش ہیں۔

میں پیو میں اپس کو فنا کری — میں مرنے کے آگیچ مری — (آگے)
میں پیو سوں نہیں تھی جُدا ذری — تحقیق کری تو سمجھ پری
ہر ذرّے میں تب گیان دھری — پیو آپ کیا تھا جلوہ گری
خورشید منے جیو مشتری

میں پیو میں اپس کوں فنا کری — میں مرنے کے آگیچ مری
ہوں پیا پیا، ہوں پیا پیا — من وحدت کا ہے پیا پیا
جیو ہیو میں اپس کوں دیا دیا — پیو جیو کوں آپی کیا کیا
جیو پیو ہوا ہور جیو پیا

اس صنف کو حضرت قربیؔ ویلوری کے بعد شاہ ترابؔ ترنا ملی اور مولانا باقر آگاہ نے مزید پروان چڑھایا۔ یہاں شاہ تراب نے "گیان سروپ" میں حضرت قربیؔ کی اتباع کرتے ہوئے بہت سی "برہنیاں" لکھی ہیں۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش پاکستان نے "دیوان تراب" کا مقدمہ لکھتے ہوئے شاہ تراب کی شاعری کا نہ صرف بھرپور جائزہ لیا ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ جنوب میں حضرت مولانا قربیؔ ویلوری، شاہ تراب اور باقر آگاہ ویلوری کی وجہ سے دکنی شاعری اپنے عروج پر تھی۔ اس دور کی تحریر شدہ مثنویوں کا آج تک کسی محقق نے بھرپور جائزہ نہیں لیا ہے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر جمیل جالبی، مولوی سخاوت مرزا، حکیم شمس اللہ قادری، ڈاکٹر سیدہ جعفر، ڈاکٹر محمد علی اثر، نسیم الدین فریس، حبیب نثار نے جنوبی ہند کی مثنویوں پر چیدہ چیدہ مضامین لکھے اور دکنی زبان و ادب کی تخلیقات کو وقار تو بخشا ہے مگر وہ بھی تسلی بخش نہیں۔

جس دور میں مرزا سوداؔ نے اردو شاعری میں ایک نیا آہنگ ایجاد کیا اور میر تقی میرؔ نے اپنی شاعری کی بنیاد عوام کی بول چال کی زبان پر رکھی اسی طرح مولانا قربیؔ ویلوری اور مولانا باقر آگاہ ویلوری نے بھی اپنی شاعری کو روزمرہ کی دکنی زبان کی چاشنی دی ہے۔

مولانا قربیؔ ویلوری کی تمام تر "برہنیاں / درسنیاں" غم و عشق اور کرب و درد کے مدارس میں چکر لگا کر اظہار کی معراج تک رسائی حاصل کرتی ہیں۔ اور یہی معراج مولانا قربیؔ ویلوری کے فن اور شخصیت کو اردو ادب کی دنیا میں بہت اونچا اٹھاتی ہے۔ ••

نعتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی

ہے مزہ دُنیا کا کئی دن کے لئے
کھو نہ جنّت کے مزے ان کے لئے

ہوگئی جب عمر اپنی چل دئے
آئے تھے دُنیا میں دو دن کے لئے

بجلیوں نے آزمایا ہے ہمیں!
آشیاں کو اپنے جب تنکے لئے

حجرِ اسود پر پہنچ کر شوق سے
ہم نے بوسے اس کے گن گن کے لئے

ہائے ناداں تو نے یہ کیا کردیا؟
پھول لینے کی جگہ تنکے لئے

ہوگئی اُمید پوری ایک دن
دن گنے جاتے تھے جس دن کے لئے

اُن کی یادیں بس گئیں، افسرؔ حکیم
جی رہا ہے تو فقط جن کے لئے

طالبِ مولیٰ

علّامہ آمرؔ کلیمی شاہ نوری

ہم سے تم راضی رہو ساتھ میں رہنے والے
ہم نے ہیں دیکھ لئے سارے زمانے والے

اب نہ ہم تم سے جدا ہیں نہ ہو تم ہم سے جدا
ہم دلی حال تمہیں سے ہیں سنانے والے

ہم نے جو کچھ ہے لیا تم سے لیا تم سے لیا
اب کہاں جائیں تمہیں چھوڑ کے جانے والے

ہم تمہیں چھوڑ کے جائیں کہاں تم ہی کہو
کیسے اچھے ہو تم اے بگڑی بنانے والے

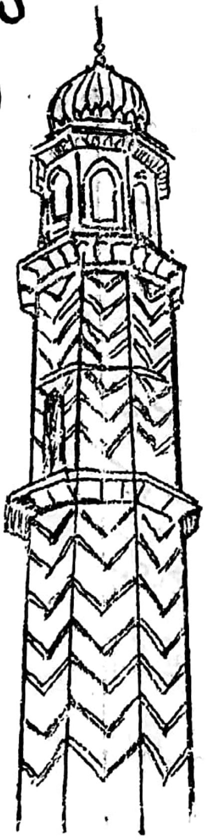
تم مری آنکھ سے آؤ تو مرے دل میں رہو
پھر نہ جانا کبھی آقا! مرے آنے والے

چاہتا دل ہے کہ ہر وقت تمہیں یاد رکھوں
کبھی بھولوں تو ہو تم یاد دلانے والے

اب مرے درد کا درمان تمہیں ہو آقا
تمہیں بے چینی کو ہو چین بنانے والے

اتنا کہہ دینا بھی آمرؔ کے لئے کافی ہے
ہم نے سن لی تری رو رو کے سنانے والے

پیشکش:۔ سید عبدالرزاق: گنتکل



دارُالعُلوم لطیفیہ

علیم صبا نویدی

محترم معتبر لطیفیہ
دارِ علم و ہنر لطیفیہ

کتنی صدیوں کو کر گیا روشن
ترا زرّیں سفر لطیفیہ

کتنے اقطاب کا ہے گہوارہ
کتنے ولیوں کا گھر لطیفیہ

شاہ عبداللطیف سے منسوب
سب کا نورِ نظر لطیفیہ

تیری باہوں میں اب بھی پلتے ہیں
کتنے لختِ جگر لطیفیہ

گُل بہ داماں چمن صحن اس کا
بار آور شجر لطیفیہ

کوئی راہی بھٹک نہ پائے گا
تو ہے وہ راہبر لطیفیہ

آسمانوں کو رشک ہے اس پر
ہے ستاروں کا گھر لطیفیہ

شخصیت ساز ہے ترا ماحول
تُو ہے ایسی ڈگر لطیفیہ

اس کو بجا رحمتِ خدا کہیے !
ہے سدا اوج پر لطیفیہ

جس کی ٹھنڈک صبا نے کی محسوس
ہے وہ بادِ سحر لطیفیہ

قرض

الحاج سید احمد حسینی القادری ادیب

قرض دنیا میں نہ کر دوست نصیحت سُن لے
تجربہ ہے یہ میرا ہے میری حجت سُن لے
زندگی بنتی ہے خوش حال مصیبت اس میں
رنج اس میں ہے عذاب اس میں کدورت اس میں
باپ بیٹے کا کہاں اس میں بھلا ہوتا ہے!
بُرغضب دشمنِ جانی سے سوا ہوتا ہے
غور کر غور کر دکھ درد کا بانی ہے یہ
بخدا قطع محبت کی نشانی ہے یہ
قرض سے دُور رہو دُور رہو دُور ادیب
لاکھ امیروں کا امیر ایک بے قرض غریب

پیشکش

سید علی احمد قادری کلیم۔ بی کام؛ ایل ایل بی؛

نعتیہ قطعات

ڈاکٹر شکیل ناشطی

صحرا میں اک پھول کھلا
ریگستان گلزار بنا
جس کی خوشبو سے مہکا
گوشہ گوشہ دنیا کا

کالی کالی دنیا میں
بن کے اُجالا آئے وہؐ
انسان کی بہبودی کو
امن کا تحفہ لائے وہؐ

چشم غزالہ گندمی رنگ
میانہ قد و چھریرا انگ
روئے مبارک ایسا تھا
دشمن ہو جاتے تھے دنگ

نورُ سے نورُ سراپا نورُ
احمدؐ نورُ سے تھے بھرپورُ
تشکیلِ دنیا سے قبل
ربّ نے بنایا انؐ کا نورُ

نظم

بیادِ شیخ المشائخ اعلحضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد باقر قادریؒ

بہ موقع سالانہ فاتحہ 22 مئی 2010ء

آج تازہ ہوگئی ہے یادِ باقر قادری
پھر سے دُہرا تے ہیں سب روداد ِ باقر قادری

سچ کہا ہے اولیاء ہرگز کبھی مرتے نہیں!
خلد میں آباد ہیں اجدادِ باقر قادری

تا قیامت ختم ہونے کو آئے تذکرہ !
ہم اگر کہتے چلیں رودادِ باقر قادری

آپ کے در پر کوئی مایوس ہوتا ہی نہ تھا
سب پہ یکساں تھی یہاں امدادِ باقر قادری

خانوادے کی شرافت آپ میں موجود تھی
خندہ پیشانی سے ہوتی دادِ باقر قادری

آپ کے رشد و ہدایت سے جو ہوتے فیض یاب
بھول ہی سکتے نہیں ارشادِ باقر قادری

خانقاہی سادگی سادات کی اک شان ہے
گونجتے ہیں ذہن میں اورادِ باقر قادری

سب نکو کاروں کی عمریں ختم ہوتی ہی نہیں
یہ نہ پوچھو کتنی تھی معیادِ باقر قادری

سر اٹھا کر دیکھنا پڑتا ہے تجھ کو اے صبا
آسماں کو چھوگیا شمشادِ باقر قادری

علیم صبا نویدی

پیشکش
مولوی جمیل احمد شریف ایم اے

سالنامہ اللطیف ویلور



دارالعلوم لطیفیہ کا ایک منظر

دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور